فہم القرآن سیریز نمبر 1

www.KitaboSunnat.com

پارہ 5

وَّالْمُحْصَنٰتُ

سوال وجواب کی صورت میں

قرآن مجید کی ہر آیت کی وضاحت

نگہت ہاشمی

بسم اللہ الرحمن الرحیم
قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام
محدث لائبریری
کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com
library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُرآناً عَجَباً

نگہت ہاشمی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

قُرآنًا عَجَبًا

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب : ”قرآنًا عَجبًا“ [پارہ 5]

مؤلفہ : نگہت ہاشمی

طبع اوّل : جنوری 2009

طبع دوم : نومبر 2014

تعداد : 1000

ناشر : النور انٹرنیشنل

لاہور : 36J گلبرگ III فردوس مارکیٹ لاہور

102H گلبرگ III فردوس مارکیٹ لاہور

فون نمبر : 0423-5748737 03364033044

کراچی : گراؤنڈ فلور کراچی بیچ ریزیڈنسی، نزد بلاول ہاؤس، کلفٹن، بلاک 2، کراچی

021-35292341 0336 4033032

فیصل آباد : 121A فیصل ٹاؤن ویسٹ کینال روڈ، فیصل آباد

041-8759191 0336-4033086

ای میل : infoalnoorinternational@gmail.com

ویب سائٹ : www.alnoorpk.com

فیس بک : Nighat Hashmi
Alnoor international

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فہرست

ابتدائیہ

رکوع ❖ 1	11
رکوع ❖ 2	23
رکوع ❖ 3	39
رکوع ❖ 4	76
رکوع ❖ 5	94
رکوع ❖ 6	116
رکوع ❖ 7	138
رکوع ❖ 8	151
رکوع ❖ 9	179
رکوع ❖ 10	188
رکوع ❖ 11	206
رکوع ❖ 12	217
رکوع ❖ 13	230
رکوع ❖ 14	245
رکوع ❖ 15	255
رکوع ❖ 16	273
رکوع ❖ 17	289
آخری آیات	301

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

اِنَّ الْحَمْدَلِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِينُهٗ ،وَنَسْتَغْفِرُهٗ، وَ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا،وَمِنْ سَيِّاتِ أَعْمالِنَا، مَنْ يَّهدِهِ اللّٰهُ فَلاَ مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلاَهَادِىَ لَهٗ،وَأَشْهَدُاَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُاَنَّ مُحَمّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

بے شک حمد اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے ہم اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہیں اور ہم اسی سے مدد طلب کرتے ہیں اور اسی سے مغفرت چاہتے ہیں، اور اپنے نفس کی برائیوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جسے وہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں، محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں ۔

قرآن مجید کو انسان کے قلب و ذہن اور زندگی میں اُتارنے کے لیے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے جو طریقے اختیار کیے ہیں، اُن میں سے ایک اہم طریقہ سوال و جواب کا ہے۔ مثلاً سورہ المدثر میں اللہ تعالیٰ سوال کرتے ہیں: وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا سَقَرُ ﴿27﴾ ''تم کیا جانو کیا ہے وہ دوزخ؟'' پھر اگلی ہی آیت میں جواب دیا جاتا ہے: لَا تُبْقِي وَلَا تَذَرُ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ(28-30) ''نہ باقی رکھے نہ چھوڑے، کھال جھلس دینے والی، اُنیس کارکن اِس پر مقرر ہیں۔''

سورہ البلد میں اللہ تعالیٰ خود ہی سوال اُٹھا کر جواب دیتے ہیں:

وَمَآ اَدْرٰىکَ مَا الْعَقَبَةُ فَکُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْکِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ثُمَّ کَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿12-17﴾

''اور تم کیا جانو کیا ہے وہ دشوار گزار گھاٹی؟ کسی گردن کو غلامی سے چھڑا دینا، یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا، پھر (اس کے ساتھ یہ کہ) آدمی اُن لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنھوں نے ایک دوسرے کو صبر اور (خلقِ خدا) پر رحم کی تلقین کی۔''

سوال آدھا علم ہے۔ سوال جب اُٹھایا جاتا ہے تو ذہن متوجہ ہو جاتا ہے، پھر جب جواب آتا ہے تو اس کا اثر گہرا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کثرت سے اس طریقے کو استعمال فرماتے تھے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے، انہوں نے بیان کیا:

قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : أَيُّکُمْ مَالُ وَارِثِهِ أَحَبُّ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِهِ ؟ قَالُوْا : يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ ! مَا مِنَّا أَحَدٌ اِلَّا مَالُهُ أَحَبُّ اِلَيْهِ ؟ قَالَ : فَاِنَّ مَالَهُ مَا قَدَّمَ وَمَالَ وَارِثِهِ مَآ أَخَّرَ(صحیح بخاری:6442)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نبی ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کون ہے جسے اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پیارا ہو؟''

انہوں نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اپنا مال زیادہ پیارا نہ ہو۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اُس کا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیجا (یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا) اور اس نے جو (مال) پیچھے چھوڑا، وہ اس کے وارث کا مال ہے۔''

ہر آیت میں غور وفکر کے بہت سے پہلو ہوتے ہیں لیکن انسان عام طور پر انہیں نظرانداز کر کے گزر جاتا ہے۔ یہ پہلو سوال کی صورت میں سامنے آئیں تو انسان رُک کر سوچتا ہے۔ سوال و جواب کے انداز میں سیکھنا زیادہ آسان ہو جاتا ہے۔ انسان کو سوالوں کے جواب مل جائیں تو اطمینان ہو جاتا ہے اور دل جمتا ہے۔

قرآنِ حکیم کو سوال و جواب کی صورت میں **قرآنًا عجبًا** کے نام سے مرتّب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہر آیت کے اہم پہلوؤں کو سوال کی صورت میں اُٹھایا ہے اور نکات کی صورت میں ان کا جواب قرآنِ حکیم ہی سے لینے کی کوشش کی ہے۔ میں نے یہ تجربہ کیا ہے کہ اس طرح اہم نکات حافظے کا حصہ بن جاتے ہیں، وہ نکات جن پر انسان عام طور پر یا تو سوچتا نہیں یا پھر ویسے ہی گزر جاتا ہے۔ قرآنِ مجید کو اِس انداز میں پڑھ کر ہر وہ شخص فائدہ اُٹھا سکتا ہے جو قرآن کے راستے کا مسافر بننا چاہتا ہے۔ اگرچہ سوال و جواب کے طریقے سے شعور بیدار ہوتا ہے لیکن ایک انسان کا علم محدود ہے، سمجھ محدود ہے، فرشتوں کی بات کو سامنے رکھیں تو اپنے علم کی حقیقت سامنے آتی ہے:

سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَا اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ (البقرۃ:32)

پاک تو آپ (اللہ تعالیٰ) ہی کی ذات ہے، ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ نے ہم کو دے دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں۔

میں ان سب افراد کی بہت ممنون ہوں جنہوں نے اس کاوش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کی۔ قارئین سے درخواست ہے غلطیوں کی نشاندہی ضرور کریں۔ اگر اس سے کوئی بھلائی نصیب ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کا کرم سمجھ لیں، آخرت کی فکر لاحق ہو جائے تو دعاؤں میں یاد رکھیئے۔ اللہ تعالیٰ میری خطاؤں سے درگزر فرمائیں۔

دُعاؤں کی طلب گار

نگہت ہاشمی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

رکوع نمبر1

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا(24)

اورشوہروالی عورتیں (بھی حرام کی گئی ہیں) مگروہ (لونڈیاں) جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہوں، یہ تم پراللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے اوران کے علاوہ تمہارے لیے سب عورتیں حلال کردی گئی ہیں یہ کہ تم اپنے مالوں کے بدلے میں طلب کرواس حال میں کہ نکاح میں لانے والے ہونہ کہ بدکاری کرنے والے ہوپھران میں سے جن عورتوں سے تم فائدہ اُٹھاؤ اُن کواُن کے مقررہ مہردے دواورتم پرکوئی گناہ نہیں اس میں جس پرتم مہر مقرر ہونے کے بعد باہم رضامند ہوجاؤ یقیناًاللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا،کمال حکمت والا ہے۔(24)

سوال1:اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب:ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے دن ایک لشکر کواوطاس کی طرف بھیجا۔ان کی دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی اوران کوقتل کیا اوران پرصحابہ رضی اللہ عنہم نے غلبہ حاصل کیا اورانہوں نے کافروں کوقیدی بنایا۔اصحابِ رسول رضی اللہ عنہم میں سے بعض لوگوں نے ان سے صحبت کرنے کواچھا نہ سمجھا اس لیے کہ ان کے مشرک شوہر موجود تھے،تو اللہ نے اس بارے میں یہ آیت نازل فرمائی وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اورشوہروالی عورتیں (بھی حرام کی گئی ہیں) مگروہ (لونڈیاں) جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہوں یعنی وہ تمہارے لیے حلال ہیں جب ان کی عدت پوری ہوجائے۔(صحیح مسلم:3608)

سوال2:وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ '' اورشوہروالی عورتیں (بھی حرام کی گئی ہیں) مگروہ (لونڈیاں) جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہوں، یہ تم پراللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے''مُحصَنات کے کیا معنی ہیں اور یہاں کون سے معنی مراد ہیں؟

جواب:﴿1﴾ اَلْمُحْصَنٰتُ سے مراد شادی شدہ عورتیں، آزادعورتیں، پاک دامن عورتیں اورمسلمان عورتیں ہیں۔یہاں شادی

شدہ عورتیں مراد ہیں جو جنگ میں ہاتھ آئیں۔﴿2﴾ الْمُحْصَنٰتُ کے لیے حکم یہ ہے کہ شادی شدہ عورت سے نکاح نہیں ہوسکتا ماسوائے ان عورتوں کے جو جنگ میں ہاتھ آئیں۔﴿3﴾ اِلَّامَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ''مگر وہ (لونڈیاں) جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہوں'' اس سے مراد یہ ہے کہ لونڈیوں سے تعلق قائم کرنے کی اجازت ہے۔لونڈیوں کے ساتھ اچھا معاملہ کرنے اور آزاد کرکے اس سے نکاح کرنے کا ثواب ہے۔سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے پاس کوئی لونڈی ہو اور وہ اس کی اچھی پرورش کرے اور اس کے ساتھ اچھا معاملہ کرے پھر اسے آزاد کرکے اس سے نکاح کرلے تو اس کو دوہرا ثواب ملے گا۔(صحیح بخاری:2544)﴿4﴾ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ''تم پر اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے جس کی پابندی تم پر لازم ہے۔اس کے قانون کی پابندی کرو،اس کی حدود سے تجاوز نہ کرو۔اسلامی قانون کا اصل الاصول اللہ تعالیٰ کا امر،اس کی اجازت ہے۔

سوال3: کافر عورتیں جو جنگ میں قید ہوکر آئیں اگر اُن کا مسلمان معاشرے میں رہنا ناگزیر ہوجائے تو اسلام ان کے لیے کیا طریقۂ کار اختیار کرتا ہے؟

جواب: کافر عورتیں جو جنگ میں قید ہوکر آئیں اگر اُن کا مسلمان معاشرے میں رہنا ناگزیر ہوجائے تو اسلام ان کو کسی مسلمان کی ملکیت میں دے دیتا ہے تاکہ i۔وہ ان کے کھانے پینے کا مناسب انتظام کریں۔ii۔ان کی فطری ضروریات کو قانونی طریقے سے پورا کیا جائے یعنی ان میں سے ہر عورت کو کسی مرد کی ملکیت میں دے دیا جائے۔iii۔حالت شرک میں ہونے کے باوجود ان سے مجامعت کی اجازت ہے لیکن ان کے رحم کی پاکیزگی کا اہتمام کیا جائے۔

سوال4: کیا لونڈیوں سے تمتع حکم ہے؟

جواب:﴿1﴾ لونڈیوں سے تمتع ایک رخصت ہے حکم نہیں ہے۔یہ اللہ کی رحمت ہے کہ اس نے ایسی اجازت دی ہے کیونکہ جہاد اور اس میں عورتوں کی گرفتاری ایسی چیز ہے جس سے مفر نہیں اور ایسا بھی عین ممکن ہے کہ جنگ کے تبادلہ یا اور کوئی باعزت حل نہ نکل سکے اس لیے اللہ نے اسے کلیتاً حرام قرار نہیں دیا۔(تفسیر تیسیر القرآن 380/1)﴿2﴾ اسلامی معاشرے میں چونکہ مشرک ہونے کی وجہ سے ان خواتین سے نکاح جائز نہیں ہے،نہ انہیں زبردستی اسلام میں داخل کیا جاسکتا ہے،نہ غیر قانونی طور پر ان کی فطری ضروریات کو پورا کرنے کی اجازت ہے کیونکہ اس سے گندگی پھیلتی ہے اور پورا اسلامی معاشرہ بے حیائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔اس لیے اسلام کافر عورت کو کسی مسلمان کی ملکیت میں دے دیتا ہے۔اس طرح اپنے دشمن کے ملک میں ہونے کے

باوجود ایسی عورتوں کو مرد کا تحفظ مل جاتا ہے اور نارمل زندگی گزارنے کا موقع مل جاتا ہے یہی ان کے لیے واحد حل ہے۔

سوال5: وَ اُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ مُّحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ ’’اوران کے علاوہ تمہارے لیے سب عورتیں حلال کردی گئی ہیں یہ کہ تم اپنے مالوں کے بدلے میں طلب کرواس حال میں کہ نکاح میں لانے والے ہونہ کہ بدکاری کرنے والے ہو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》وَ اُحِلَّ لَكُمۡ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمۡ ’’اوران کے علاوہ تمہارے لیے سب عورتیں حلال کردی گئی ہیں‘‘یعنی محرمات کے علاوہ تمام عورتوں سے نکاح جائز ہے۔خاندان کی تشکیل کے لیے مرداورعورت نکاح کے ذریعے خوشی حاصل کریں۔نکاح فطری تقاضا ہے اس کو پورا کریں۔نبی ﷺ نے فرمایا: دومحبت کرنے والوں کے لیے نکاح جیسی (مؤثر) کوئی چیز نہیں دیکھی گئی۔(ابن ماجہ:1847)《2》حرام محدود ہے اورحلال لامحدوداورغیرمحصور ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پرلطف وکرم،اس کی رحمت اوران کے لیے اس کی عطاکردہ آسانی ہے۔(تفسیرِ سعدی)《3》اَنۡ تَبۡتَغُوۡا بِاَمۡوَالِكُمۡ ’’یہ کہ تم اپنے مالوں کے بدلے میں طلب کرو‘‘اَموال کے ذریعے حاصل کرنے سے مراد ہے مہر مقرر کرکے عورت سے نکاح کیا جائے۔《4》مُّحۡصِنِيۡنَ غَيۡرَ مُسٰفِحِيۡنَ ’’یہ کہ تم اپنے مالوں کے بدلے میں طلب کرواس حال میں کہ نکاح میں لانے والے ہونہ کہ بدکاری کرنے والے ہو‘‘میں یہ ارشادفرمایا کہ مالوں کے ذریعے جوعورتیں تلاش کی جائیں اس سے عفت وعصمت کو باقی رکھنااور پاک دامن رہنامقصود ہومحض شہوت رانی پیش نظر نہ ہو۔مومن کے نکاح کا مقصدi۔تکثیرنسل ii۔نفس ونظر کی حفاظت iii۔عفت وعصمت کے ساتھ زندگی گزارنا ہے۔(تفسیرانوارالبیان:647/1)

سوال6: جواجنبی عورتیں شادی شدہ ہوں گی،ان سے شادی کب حرام ہوگی؟

جواب:《1》جواجنبی عورتیں شادی شدہ ہوں گی ان سے شادی حرام ہوگی جب تک کہ ان کے پہلے شوہر طلاق نہ دے دیں یاوہ مرنہ جائیں۔《2》عورتیں طلاق یاوفات کی عدت نہ گزارلیں آزادہوں یاغلام اور چاہے مسلمان ہوں یا کتابیہ ،تاکہ دومردوں کانطفہ مل کربچے کانسب ضائع نہ ہوجائے۔(تیسیر الرحمٰن:252)

سوال7: نکاح کے لیے کیا شرائط عائد کی گئی ہیں؟

جواب: ایک مسلمان مردعقدِزواج کی قیودکوملحوظ رکھتے ہوئے بیک وقت ایک سے چارتک شادیاں کرسکتا ہے مگرچارشرطوں کے ساتھ《1》ایجاب وقبول یعنی طلب جوہمیں اَنۡ تَبۡتَغُوۡا سے پتہ چلتا ہے۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا: بے نکاحی عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور نہ باکرہ کا نکاح کیا جائے یہاں تک کہ اس سے اجازت لے لی جائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کی اجازت کیسے ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ خاموش ہوجائے۔(صحیح مسلم:3473)《2》مال سے مہر ادا کرنا۔《3》شادی کی قید میں لانا صرف شہوت رانی غرض نہ ہو جیسے زنا یا متعہ میں ہوتا ہے جو چند گھنٹوں یا مقررہ مدت تک کے لیے ہوتا ہے یا حلالہ جس کا مقصد عورت کو نکاح کی قید میں مستقل طور پر رکھنا مطلوب نہیں ہوتا۔《4》چھپی یاری دوستی نہ ہونا بلکہ گواہوں کی موجودگی میں نکاح ہونا۔ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حق مہر اور دو عادل گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔(بیہقی) محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حلال اور حرام نکاح کی تمیز آواز اور دف سے ہوتی ہے۔(سنن نسائی:3371)

سوال8: مُّحۡصِنِيۡنَ ’’ نکاح میں لانے والے ہو‘‘ سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》حصارِ نکاح میں لانے والے۔《2》نکاح مرد کے لیے بھی اِحصان ہے اور عورت کے لیے بھی۔

سوال9: اِحصان کا مفہوم کیا ہے؟

جواب: حفاظت اور بچاؤ۔

سوال10: نکاح کیسے ’’اِحصان‘‘ ہے؟

جواب:《1》مرد اور عورت کو برائیوں اور بدکاریوں سے بچاتا ہے۔《2》خاندان کے تمام افراد کے لیے حفاظت اور بچاؤ ہے۔

سوال11: مُسٰفِحِيۡنَ ’’ بدکاری کرنے والے ہو‘‘ سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》مسافحۃ کے معنی ہیں: نشیبی تنگ جگہ میں پانی گرانا۔ باب مفاعلۃ سے ہے، یعنی جس میں عورتیں اور مرد شریک ہوں اور دونوں اپنا اپنا پانی گرائیں۔《2》مُسٰفِحِيۡنَ وہ مرد اور عورتیں ہیں جو ماءِ حیات کو گراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ماءِ حیات نئی نسل کی پیدائش، ان کی تربیت اور پرورش کے لیے پیدا کیا ہے جو لوگ وقتی لذت کے لیے اسے گراتے ہیں ان کے بچے اور خاندان محفوظ نہیں رہتے۔

سوال12: نکاح اور آزادانہ شہوت رانی میں کیا فرق ہے؟

جواب:

نکاح	آزادشہوت رانی
1۔ایک معاشرتی معاہدہ ہے۔	1۔اس میں کوئی معاہدہ نہیں ہوتا۔
2۔لڑکی سے نکاح کے لیے اہلِ خاندان کو باقاعدہ پیغام دیاجاتاہے۔	2۔اس مقصد کے لیےخاندان سےتعلق توڑنا ناگزیر ہے۔
3۔نکاح کی شرائط ہیں: ا۔خطبۂ نکاح ب۔ولی کی اجازت ج۔لڑکےاورلڑکی کاایجاب وقبول د۔مہر و۔گواہوں کی موجودگی	3۔آزادشہوت رانی میں کوئی شرائط نہیں: ا۔چوری چھپے کےتعلق میں اللہ تعالیٰ کی یاد کا کیا کام۔ ب۔ولی کاتعلق نہیں ہوتا۔ ج۔بعض صورتوں میں دونوں کی مرضی ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں جبر۔ د۔بعض صورتوں میں مال دیاجاتاہے۔ و۔گواہوں کاتعلق نہیں ہوتا۔
4۔فطری جذبات کی تسکین کے لیے پاکیزگی اور تقدس کی فضا قائم رہتی ہے۔	4۔فطری جذبات کی تسکین کے لیےوقتی میلان کے تحت بے حیائی کی فضا قائم ہوجاتی ہے۔
5۔نکاح کا مقصدنئی نسل کی پیدائش ،پرورش اورتربیت ہے۔	5۔آزادانہ شہوت رانی کے نتیجے میں ہرممکن کوشش کی جاتی ہے کہ بچہ پیدانہ ہواوراگروہ پیداہوجائے تو ضائع ہونے سے محفوظ نہیں رہتا۔
6۔نکاح نسلِ انسانی کی ترقی کاراستہ ہے۔	6۔آزادشہوت رانی نسل انسانی کی تباہی کاراستہ ہے۔

7۔نکاح کے لیے مرد پر عورت کی حفاظت اور کفالت کی شرائط عائد کی جاتی ہیں۔مرد عورت اور اس کے بچوں کی معاشی ذمہ داریوں کا کفیل ہوتا ہے۔	7۔مرد عورت کی حفاظت کو توڑتا ہے۔اس کی کوئی ذمہ داری نہیں اٹھاتا۔اس کے بچے کو اپنا نام نہیں دیتا۔اس کے بچے کی کفالت نہیں کرتا۔
8۔نکاح کا رشتہ سکون کا رشتہ ہے۔	8۔آزاد شہوت رانی میں کوئی رشتہ نہیں صرف بے سکونی ہے، تباہی ہے۔

سوال13: فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ’’پھر ان میں سے جن عورتوں سے تم فائدہ اُٹھاؤ اُن کو اُن کے مقررہ مہر دے دو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ’’پھر ان میں سے جن عورتوں سے تم فائدہ اُٹھاؤ اُن کو اُن کے مقررہ مہر دے دو‘‘۔اگر کسی آدمی نے کسی عورت سے شادی کی اور اس کے ساتھ ہم بستری بھی کر لی تو اسے پورا مہر دینا ہوگا، اور اگر ہم بستری نہیں کی ہے تو آدھا مہر دینا ہوگا اور اگر پہلے سے مہر مقرر نہیں کیا گیا تھا اور ہم بستری بھی نہیں کی اور طلاق ہوگئی تو اسے کچھ مال دے دیا جائے گا۔(تیسیر الرحمٰن)﴿2﴾اس سے مراد یہ ہے کہ مہر واجب ہے۔اس پر دلیل یہ ہے کہ مہر کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔(الاساس فی التفسیر:1032/2)﴿3﴾ اسْتَمْتَعْتُمْ سے مراد نکاح کے بعد صحبت اور مباشرت ہے۔اس سے مراد متعہ نہیں ہے۔متعہ ابتدائے اسلام میں جائز رہا ہے لیکن اب اسے ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا گیا ہے۔﴿4﴾ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً کے بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اگر کسی آدمی نے کسی عورت سے شادی کی اور اس کے ساتھ جماع بھی کر لیا تو اسے پورا مہر دینا ہوگا۔(تفسیر ابن ابی حاتم:919/3)

سوال14: کیا مہر ادا کرنا فرض ہے؟

جواب:﴿1﴾ پھر جو ازدواجی زندگی کا لطف تم ان سے اٹھاؤ اس کے بدلے ان کے مہر بطورِ فرض ادا کرو۔﴿2﴾ مہر عورت کا ایک فرض کیا گیا حق ہے۔﴿3﴾ یہ حق لطف اندوزی کے عوض مقرر کیا گیا ہے۔﴿4﴾ جو مرد کسی عورت سے جنسی ضروریات پوری کرنا چاہتا ہے اس کے لیے اسلام یہ طریقہ کار مقرر کرتا ہے کہ وہ اس عورت کو حصارِ نکاح میں لے اور مہر ادا کرے۔﴿5﴾ مہر عورت پر احسان نہیں ہے بلکہ اس کا حق ہے۔

سوال15: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ’’اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس میں جس پر تم مہر مقرر ہونے کے

بعد باہم رضامند ہو جاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》عورت کے لیے مہر فرض قرار دینے کے بعد معاملہ شوہر اور بیوی پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ ادائیگی اور معافی کے سلسلے میں باہمی رضامندی سے معاملہ طے کر سکتے ہیں۔《2》ادائیگی اور معافی مشترکہ زندگی کے تقاضوں کے مطابق باہمی رضامندی سے ہوگی۔《3》عورت اپنا حق معاف کرنا چاہے تو اس پر پابندی نہیں ہے۔《4》معافی یا کمی مہر مقرر ہونے کے بعد ہو سکتی ہے۔《5》شوہر مقررہ مہر میں اضافہ کرنا چاہے یا مہر سے زیادہ ادائیگی کرنا چاہے تو ایسا کر سکتا ہے۔

سوال16: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ '' اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس میں جس پر تم مہر مقرر ہونے کے بعد باہم رضامند ہو جاؤ'' مہر مقرر ہو جانے کے بعد آپس کی رضامندی سے طے کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》اس سے مراد ہے کہ شوہر اور بیوی آپس کی رضامندی سے مہر کی ادائیگی میں کمی بیشی اور معافی کے سلسلے میں معاملہ طے کر سکتے ہیں۔《2》سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تَرَاضَيْتُمْ سے مراد ہے کہ پورا مہر دے کر عورت کو اختیار دیا جائے کہ اگر وہ چاہے تو رہے ورنہ جدا ہو جائے۔《3》الْفَرِيضَةِ یعنی تمہارا اپنی بیویوں کو مہر عطا کرنا تم پر فرض ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔ یہ کوئی عطیہ اور بخشش نہیں ہے کہ دل چاہا تو دے دیا اور دل چاہا تو واپس لے لیا۔ اس کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مہر ایک مقرر کردہ حق ہے جسے تم نے خود مقرر کیا ہے، جس کی ادائیگی تم پر واجب ہے پس تم اس میں سے کچھ کم نہ کرو۔ (تفسیرِ سعدی)

سوال17: نکاحِ متعہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: نکاحِ متعہ سے مراد ہے کسی عورت سے ایک مقررہ مدت تک (مقررہ معاوضے کے بدلے) نکاح کر لینا مثلاً دو دن یا تین دن یا اس کے علاوہ کسی اور مدت تک۔ (التعلیقات الرضیۃ للالبانی: 864/2)

سوال18: نکاحِ متعہ کا کیا حکم ہے؟

جواب:《1》پہلے یہ نکاح مباح تھا جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ کے ہمراہ جہاد کرتے تھے اور ہمارے ساتھ ہماری بیویاں نہ تھیں اور ہم نے کہا کہ کیا ہم خصی نہ ہو جائیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع فرمایا اور اس بات کی اجازت دی کہ ایک کپڑے (یا کسی بھی چیز) کے بدلے ایک معینہ مدت تک کسی عورت سے نکاح کریں۔ (بخاری: 4615)《2》ابو جمرہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عورتوں کے ساتھ متعہ کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں

نے اس کی اجازت دی۔ پھران کے ایک غلام نے ان سے پوچھا کہ اس کی اجازت سخت مجبوری یا عورتوں کی کمی یا اس جیسی صورتوں میں ہوگی تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہاں! (بخاری: 5116) ﴿3﴾ اب یہ نکاح منسوخ ہو چکا ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر عورتوں سے متعہ کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ (بخاری: 5115) ﴿4﴾ سیدنا ربیع بن سبرہ جہنی رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے نکاحِ متعہ کی اجازت دی تھی اور تحقیق اللہ نے اسے قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ہے پس جس کے پاس ان میں سے کوئی عورت ہو تو اسے آزاد کر دے اور ان سے جو کچھ تم نے انہیں دیا ہے نہ لے۔ (صحیح مسلم: 1406) ﴿5﴾ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دورانِ خطبہ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کی ہمیں تین مرتبہ اجازت دی پھر اسے حرام کر دیا۔ اللہ کی قسم! (اب) مجھے کسی بھی شادی شدہ کے نکاحِ متعہ کا علم ہوگا تو میں اسے پتھروں کے ساتھ رجم کر دوں گا الا یہ کہ وہ میرے پاس چار ایسے گواہ لائے جو یہ شہادت دیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نکاح کو حرام کرنے کے بعد (پھر) حلال کر دیا تھا۔ (صحیح ابن ماجہ: 1598، ابن ماجہ: 1963) ﴿6﴾ شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدیثِ صریح نص ہے کہ نکاحِ متعہ ہمیشہ کے لیے حرام ہے لہٰذا کوئی بھی اس کے جواز کے متعلق بعض اکابر علماء کے فتووں سے دھوکہ مت کھائے۔ جیسا کہ شیعہ کا مذہب ہے۔ (نظم الفرائد: 15/2) ﴿7﴾ سعودی مجلسِ افتاء کا فتویٰ ہے کہ نکاحِ متعہ حرام ہے اور اگر واقع ہو جائے تو باطل ہے۔ (فتاوی اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والافتاء: 440/18)

سوال19: اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علیم اور حکیم کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے لونڈیوں کے احکامات سے، نکاح کی شرائط سے، معاشرے کو بگاڑ سے بچانے کے لیے اُصول دے کر اپنے علم کا شعور دلایا ہے کہ جو اتنی گہرائی سے انسانی زندگی کا علم رکھتا ہو وہی یہ اُصول دے سکتا ہے اور اپنی حکمت کا شعور دلایا ہے کہ وہ ساری حکمتوں اور مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔ یقیناً وہ علیم ہے، وہ حکیم ہے۔

وَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ مِنۡكُمۡ طَوۡلًا اَنۡ یَّنۡكِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ فَمِنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَیۡمَانُكُمۡ مِّنۡ فَتَیٰتِكُمُ الۡمُؤۡمِنٰتِ ؕ

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (25)

اورتم میں سے جوکوئی مالی لحاظ سے استطاعت نہ رکھتا ہوکہ وہ آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرے تو مومن لونڈیوں میں سے کسی سے نکاح کرلے جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہوں اوراللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کوزیادہ جاننے والا ہے تم ایک دوسرے سے ہو، چنانچہ اُن کے مالکوں کی اجازت سے اُن کے ساتھ نکاح کرلواوراُن کے مہراُن کواچھے طریقے سے ادا کردو، جب کہ وہ نکاح میں لائی گئی ہوں، بدکاری کرنے والی نہ ہوں۔اورنہ ہی چھپے دوست بنانے والی ہوں، پھرجب وہ نکاح میں لائی جا چکیں تواگراس کے بعدوہ بے حیائی کریں تو اُن کی سزا آزادعورتوں سے نصف ہے۔ یہ اس کے لیے ہے جوتم میں سے گناہ میں پڑنے سے ڈرے اور یہ کہ تم صبر کروتمہارے لیے بہتر ہے اوراللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا،نہایت رحم والا ہے۔(25)

سوال1: وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ’’اورتم میں سے جوکوئی مالی لحاظ سے استطاعت نہ رکھتا ہوکہ وہ آزاد مومن عورتوں سے نکاح کرے تو مومن لونڈیوں میں سے کسی سے نکاح کرلے جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہوں‘‘ کوئی مومن اپنے خاندانی حالات کی وجہ سے آزاد، خاندانی، مومنہ عورت سے نکاح کرنے کی پوزیشن میں نہیں تو ایسی صورت میں اسلام اس کے لیے کیا رعایت دیتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اگرانتظار کرسکتا ہوتو آزادعورت سے ہی نکاح کرے۔ ﴿2﴾ اخلاقی فتنے میں مبتلا ہونے کا ڈرہوتو لونڈیوں سے نکاح کی اجازت ہے۔

سوال2: فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ’’تو مومن لونڈیوں میں سے کسی سے نکاح کرلے جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہوں‘‘ اسلام آزادعورت سے نکاح کوترجیح کیوں دیتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ آزادی اسے آداب سکھاتی ہے کہ اسے اپنی پاک دامنی کی حفاظت کیسے کرنی ہے۔ ﴿2﴾ غلام عورت کے

اندر خودداری نہیں ہوتی، اسے خاندانی شرافت کا احساس نہیں ہوتا۔﴿3﴾ آزاد عورت کا ایک خاندان ہوتا ہے، اس خاندان کی شہرت ہوتی ہے، خاندان والے محافظ ہوتے ہیں، ایسی عورت اپنے خاندان کی عزت کا خیال رکھتی ہے۔ اس کی عزتِ نفس اسے بدکاری اور زِنا کاری سے روکتی ہے۔

سوال3: وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِاِیۡمَانِکُمۡ ؕ بَعۡضُکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ''اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ تم ایک دوسرے سے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اسلام تمام انسانوں کو ایک ہی نسل اور ایک ہی اصل سے شمار کرتا ہے۔ خطبہ حجۃ الوداع میں نبی ﷺ نے فرمایا ''تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔'' ﴿2﴾ اسلام میں اجتماعی تعلقات کے لیے انسانیت اور ایمان کا رابطہ بنیاد بنتا ہے۔

سوال4: فَانۡکِحُوۡہُنَّ بِاِذۡنِ اَہۡلِہِنَّ وَ اٰتُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ مُحۡصَنٰتٍ غَیۡرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ''چنانچہ اُن کے مالکوں کی اجازت سے اُن کے ساتھ نکاح کرلو اور اُن کے مہر اُن کو اچھے طریقے سے ادا کردو، جب کہ وہ نکاح میں لائی گئی ہوں، بدکاری کرنے والی نہ ہوں۔ اور نہ ہی چھپے دوست بنانے والی ہوں'' لونڈی سے نکاح کی کیا شرائط ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ لونڈی کے مالک کی اجازت، اس کی دلیل فَانۡکِحُوۡہُنَّ بِاِذۡنِ اَہۡلِہِنَّ ''چنانچہ اُن کے مالکوں کی اجازت سے اُن کے ساتھ نکاح کرلو'' ﴿2﴾ مہر کی ادائیگی، اس کی دلیل وَ اٰتُوۡہُنَّ اُجُوۡرَہُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ''اور اُن کے مہر اُن کو اچھے طریقے سے ادا کردو'' ﴿3﴾ بدکاری نہ کریں، اس کی دلیل مُحۡصَنٰتٍ غَیۡرَ مُسٰفِحٰتٍ ''جب کہ وہ نکاح میں لائی گئی ہوں، بدکاری کرنے والی نہ ہوں'' ﴿4﴾ چھپی دوستیاں نہ رکھیں، اس کی دلیل وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخۡدَانٍ ''اور نہ ہی چھپے دوست بنانے والی ہوں''

سوال5: فَانۡکِحُوۡہُنَّ بِاِذۡنِ اَہۡلِہِنَّ ''چنانچہ اُن کے مالکوں کی اجازت سے اُن کے ساتھ نکاح کرلو'' مالکوں کی اجازت سے نکاح کرنے کے حکم سے کیا پتہ چلتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ مالکوں کی اجازت سے نکاح کرنے کے حکم سے یہ پتہ چلتا ہے کہ لونڈی کا مالک اس کا ولی ہے۔ اس کی اجازت سے نکاح ہوگا۔ ﴿2﴾ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ غلام کا مالک اس کا ولی ہے۔ مالک کی اجازت کے بغیر غلام نکاح نہیں کرسکتا۔ ﴿3﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: جس غلام نے اپنے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کرلیا وہ زانی ہے۔ ﴿4﴾ اگر لونڈیوں کی مالکہ عورت ہو تو عورت کا ولی اس کی اجازت سے نکاح کروائے کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: عورت، عورت کا نکاح

نہ کرائے نہ وہ اپنا نکاح کرے کیونکہ فاحشہ اپنا نکاح آپ کرتی ہے۔

سوال6: وَاٰتُوۡهُنَّ اُجُوۡرَهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ''اوراُن کے مہراُن کواچھے طریقے سے ادا کردو جب کہ وہ نکاح میں لائی گئی ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اوراُن کے مہراُن کواچھے طریقے سے ادا کردو جب کہ وہ نکاح میں لائی گئی ہوں'' عورتوں کو معروف طریقے سے یعنی خوش دلی سے مہر ادا کیے جائیں اس وجہ سے کہ لونڈیوں کی بے قدری ہے مہر میں کمی نہ کریں۔

سوال7: فَاِذَاۤ اُحۡصِنَّ فَاِنۡ اَتَيۡنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيۡهِنَّ نِصۡفُ مَا عَلَى الۡمُحۡصَنٰتِ مِنَ الۡعَذَابِ ''پھر جب وہ نکاح میں لائی جاچکیں تو اگراس کے بعدوہ بے حیائی کریں تو اُن کی سزا آزادعورتوں سے نصف ہے''لونڈی کے لیے آدھی سزا کیوں ہے؟

جواب: لونڈی کے لیے آدھی سزا اس لیے ہے کہ ﴿1﴾ شادی شدہ خاندانی عورت کی دوحفاظتیں ہیں: i۔ خاندان ii۔ شوہر ﴿2﴾ لونڈی غیر شادی شدہ ہوتو کوئی حفاظت نہیں۔ ﴿3﴾ لونڈی شادی شدہ ہوتو صرف شوہر کی حفاظت ہوتی ہے، خاندان کی حفاظت نہیں ہوتی۔ شوہر کی حفاظت بھی آدھی ہوتی ہے کیونکہ وہ اپنے مالک کی لونڈی رہتی ہے۔ اسی وجہ سے اسے معاشرے میں وہ مرتبہ نصیب نہیں ہوتا جو آزاد خاندانی عورت کو حاصل ہوتا ہے۔ شادی شدہ عورت دوہری حفاظت کو توڑے تو بڑی سزا اور لونڈی شوہر کی اُدھوری حفاظت کو توڑے تو آدھی سزا ہے۔

سوال8: ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِىَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ‌ ؕ وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَيۡرٌ لَّـكُمۡ ''یہ اس کے لیے ہے جو تم میں سے گناہ میں پڑنے سے ڈرے اور یہ کہ تم صبر کرو تمھارے لیے بہتر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''یہ اس کے لیے ہے جو تم میں سے گناہ میں پڑنے سے ڈرے اور یہ کہ تم صبر کرو تمھارے لیے بہتر ہے'' جمہور اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ آزاد مرد کا لونڈی سے نکاح دو شرطوں سے ہی جائز ہے: ا۔ جب آزاد عورت سے نکاح کی طاقت نہ ہو۔ ب۔ جب زنا میں مبتلا ہوجانے کا خوف ہو ﴿2﴾ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تنہائی پر صبر کرنا لونڈی کے نکاح سے بہتر ہے کیونکہ یہ اولاد کی غلامی کا موجب ہے۔ اس سے نفس گھٹیا ہوجاتا ہے اور گھٹیا کاموں سے عمدہ اخلاق پر صبر کرنا زیادہ بہتر ہے۔ (تفسیر قرطبی: 132/5)

سوال9: ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِىَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ ''یہ اس کے لیے ہے جو تم میں سے گناہ میں پڑنے سے ڈرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ”یہ اُس کا حکم ہے جوتم میں گناہ میں پڑنے سے ڈرے“یعنی لونڈی سے نکاح کرنے کی اجازت اس کے لیے ہے جوزنا میں مبتلا ہونے سے بچنا چاہتا ہو۔﴿2﴾لونڈی سے نکاح کرنے کی اجازت دے کراللہ تعالیٰ نے گناہ میں پڑنے سے ڈرایا ہےاورچھپی دوستیوں کا راستہ بند کر کے نکاح کے راستے کوکھول دیا ہے۔

سوال10:وَ اَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ ”اور یہ کہ تم صبر کروتمہارے لیے بہتر ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:یعنی لونڈی سے نکاح نہ کرنا بہتر ہےاسی لیے فرمایا:تمہاراصبر کرنا اورنفس سے مجاہدہ کرنا تمہارے لیے نکاح کرنے سے بہتر ہے۔

سوال11:وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ”اوراللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا،نہایت رحم والا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ”اوراللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا،نہایت رحم والا ہے“اللہ تعالیٰ نے یہ شعوراس لیے دلایا ہے کہ جولوگ اپنی جوانی کے جذبات پر کنٹرول نہ رکھ سکتے ہوں اوران کے بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتو وہ صبر کریں۔ رحمت کی اُمید پر ہی صبر ہوسکتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رحیم کا شعور دلایا ہے﴿2﴾اللہ تعالیٰ مومنوں کے لیے نہایت رحم والا ”رحیم“ ہےاور یہاں یہ خاص طور پراس لیے واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے بہتر چیز کی طرف راہ نمائی کی ہے یعنی زنا میں مبتلا ہوجانے کے خوف سے لونڈی سے نکاح کرنے کی اجازت تو ہےلیکن صبر بہتر ہے۔﴿3﴾توبہ کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا ”غفور“ ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غفور کا شعوراسی لیے دلایا ہے کہ اگر انسان سے کوئی بے اعتدالی ہوجائے پھر بھی وہ رب کا دامن نہ چھوڑے۔

سوال12:وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ”اوراللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا،نہایت رحم کرنے والا ہے“اللہ تعالیٰ نے اپنے غفوراور رحیم ہونے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے یہ شعوراس لیے دلایا ہے کہ جولوگ اپنی جوانی کے جذبات پر کنٹرول نہ رکھ سکتے ہوں اوران کے بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہوتو وہ صبر کرسکیں۔صبر رحمت کی اُمید پر ہی ہوسکتا ہے،اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رحیم کا شعور دلایا ہےاور اگر انسان سے کوئی بے اعتدالی ہو جائے پھر بھی وہ رب کا دامن نہ چھوڑے،اسی لیےاللہ تعالیٰ نے اپنی صفت غفور کا شعوردلایا ہے۔

رکوع نمبر2

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (26)

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے کھول کر بیان کرے اور وہ تمہیں ان لوگوں کے طریقوں کی ہدایت دے جو تم سے پہلے تھے اور وہ تم پر مہربانی فرمائے اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔(26)

سوال1: يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ ''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے کھول کر بیان کرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے کھول کر بیان کرے'' ﴿1﴾ یعنی حلال وحرام بیان کردے۔(جامع البیان:32/5)

﴿2﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ: یعنی عورتوں کی حلت وحرمت کے بارے میں جو اس نے شرائط کے ساتھ حلال کیا ہے۔(تفسیر قاسمی:112/5)

﴿3﴾ رب العزت کا ارشاد ہے: قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ''یقیناً ہم نے تمہارے لیے نشانیاں کھول کر بیان کردی ہیں تاکہ تم سمجھو۔'' (حدید:17) كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ''اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاجاؤ۔'' (آل عمران:103)

سوال2: وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ''اور وہ تمہیں ان لوگوں کے طریقوں کی ہدایت دے جو تم سے پہلے تھے'' اس میں پہلے لوگوں کے طریقے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور وہ تمہیں ان لوگوں کے طریقوں کی ہدایت دے جو تم سے پہلے تھے'' پہلے لوگوں کے طریقے سے مراد ان کے قابل تعریف طریقے اور ان کی شریعت کے وہ احکامات ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔(مختصر ابن کثیر:311/1) ﴿2﴾ یہ طریقے نئے نہیں ہیں۔ ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے ان کا اعلان کروایا ہے لیکن آسمانی کتابوں کے محفوظ نہ رہنے کی وجہ سے وہ طریقے گم ہوگئے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے ان طریقوں کو قرآنِ حکیم کے ذریعے محفوظ کردیا ہے۔

سوال3: کسی شخص کا پہلے لوگوں کے طریقے پر اپنی زندگی کو ڈھالنے کے کیا معنی ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ جب کوئی شخص اپنے آپ کو پہلے لوگوں کے طریقے کے مطابق ڈھالتا ہے تو گویا وہ صالحین کے قافلے میں شامل ہوجاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے حصہ ملا۔ ﴿2﴾ پہلے لوگوں کے طریقے کے مطابق زندگی ڈھالنے سے یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ تمام مومنوں کے درمیان ایک رابطہ اور تعلق قائم ہوجاتا ہے۔ زمانوں اور علاقوں کے اختلاف کے باوجود تمام

مومنوں کا طریقۂ زندگی ایک ہو جاتا ہے۔

سوال4: وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ''اور وہ تم پر مہربانی فرمائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور وہ تم پر مہربانی فرمائے'' اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول کرنا چاہتے ہیں یعنی تمہارے گناہ معاف کرنا چاہتے ہیں۔

سوال5: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے''《1》اللہ تعالیٰ علیم ہے اس کی ہدایات اس کے علم اور حکمت کے مطابق ہیں۔《2》اللہ تعالیٰ علیم ہیں وہ انسانی نفسیات کو اور اس کے حالات کو جانتے ہیں اس کو وہ ساری تدبیریں معلوم ہیں جن کے ذریعے انسان کی اصلاح ہوسکتی ہے۔《3》اللہ تعالیٰ علیم ہیں اس کو خوب معلوم ہے کہ کون کیا گناہ کر رہا ہے۔
《4》اللہ تعالیٰ علیم ہے اس کی شریعت، اس کی تقدیر، اس کے اقوال وافعال سب حکمت پر مبنی ہیں۔

سوال6: وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ''اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات علیم اور حکیم ہونے کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے پہلے نیک لوگوں کے طریقے کو کھول کر بیان کرنے سے اپنے علیم ہونے کا اور اس پر چلانے کے ارادے سے اپنے علیم اور حکیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔

وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا(27)

اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی فرمائے اور جو لوگ خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ تم راہِ راست سے ہٹ جاؤ، بہت بڑا ہٹ جانا۔(27)

سوال1: وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ''اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی فرمائے اور جو لوگ خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ تم راہِ راست سے ہٹ جاؤ، بہت بڑا ہٹ جانا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی فرمائے اور جو لوگ خواہشات کی پیروی کرتے ہیں وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ تم راہِ راست سے ہٹ جاؤ، بہت بڑا ہٹ جانا'' اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے مگر جو لوگ خواہش نفس کی پیروی

کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہِ راست سے ہٹ کر دور نکل جاؤ اور باطل راستے پر چلنے لگ جاؤ۔انسانوں کی اصلاح کے لیے ایک طرف اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا پروگرام ہے اور دوسری طرف انسانوں کی دی ہوئی ہدایات ہیں۔انسانی زندگی کے لیے دوطرح کے نظاموں کی کیا حقیقت ہے موازنے سے اندازہ کرتے ہیں پھر دونوں راستوں میں سے وہ طریقہ اختیار کریں جس میں اصلاح ،فلاح اور سعادت ہے، جو زیادہ بہتر ہے اور جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

غرض وغایت

اللہ کا دیا ہوا نظام..... خاندانی نظام اللہ تعالیٰ کی غرض کیا ہے؟	انسانوں کا دیا ہوا نظام..... شہوانی نظام انسانی نظام کی غرض کیا ہے؟
1۔اللہ تعالیٰ انسانوں پر رحمت اور شفقت کا ارادہ رکھتے ہیں۔	1۔انسان اپنے نظام کی بنیاد شہوات (خواہشات) پر رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ مسلمان راہِ راست سے ہٹ کر دور نکل جائیں۔
2۔انسانوں کی سربلندی اور ترقی میں مدد کرنا چاہتے ہیں۔	2۔اس نظام کا مقصد یہ ہے کہ انسان ایسے نظام سے محروم ہو جائیں جس میں انہیں ترقی و سربلندی ملے۔

خاندان..... معاشرتی زندگی کا بنیادی ادارہ

اللہ تعالیٰ کی غرض کیا ہے؟	انسانی نظام کی غرض کیا ہے؟
1۔اللہ تعالیٰ مرد وزن کا تعلق مضبوط اور منظّم کرنا چاہتے ہیں۔	1۔فطری میلانات کو قید میں نہیں رکھنا چاہتے ،نہ دینی پابندی، نہ اَخلاقی ،نہ اجتماعی۔
2۔اللہ تعالیٰ اس تعلق کو پاک اور مقدس بنانا چاہتے ہیں۔	2۔اس تعلق میں پاکیزگی کی ہر حد توڑ دینا چاہتے ہیں تاکہ ہر دل بے قرار ہو جائے ،اعصاب پر کنٹرول نہ رہے،کوئی گھرانہ پرسکون نہ ہو،کسی کی عزت محفوظ نہ رہے،خاندان کا وجود باقی نہ رہے۔

3۔اسے ہرحال میں معاشرے کے لیے باعث ِخیر بنانا چاہتے ہیں۔	3۔انسان جانوروں کا گلہ بن جائیں، پورا معاشرہ ہل جائے ہرطرف بگاڑ ہو، فساد ہو، یہ صرف آزادیٔ شہوت ہے۔

سوال2: اَنْ تَمِیْلُوْا مَیْلًا عَظِیْمًا ''تم راہِ راست سے ہٹ جاؤ بہت بڑا ہٹ جانا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''تم راہِ راست سے ہٹ جاؤ بہت بڑا ہٹ جانا'' ﴿1﴾ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ہے کہ اہل اسلام اسی طرح زنا کرنے لگیں جیسے وہ کرتے ہیں۔ ﴿2﴾ جیسا کہ فرمایا: وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ''وہ چاہتے ہیں کاش آپ نرمی اختیار کریں تو وہ بھی نرم پڑجائیں۔'' (القلم:9) ﴿3﴾ یہودی، عیسائی اور دین سے ہٹ جانے والے چاہتے ہیں کہ مسلمان بھی انہی کی طرح خواہش پرست بن جائیں اور لذتوں میں ڈوب جائیں۔ ﴿4﴾ آج کے مغربی معاشرے میں عورت اور مرد کو جنسی تعلقات قائم کرنے کی پوری آزادی ہے حتیٰ کہ ہم جنس سے نکاح کرنے کا قانونی جواز موجود ہے۔ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جنسی تعلیم دی جاتی ہے جبکہ حیا کی تعلیم تمام انبیاء نے اپنی امتوں کو دی ہے۔ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا: چار چیزیں انبیاء کے طریقے میں سے ہیں حیا، عطر لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا (مشکوۃ) آج مسلمانوں کو بھی یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنے راستے پر لگا لیا ہے۔ ﴿5﴾ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں۔ اسی وجہ سے اللہ نے ظاہری اور باطنی (ہر قسم) کے فواحش کو حرام کیا ہے اور نہ ہی اللہ سے بڑھ کر کوئی تعریف کو پسند کرنے والا ہے۔'' (صحیح مسلم:6992) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ حیا اور ایمان ساتھ ساتھ ہیں جب ان میں سے ایک چھین لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی چلا جاتا ہے۔ (مشکوۃ المصابیح:432)

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (28)

اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ تم سے (بوجھ) ہلکا کردے اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ (28)

سوال1: يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ''اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ تم سے (بوجھ) ہلکا کردے'' یہاں تخفیف سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ تم سے (بوجھ) ہلکا کردے'' اللہ تعالیٰ شریعت کے احکامات میں تمہارے لیے تخفیف چاہتا ہے۔ رب العزت کا ارشاد ہے: هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ اس نے تمہیں چن لیا ہے اور اُس نے دین میں تم پر تنگی نہیں رکھی۔ (الحج:78) يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ رکھتا ہے

اورتم پر تنگی کا ارادہ نہیں رکھتا۔(البقرہ:185)《1》اللہ تعالیٰ کی شریعت میں انسان کے فطری میلانات اور جنسی خواہش کو تسلیم کیا گیا ہے۔《2》اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی فطری خواہش دبانے ،اس کو ختم کرنے اور اسے آزاد چھوڑنے کی اجازت نہیں دی۔《3》اسلام جنسی جذبے کو منظّم کرتا ہے ،اسے پاک صاف نکاح کے دائرے کے اندر لاتا ہے اور پاک صاف گھریلو ماحول دیتا ہے۔《4》یہاں تخفیف سے مراد چند شرطوں کے ساتھ لونڈیوں سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔

سوال 2: وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ’’اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے‘‘ انسان کس اعتبار سے کمزور پیدا کیا گیا ہے؟

جواب: ’’اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے‘‘《1》انسان کا دل بھی کمزور ہے، اس کے ارادے بھی کمزور اور اس کی ہمت بھی بہت کمزور ہے اس لیے تخفیف اس کے حال کے عین مطابق ہے۔(مختصر ابن کثیر:311/1)《2》انسان خواہشات کے سامنے کمزور ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ایسے احکامات دیے ہیں جو اس کی قدرت سے باہر نہیں۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’یقیناً دین آسان ہے اور جو دین میں بے جا سختی کرتا ہے تو دین اس پر غالب آجاتا ہے (یعنی ایسا انسان مغلوب ہوجاتا اور دین پر عمل ترک کر دیتا ہے) پس تم سیدھے راستے پر رہو اور میانہ روی اختیار کرو اور اپنے رب کی طرف سے ملنے والے اجر پر خوش ہوجاؤ اور صبح وشام اور رات کے کچھ حصے کی (عبادت) سے مدد حاصل کرو‘‘(صحیح بخاری:39)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا(29)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ سوائے اس کے کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے تجارت ہو اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے تم پر نہایت رحم والا ہے۔(29)

سوال 1: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ‘‘ باطل طریقوں سے مال کھانے سے روکنے کے لیے اہلِ ایمان کو مخاطب کیا گیا، اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب: ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ‘‘ ایمان سے مخاطب کر کے ایمان والوں کے ضمیر کو جھنجھوڑا گیا ہے، ایمانی تقاضوں کو بیدار کیا گیا ہے تاکہ اہلِ ایمان جاہلیت کے طریقوں کو چھوڑ دیں اور ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقے سے نہ کھائیں۔

سوال2: مال کھانے کے باطل طریقے کون سے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ بِالْبَاطِلِ سے مراد وہ تمام طریقے جن کے ذریعے ناجائز طور پر مال ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ ﴿2﴾ بِالْبَاطِلِ سے مراد وہ اموال جن کو استعمال کرنے کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو۔ ﴿3﴾ وہ اموال جن کے استعمال کو اللہ تعالیٰ نے حکماً روک دیا ہو۔ ﴿4﴾ مال کھانے کے باطل طریقوں میں دوسرے کا مال دبانا، رشوت، سود، جوا، چوری، ڈاکے، ناجائز دباؤ سے حاصل کیا گیا مال، ذخیرہ اندوزی سے حاصل کیا گیا مال، یتیموں کا مال غصب کرنا اور ملاوٹ سے حاصل کیا گیا مال وغیرہ شامل ہیں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص کپڑا خریدتا ہے اور کہتا ہے اگر مجھے پسند آیا تو رکھ لوں گا ورنہ کپڑا اور ایک درہم واپس کردوں گا آپ نے اس آیت کی تلاوت کردی یعنی اسے باطل مال میں شامل کیا، سیدنا عبداللہ فرماتے ہیں یہ آیت محکم ہے یعنی منسوخ نہیں نہ قیامت تک منسوخ ہوسکتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: 557/1)

سوال3: باطل طریقوں میں سرِفہرست کون سا طریقہ ہے؟

جواب: باطل طریقوں میں سرِفہرست طریقہ سود ہے۔

سوال4: اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ''سوائے اس کے کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے تجارت ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''سوائے اس کے کہ تمہاری آپس کی رضامندی سے تجارت ہو'' تجارت میں تاجر ضرورت مند خریدار اور ایک صنعت کار کے درمیان واسطہ بنتا ہے جو دونوں کے لیے مفید ہوتا ہے۔ تاجر ضروریات فراہم کرنے کے لیے محنت کرتا ہے اور اس کا معاوضہ لیتا ہے۔ ﴿2﴾ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سچا تاجر جو امانت دار ہو وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔'' (ترمذی) (تفسیر الدر المنثور: 258/2) ﴿3﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''سچا تاجر قیامت کے روز عرش کے سایہ میں ہوگا۔'' (اصبہانی، ترغیب)

سوال5: تجارت اور سود کے طریقۂ کار میں کیا فرق ہوتا ہے؟

جواب: جیسے تجارت اور سود کی حقیقت میں فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام، اسی طرح ان کا طریقہ کار بھی فرق ہے۔ موازنہ کرکے دیکھتے ہیں۔

تاجر	سودی کاروبار کرنے والا

1۔تاجراشیائے صرف کے لیے مارکیٹ تلاش کرتا ہے۔	1۔سودی کاروبار کرنے والا اشیائے صرف پر اصل اخراجات کے علاوہ سود واجبات کا اضافہ کرتا ہے۔
2۔تاجر مصنوعات کو رواج دیتا ہے۔	2۔سودی اضافے کو تاجر، خریدار، ضرورت مند سے وصول کرتا ہے۔
3۔تاجر ضرورت مندوں کے لیے اشیاء مہیا کرتا ہے۔	3۔اصل اشیائے ضرورت کی فراہمی پر نہیں منافع پر نظر رکھتا ہے۔اس وجہ سے سامانِ تعیش میں اضافہ ہوتا ہے۔ان اشیاء کی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے جو انسانی جذبات کو مشتعل کرنے والی ہوں اور انسانی جسم اور صحت کے لیے نقصان دہ ہوں۔
4۔تاجر ضرورت مندوں کے لیے ضروریات فراہم کر کے سہولت پیدا کرتا ہے۔	4۔سرمائے کے لیے ہمیشہ کے لیے منافع کا تعین کر دیا جاتا ہے ۔نقصان میں شریک نہیں۔
5۔تاجر اپنی خدمات کا صلہ لیتا ہے۔	5۔سودی کاروبار کرنے والا انسانی جدوجہد پر اعتماد نہیں کرتا۔
6۔تاجر کا صلہ اپنی کوشش اور مہارت کا ہے۔	6۔سودی کاروبار کرنے والا دوسرے کی محنت اور کوشش کو سود کی صورت میں سمیٹ لیتا ہے۔
7۔تاجر نفع و نقصان دونوں کے لیے تیار رہتا ہے۔	7۔سود خور صرف اور صرف نفع وصول کرتا ہے۔

سوال6: تجارت میں آپس کی رضامندی سے کیا مراد ہے؟

جواب: تجارت میں آپس کی رضامندی سے مراد ہے کہ ﴿1﴾ ناجائز دباؤ نہ ہو یعنی خریدنے اور بیچنے والے کی رضا شامل ہو۔ ﴿2﴾ فریب اور دغا نہ ہو۔ ﴿3﴾ رشوت اور سود میں بظاہر رضامندی ہوتی ہے لیکن دباؤ اور مجبوری کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ﴿4﴾ جوئے میں بظاہر رضامندی ہوتی ہے مگر جیتنے کے لیے، ہارنے کے ارادے سے کوئی راضی نہیں ہوتا۔ ﴿5﴾ دھوکے کی بیع اپنی تمام اقسام سمیت آپس کی رضامندی سے خالی ہوتی ہے اس لیے ایسا معاہدہ مفید نہیں ہوتا۔ ﴿6﴾ تجارت ہونے کے ساتھ ساتھ باہمی رضامندی کی شرط اس امر کی دلیل ہے کہ یہ تجارتی عقد سود پر مبنی نہ ہو کیونکہ سود تجارت نہیں ہے بلکہ سود تجارت کے مقاصد کے خلاف ہے۔ (تفسیر سعدی:506/1)

سوال7: آپس کی رضامندی سے خرید و فروخت کے لیے کیا شرط ہے؟

جواب: ﴿1﴾ آپس کی رضامندی سے خرید و فروخت کے لیے شرط ہے کہ لین دین حلال اشیاء کا ہو۔ ﴿2﴾ حرام اشیاء کے کاروبار میں باہمی رضامندی بھی ہو تو جائز نہیں۔ ﴿3﴾ رضامندی میں خیارِ مجلس کا مسئلہ بھی آ جاتا ہے یعنی جب تک ایک

دوسرے سے الگ نہ ہوں سودا منسوخ کرنے کا اختیار ہے۔

سوال8: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو'' وہ تمام کام جن سے کسی کا حق متاثر ہوتا ہو جس معاشرے میں پائے جائیں گے وہ معاشرہ اپنے آپ کو ہلاکت کے گڑھے میں گرا رہا ہوگا مثلاً سودخوری، چور بازاری، قمار بازی، چوری، چھینا جھپٹی، رشوت، دھوکہ بازی، ذخیرہ اندوزی، ناقابلِ فروخت اشیاء کی فروخت مثلاً ا۔عزت۔ب۔ضمیر۔ج۔ذمہ داری۔د۔فرضِ منصبی و۔مذہب و دین۔﴿2﴾ دنیا میں یہ تباہی تمام لوگوں پر آئے گی: ا۔ظالم پر اس لیے کہ اس نے ظلم کیا۔ب۔مظلوم پر اس لیے کہ اس نے ظلم کے خلاف کام نہ کیا۔﴿3﴾ اس سے مراد خودکشی بھی ہوسکتی ہے جو کہ کبیرہ گناہ ہے۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اپنے آپ کو لوہے کے ہتھیار سے قتل کیا تو وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور وہ اس ہتھیار سے اپنے پیٹ کو زخمی کرتا رہے گا۔ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں رہے گا اور جس نے زہر پی کر اپنے آپ کو قتل کیا تو وہ اسے چوستا رہے گا اور دوزخ کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور جس نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر قتل کیا تو وہ پہاڑ سے یوں ہی گرتا رہے گا اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہے گا۔﴿4﴾ اس سے مراد گناہ کرنا بھی ہوسکتا ہے یعنی حرمتوں کے پردے چاک کرنا، ناحق دوسروں کا مال کھا کر اپنی جانیں ہلاک کرنا۔﴿5﴾ اس سے مراد مسلمانوں کو قتل کرنا بھی ہوسکتا ہے۔

سوال9: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے تم پر نہایت رحم والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے رحیم ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے تم پر نہایت رحم کرنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے انسان کے کمزور ہونے کی بناء پر اس کے ساتھ کی جانے والی تخفیف سے اپنے رحیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔

سوال10: اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا شعور دِلا کر کیا مطالبہ کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا شعور دِلا کر ناجائز طریقے سے مال کھانے سے اور اپنے آپ کو قتل کرنے سے روکنے کا مطالبہ کیا ہے۔

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا (30)

اور جو شخص زیادتی اور ظلم سے ایسا کرے گا تو بہت ہی جلد اُسے ہم آگ میں داخل کریں گے اور یہ اللہ تعالیٰ پر ہمیشہ سے نہایت آسان ہے۔(30)

سوال1: وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا ''اور جو شخص زیادتی اور ظلم سے ایسا کرے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ''جو کوئی ایسا کرے گا'' یعنی قتل۔ ﴿2﴾ عُدْوَانًا: حق پر زیادتی کرنا ہے۔ عُدْوَانًا ''زیادتی'' زیادتی اور سرکشی ہے یعنی جو جانتا ہو کہ یہ حرام کام ہیں پھر بھی ان کو کرنے کی جرأت کرے اور حرام کاموں میں کھیلے اس کے لیے سخت وعید ہے۔ ﴿3﴾ ظُلْمًا: حق دار کو اس کا حق نہ دینا، کسی چیز کو اس کے جائز مقام سے ہٹا دینا ہے۔ ﴿4﴾ جو شخص ظلم اور زیادتی سے کسی حرام کام کو انجام دے جب کہ اسے معلوم بھی ہو کہ وہ حرام کام ہیں ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ جہنم میں جھونکنے والے ہیں۔

سوال2: فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ''تو بہت ہی جلد اُسے ہم آگ میں داخل کریں گے'' اللہ تعالیٰ نے عدوان اور ظلم سے کیسے روکا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''تو بہت ہی جلد اُسے ہم آگ میں داخل کریں گے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی سخت وعید سے عدوان اور ظلم سے روکا تاکہ جو ظلم اور زیادتی کرے گا اسے ہم ضرور آگ میں ڈالیں گے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے جہنم میں داخل کرنے کو اپنے لیے آسان عمل قرار دے کر ظلم اور عدوان سے روکا ہے۔

سوال3: وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ''اور یہ اللہ تعالیٰ پر ہمیشہ سے نہایت آسان ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور یہ اللہ تعالیٰ پر ہمیشہ سے نہایت آسان ہے'' آگ میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے ہمیشہ سے آسان ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا، نہ اس عذاب کو کوئی دور کر سکتا ہے، نہ اس کے لیے کوئی شفاعت کر سکتا ہے اس لیے پوری کوشش سے گناہوں سے بچنا چاہیے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا (31)

اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے بچ جاؤ جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تمہاری چھوٹی برائیاں تم سے دور کر دیں گے اور تمہیں بڑی باعزت داخلے کی جگہ میں داخل کریں گے۔(31)

سوال1: اِنۡ تَجۡتَنِبُوۡا کَبَآئِرَ مَا تُنۡهَوۡنَ عَنۡهُ ''اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے بچ جاؤ جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ''اگر تم اُن بڑے بڑے گناہوں سے بچ جاؤ جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے'' حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ''الجواب الکافی'' میں لکھا ہے کہ قرآن وسنت اور اجماع صحابہ وتابعین اور ان کے بعد کے افراد اور آئمہ سے یہ دلیل ملتی ہے کہ گناہ چھوٹے بھی ہوتے ہیں اور بڑے بھی۔ (تفسیر قاسمی 119,118/5) ﴿2﴾ بڑے گناہوں سے بچ جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ چھوٹی برائیاں دور کر دیں گے۔

سوال2: کَبَآئِرَ ''کبیرہ گناہ'' کسے کہتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾ کبائر، کبیرہ کی جمع ہے اور وہ عظیم نافرمانی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید ہو اور قرآن وسنت میں حد ہو جیسے قتل، زنا، چوری، شرک کبیرہ گناہ ہیں جنکا تذکرہ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الکبائر'' میں کیا ہے اور ابن عباس نے کہا سات سو تک ہیں (تفسیر منیر 40/3) ﴿2﴾ جس گناہ کے کرنے والے پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت کا ذکر ہو۔ ﴿3﴾ جس گناہ کے بارے میں یہ ذکر ہو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ اس کو دیکھے گا، نہ اس سے کلام کرے گا۔ ﴿4﴾ شرک، قتلِ اولاد، قتلِ ناحق، ناجائز طریقے سے یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، میدانِ جنگ سے بھاگنا، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا وغیرہ۔

سوال3: کبیرہ گناہ کیسے معاف ہوتے ہیں؟

جواب: کفارہ دینے سے، فدیہ دینے سے اور توبہ واستغفار کرنے سے اللہ تعالیٰ معاف فرماتے ہیں یعنی جب تک استغفار ہوتا رہے تو کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا (بشرطیکہ استغفار سچے دل سے ہو) اور صغیرہ پر اصرار ہوتا رہے تو پھر وہ صغیرہ نہیں رہتا۔ (تفسیر انوار البیان 658/1)

سوال4: کبیرہ گناہ سے متعلق تین احادیث لکھیں؟

جواب: 1۔ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اپنے باپ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں گناہوں میں سب سے بڑے گناہ سے آگاہ نہ کروں؟'' (تین مرتبہ) آپ ﷺ نے فرمایا: (وہ گناہ یہ ہیں) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا یا فرمایا جھوٹی بات کہنا۔'' رسول اللہ ﷺ ٹیک لگائے ہوئے تھے تو آپ ﷺ بیٹھ گئے اور بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ ہم نے (دل میں) کہا: کاش آپ ﷺ خاموشی اختیار فرماتے۔ (مسلم:259) ﴿2﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت

ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات ہلاکت میں ڈالنے والی چیزوں سے بچو“ عرض کیا گیا: ”اے اللہ کے رسول ﷺ! وہ سات ہلاکت میں ڈال دینے والی چیزیں کون سی ہیں؟“ فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور جادو کرنا اور کسی نفس کا قتل کرنا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا سوائے حق کے اور یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، جہاد سے دشمن کے مقابلے سے بھاگنا اور پاک دامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگانا۔“ (مسلم:262) ﴿3﴾ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کبیرہ گناہوں میں سے ہے کہ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی دے۔“ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا کوئی آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! کوئی آدمی کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور کوئی کسی کی ماں کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔“ (مسلم:263)

سوال5: نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ”ہم تمہاری چھوٹی برائیاں تم سے دور کر دیں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: کبیرہ گناہوں سے اجتناب دو شرائط کے ساتھ صغیرہ کے لیے کفارہ بنتا ہے۔ ﴿1﴾ جب اجتناب قدرت اور ارادے سے ہو اللہ تعالیٰ کے خوف کے علاوہ کوئی چیز روکنے والی نہ ہو۔ ﴿2﴾ فرائض قائم کرنے کے ساتھ کبیرہ گناہوں سے اجتناب ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا: پانچ نمازیں، جمعہ سے جمعہ تک اور رمضان سے رمضان تک گناہوں کا کفارہ ہیں جبکہ کبیرہ گناہوں سے آپ اجتناب کرو جو شخص نماز چھوڑنے سے اجتناب کرتا ہے اور کبیرہ گناہوں سے بھی اجتناب کرتا ہے تو اس کے چھوٹے گناہوں کے لیے کفارہ ہو جاتے ہیں۔

سوال6: وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ”اور تمہیں بڑی باعزت داخلے کی جگہ میں داخل کریں گے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ”اور تمہیں بڑی باعزت داخلے کی جگہ میں داخل کریں گے“ اللہ تعالیٰ گناہوں سے دور رہنے کے بدلے میں ایسی عزت کی جگہ داخل کریں گے کہ ان جنتوں کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی وَّ كُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ”اور خزانوں اور عمدہ جگہ سے“ (الشعراء:58)

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (32)

اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے مردوں کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے جو انہوں نے محنت سے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے جو انہوں نے محنت سے

کمایا اور اللہ تعالیٰ سے اُس کے فضل کا سوال کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے۔(32)

سوال1:اس آیت کا شانِ نزول بتائیں؟

جواب:《1》ترمذی اور حاکم نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ مرد جہاد کرتے ہیں اور ہم جہاد نہیں کر سکتے اور ہمیں وراثت بھی آدھی ملتی ہے۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(تفسیر جامع البیان:56/5)《2》ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم !مرد کو عورت سے دوگنا حصہ ملتا ہے اور عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے تو ہمارے عمل بھی کیا اسی طرح ہیں کہ اگر عورت کوئی نیکی کرے تو اسے آدھا ثواب ہے؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(لباب النقول:258،259/1)

سوال2:وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ’’اور تم اس چیز کی تمنا نہ کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے‘‘اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو اس بات سے منع فرمایا ہے کہ وہ تمنا کرے کہ اللہ نے دوسروں کو جو دیا ہے وہ اسے مل جائے، اس لیے کہ اس طرح کی خواہش اللہ کی تقدیر سے عدم رضا کی دلیل ہے۔اور اگر اس خواہش کے ساتھ یہ تمنا بھی شامل ہو جائے کہ دوسروں سے اللہ وہ نعمت چھین لے تو یہ حسد ہوگا،جس سے اللہ نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔(تیسیر الرحمٰن:256)《2》دوسرے کے مال کی تمنا کرنا حسد ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے مال کی تمنا نہ کرے وہ یہ کہے **الھم ارزقنی الھم اعطنی مثلہ** ’’اے اللہ مجھے بھی رزق دے اے اللہ مجھے بھی اس کی طرح عطا فرما دے‘‘(تفسیر طبری:263/8،264)《3》عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔رشک تو بس دو ہی آدمیوں پر ہو سکتا ہے، ایک تو اس پر جسے اللہ نے قرآن مجید کا علم دیا اور وہ اس کے ساتھ رات کی گھڑیوں میں کھڑا ہو کر نماز پڑھتا رہا اور دوسرا آدمی وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اسے محتاجوں پر رات دن خیرات کرتا رہا۔(صحیح بخاری:5025)《4》مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ’’جو اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے‘‘اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ایک دوسرے پر عہدہ و مرتبہ میں، صلاحیت و قابلیت، مال و اسباب، حالات اور ذرائع وغیرہ میں فضیلت دی ہے۔

سوال3:لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ’’مردوں کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے جو انہوں نے محنت سے کمایا اور عورتوں کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے جو انہوں نے محنت سے کمایا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ’’مردوں کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے جوانھوں نے محنت سے کمایااورعورتوں کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے جوانہوں نے محنت سے کمایا‘‘جس کی نیت میں جتنا خلوص ہوگااس کے مطابق اس کواجر ملے گا۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایاہے کہ مرد ہویاعورت ہرایک کے لیے اپنے اپنے عمل ہیں یعنی ہرایک کواپنے اپنے عمل کی جزایاسزا ملے گی۔﴿3﴾مردوں اورعورتوں میں اعمال کےثمرات میں مساوات ہے۔﴿4﴾اللہ تعالیٰ نے مرداورعورت دونوں میں الگ الگ صلاحیت ودیعت کی ہے اور ہرایک کواس کی صلاحیت اورمحنت کے مطابق دنیاوی نعمتوں سے حصہ ملتاہے،اس لیے اللہ کی تقدیرپرراضی رہناچاہیے،اوراس ایمان کے ساتھ زندہ رہناچاہیے کہ اللہ ہی حکمتوں کوزیادہ جانتا ہے۔(تیسرالرحمٰن:256)
﴿5﴾یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب نیک اعمال سے ہے۔مردکومحض مردہونے کی وجہ سےعورت پرعمل میں فضیلت نہیں ہے اورعورت محض عورت ہونے کی وجہ سے نیک عمل کے ثواب سے محروم نہیں ہے،لہٰذاتم بجائے حسد کے اللہ تعالیٰ کافضل طلب کرو۔(دعوۃالقرآن)

سوال4: جدیدتہذیب عورت کوجوحقوق دیتی ہےان کی نوعیت کیاہے؟

جواب۔﴿1﴾جدیدتہذیب عورت کوجوحقوق دیتی ہے ان میں بعض قوانین ایسے ہیں کہ سب سے بڑے مردوارث کوتمام میراث کاحقدارسمجھتے ہیں۔﴿2﴾بعض قوانین یہ لازم کرتے ہیں کہ عورت جومالی معاہدہ بھی کرے اس کی منظوری ولی کی طرف سے اَزروئے قانون ضروری ہے۔﴿3﴾بعض قوانین بیوی کے لیے اپنی جائیدادکواستعمال کرنے کاحق اس وقت جائزکرتے ہیں جب شوہراس کی منظوری دے۔یہ حقوق بھی عورت کواس وقت ملے جب عورت نے خوداس کے حصول کے لیےتحریکیں چلائیں۔

سوال5: وَلِلنِّسَآءِ نَصِيۡبٌ مِّمَّا اكۡتَسَبۡنَ ’’اورعورتوں کے لیے اس میں سے ایک حصہ ہے جوانہوں نے محنت سے کمایا‘‘اسلام نےعورت کوجوحقوق دیئے،کیاعورت کی ڈیمانڈپردیئے ہیں؟

جواب:﴿1﴾اسلام نے انسانیت کے احترام میں عورت کوحقوق دیئے۔﴿2﴾اس کے لیےعورتوں کوکوئی چارٹرآف ڈیمانڈ پیش نہیں کرناپڑا۔﴿3﴾عورتوں کواپنےحقوق کے لیے الگ تنظیمیں قائم نہیں کرنی پڑیں۔4۔عورتوں کوبغاوت نہیں کرنی پڑی۔

سوال6:اسلام نےعورت کوجوحقوق دیئےاورجدیدمغربی معاشرے میں عورت کوجوحقوق دیئے گئے ہیں ان کاموازنہ کریں؟

جواب:عورت کےحقوق میں موازنہ:

اسلام میں عورت کے حقوق	جدید مغربی ممالک میں عورت کے حقوق
1۔اسلام نے مرداورعورت کوقانون کے نقطۂ نظر سے مساوی حقوق دیئے ہیں۔	1۔قانون کی نظر میں مرداورعورت برابرنہیں مثلاً بعض قوانین ایسے ہیں کہ عورت اپنی جائیداداستعمال کرتے ہوئے شوہر کی منظوری لینے کی پابند ہے جبکہ مرد عورت کا پابند نہیں۔
2۔اسلام نے شہری حقوق میں مرداورعورت کو برابر قرار دیاہے۔اس سلسلے میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ میں کوئی فرق نہیں۔شادی کے بعداس کا نام،قانونی اور شہری حیثیت برقراررہتی ہے اس کی شخصیت ختم نہیں ہوتی۔	2۔عورت شادی ہوتے ہی اپنااوراپنے خاندان کا نام کھودیتی ہے اوراسے اس کے اپنے اوراس کے باپ کے نام سے نہیں شوہر کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔عورت کا نام ختم ہونے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ شادی کے بعدعورت کی شہری اور قانونی حیثیت ختم ہوگئی ہے اوروہ اپنے شوہر کی حیثیت میں گم ہوگئی ہے۔
3۔عورت اپنے معاملات خود طے کرسکتی ہے۔اپنے معاملات میں ہرقسم کے فیصلے کرسکتی ہے مثلاً خریدوفروخت ، رہن ، ہبہ اوروصیت وغیرہ۔	3۔عورت اپنے معاملات خود طے نہیں کرسکتی۔
4۔عورت کی جائیداداس کے شوہر کی جائیداد سے علیحدہ خوداس کی ملکیت ہوتی ہے۔نکاح کی وجہ سے اس کے حقِ ملکیت پرکوئی قید عائد نہیں ہوتی۔	4۔شادی شدہ عورت اپنے معاملات خود طے نہیں کرسکتی۔ فرانس کے سول کوڈ کی دفعہ نمبر17میں یہ طے کیا جاتا ہے کہ مرداورعورت کی ملکیت علیحدہ علیحدہ ہوگی اس کے باوجود وہ اپنی جائیداد ہبہ نہیں کرسکتی نہ اس کی ملکیت منتقل کرسکتی ہے،نہ رہن رکھ سکتی ہے، اِلّا یہ کہ اس کا شوہر کسی معاہدے میں اس کے ساتھ شریک ہو یا یہ کہ وہ تحریری طور پران امور میں سے کسی امر کی اجازت دے۔
5۔شوہرکوکوئی قانونی اختیار نہیں ہوتا کہ وہ بیوی کی کوئی چیزاس کی اجازت کے بغیر حاصل کرے خواہ کم ہو یا زیادہ۔	5۔عورت شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے مال سے بھی کچھ نہیں کرسکتی ،عورت کی حیثیت عملاً ایک غلام اورایک لونڈی سے کم نہیں۔
6۔اسلام نے عورت کی قدرومنزلت میں اضافہ کیا کمائی اور ملکیت کے اعتبار سے	6۔اسلام کے ماسوا کسی اورنظام نے عورت کومرد کے مساوی حقوق نہیں دیئے۔

سوال7: وَسۡـَٔلُوا اللّٰهَ مِنۡ فَضۡلِهٖ ''اوراللہ تعالیٰ سے اُس کے فضل کا سوال کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اوراللہ تعالیٰ سے اُس کے فضل کا سوال کرو'' نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو کیونکہ اللہ تعالیٰ سوال کو پسند کرتا ہےاورسب سے زیادہ فضیلت والی عبادت برائی کے مٹائے جانے کا انتظار ہے(ترمذی115، ابن مردویہ)

﴿2﴾ اللہ تعالیٰ سے دین و دنیا کے فضل کا سوال کرنا شرعاً واجب ہے اس کی دلیل یہی آیت ہے ''وَسۡـَٔلُوا اللّٰهَ مِنۡ فَضۡلِهٖ''

﴿3﴾ ابوہریرہ سے روایت ہے رسول ﷺ نے فرمایا: جواللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پرغضب ناک ہوتا ہے۔

﴿4﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر جو فضیلت دی ہے اس کی آرزو نہ کرو کیونکہ آرزو کا کوئی حاصل نہیں اور فضیلت قطعی ہے۔ آرزوؤں سے فضیلت تمہارے پاس نہیں آسکتی۔ ﴿5﴾ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو کیونکہ اللہ تعالیٰ دعا کو محبوب رکھتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگو کیونکہ اللہ تعالیٰ سوال کو محبوب رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنا وہ بندہ بہت پیارا ہے جو برائی مٹانے کو محبوب رکھتا ہو۔ (ابن مردویہ)

سوال8: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے'' کہ کون اس کا مستحق ہے کہ اس کو دیا جائے اور کون یہ حق نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق دیتا ہے۔

سوال9: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمًا ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے علیم ہونے کا شعور کیسے دِلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کی کمائی کے علم سے اور اپنے فضیلت دینے سے اپنے علیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِىَ مِمَّا تَرَكَ الۡوَالِدٰنِ وَالۡاَقۡرَبُوۡنَ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ عَقَدَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ فَاٰتُوۡهُمۡ نَصِيۡبَهُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ شَهِيۡدًا (33)

اور ہر ایک کے لیے ہم نے وارث بنائے ہیں اُس میں سے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں۔ اور جن سے تم نے عہد باندھے ہوں اُنہیں اُن کا حصہ دے دو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ہمیشہ سے حاضر ہے۔ (33)

سوال1: وَلِكُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِىَ ''اور ہر ایک کے ہم نے وارث بنائے ہیں'' مَوَالِىَ سے کیا مراد ہے؟

جواب: مَوَالِیَ سے مراد وارث ہیں۔ اس سے عصبہ یعنی وہ وارث مراد ہیں جن کا حصہ قرآن میں وحدیث میں متعین نہیں یعنی جو ذوی الفروض کی عدم موجودگی میں میت کے وارث بنتے ہیں۔

سوال2: وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ''اور ہر ایک کے ہم نے وارث بنائے ہیں اُس میں سے جو والدین اور قریبی رشتہ دار چھوڑ جائیں'' کیا میراث کا معاہدہ پورا کیا جائے گا؟

جواب: ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا بعد میں منسوخ ہوگیا تھا۔ حکم یہ تھا کہ جن سے تم نے قسمیں کھا کر معاہدہ کیا ہے انہیں بھی میراث میں حصہ دو۔ اب وفائے عہد باقی ہے میراث میں کچھ نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''ہجرت کے بعد مہاجر انصاری کا وارث ہوا کرتا تھا رشتہ دار نہیں کیونکہ اللہ کے نبی ﷺ نے ان میں بھائی چارہ کو پایا تھا۔''

سوال3: وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ ''اور جن سے تم نے عہد باندھے ہوں'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: وہ لوگ جن سے تم نے عقد (موالات) باندھ رکھا ہے اس سے مراد مہاجرین اور انصار کی مؤاخات ہے۔

سوال4: وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ''اور جن سے تم نے عہد باندھے ہوں اُنہیں اُن کا حصہ دے دو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ''اور جن سے تم نے عہد باندھے ہوں اُنہیں اُن کا حصہ دے دو'' اہل عرب میں دوستی اور بھائی چارے کے معاہدے ہوتے تھے یوں لوگ ایک دوسرے کی میراث کے وارث بن جاتے تھے۔ اسلام نے یہ واضح کر دیا کہ وراثت تو قرابت کے قاعدے کے مطابق تقسیم ہوگی البتہ اپنی زندگی میں انہیں کچھ دے سکتے ہو۔ ﴿2﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مَوَالِیَ سے مراد وارث ہیں۔ (بخاری:4580)

سوال5: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ہمیشہ سے حاضر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ہمیشہ سے حاضر ہے'' ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ اپنے علم کے ذریعے سے تمام امور کی، اپنی بصارت سے بندوں کی حرکات کی، اور اپنی سماعت کے ذریعے تمام آوازوں کی خبر رکھتا ہے اس طرح وہ ہر چیز پر حاضر ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شہید ہے۔ آپ کے کاموں میں سے کچھ بھی اس سے چھپا ہوا نہیں لہذا اس سے ڈرو اس کی اطاعت کرو اور اس کی نافرمانی نہ کرو۔ (ایسر التفاسیر:257)

سوال6: اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدًا ’’ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ہمیشہ سے حاضر ہے‘‘ اللہ تعالیٰ نے اپنے شَہِیۡدًا ہونے کا شعور کیوں دِلایا ہے؟

جواب: اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدًا ’’ بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ہمیشہ سے حاضر ہے‘‘ اللہ تعالیٰ نے وارث مقرر کر کے ہر ایک کا حصہ اُس تک پہنچانے کے لیے اپنے شَہِیۡدًا ہونے کا شعور دِلایا ہے۔

رکوع نمبر 3

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعۡضَہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ وَّبِمَاۤ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَیۡبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰہُ ؕ وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَہُنَّ فَعِظُوۡہُنَّ وَاہۡجُرُوۡہُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡہُنَّ ۚ فَاِنۡ اَطَعۡنَکُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَیۡہِنَّ سَبِیۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیۡرًا (34)

مرد عورتوں پر نگران ہیں اس وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے اموال میں سے خرچ کیا ہے۔ پس نیک عورتیں فرماں بردار ہیں، وہ عدم موجودگی میں بھی حفاظت کرنے والی ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا، اور وہ عورتیں جن کی سرکشی سے تم ڈرتے ہو تو تم ان کو سمجھاؤ اور ان کو بستروں میں چھوڑ دو اور ان کو مارو، چنانچہ اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کو (ستانے کی) کوئی راہ تلاش نہ کرو، بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی بے حد بلند، بہت بڑا ہے۔ (34)

سوال1: اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: ایک انصاری رحمت عالم ﷺ کے پاس اپنی بیوی کو لائے، عورت بولی: انہوں نے مجھے تھپڑ مارا ہے اور اس کا نشان میرے چہرے پر موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں یہ لائق نہیں تھا اس پر یہ آیت اتری، یعنی مرد قوام ہے اور ادب کی غرض سے عورت کو مار کر سیدھا کر سکتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے کچھ اور چاہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے کچھ اور چاہا۔ (ابن جریر)

سوال2: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ ’’ مرد عورتوں پر نگران ہیں‘‘ قَوّٰمُوۡنَ ’’ نگران‘‘ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ قوّام یا قیّم اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو درست حالت میں چلانے اور اس کی

حفاظت ونگرانی کرنے اوراس کی ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔(مترادفات)﴿2﴾قَوّٰمُوْنَ قوامُ کی جمع ہے قام قِیَامُ سے ہے۔قیام کہتے ہیں کھڑا ہونے کو۔قوّام کھڑا رکھنے والا۔معاملے کی ذمہ داری کو پورا کرنے پر قادر(المنجد)﴿3﴾قام کے بعد عَلَی آتا ہے تو اس میں نگرانی،حفاظت اور تولیت،کفالت کا مفہوم آجاتا ہے۔(تدبر قرآن)﴿4﴾اقام ہے ٹیڑھے کو سیدھا کرنا۔(مترادفات القرآن)﴿5﴾ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:''قوّام سے امیر مراد ہے یعنی مرد عورتوں پر امیر ہیں۔''

سوال3: سربراہی کیوں ضروری ہے؟

جواب:﴿1﴾ کسی بھی نظام کو درست حالت میں چلانے کے لیے۔﴿2﴾ کسی بھی نظام کی نگرانی کے لیے۔﴿3﴾ کسی نظام کی حفاظت کے لیے۔﴿4﴾ کسی نظام کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے سربراہی ضروری ہے۔

سوال4: کسی بھی ادارے کی سربراہی اور اس کا انتظام کس کے سپرد کیا جاتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ کسی بھی ادارے کی سربراہی اور اس کا انتظام اہل ترین افراد کے سپرد کیا جاتا ہے۔﴿2﴾انتظام ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں دیا جاتا ہے جو اپنے شعبے میں اچھی مہارت رکھتے ہوں۔﴿3﴾انتظام ایسے افراد کے ہاتھوں میں دیا جاتا ہے جو اس شعبے کے بارے میں وافر معلومات رکھتے ہوں۔﴿4﴾انتظام ایسے افراد کے ہاتھ میں دیا جاتا ہے جو تجربہ اور صلاحیت رکھتے ہوں مثلاً بینک،ملز،کمپنیز،یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں کے سربراہ وغیرہ مہارت،معلومات،تجربہ اور صلاحیت کی بناء پر منتخب کئے جاتے ہیں۔

سوال5: گھریلو نظم میں سربراہ کسے بنایا گیا ہے؟

جواب: گھریلو نظم میں سربراہ مرد کو بنایا گیا ہے۔

سوال6: وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ''اور اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے اموال میں سے خرچ کیا ہے'' خاندان کی سربراہی کے لیے مرد کو متعین کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب:﴿1﴾ مرد کی تخلیق اسی لحاظ سے ہوئی ہے اس کی فطری خصوصیات اس بات کا مستحق بنا دیتی ہیں کہ وہ گھرانے کا نگران ہو اور خاندان میں بڑا ہو۔﴿2﴾ مرد کی بناوٹ اور عورت کی بناوٹ میں جو حیاتیاتی اور نفسیاتی فرق ہے اس میں قوامیت کی صلاحیتیں مرد کو دی گئی ہیں اور اطاعت کی صلاحیتیں عورت کو۔﴿3﴾ مرد پورے گھرانے کے اخراجات کا ذمہ دار ہوتا ہے، نگرانی اور حفاظت کا ذمہ دار بھی۔

سوال7: مرد کی کون سی خصوصیات اسے اس کا مستحق بنا دیتی ہیں کہ وہ گھرانے کا سربراہ ہو؟

جواب: ﴿1﴾ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ''اس وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے'' اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے۔یعنی وہبی، جس سے مراد اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مردانہ قوت اور دماغی صلاحیت ہے یہ پیدائشی طور پر دی گئی فضیلت ہے۔ ﴿2﴾ وَّبِمَاۤ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ ''اور اس وجہ سے کہ انہوں نے اپنے اموال میں سے خرچ کیا ہے'' اس وجہ سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں یہ کسبی فضیلت ہے یعنی مردوں کی معاشی ذمہ داری ہے تو یہ دونوں خصوصیات ایسی ہیں جو مرد کی قوامیت کا سبب ہیں۔

سوال8: بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ''اس وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے'' فضیلت سے کیا مراد ہے؟

جواب: فضیلت سے مراد: خصوصیات اور قوتیں ہیں اس سے مراد شرف، کرامت اور عزت نہیں ہے۔

سوال9: مرد کی نگرانی کے کون کون سے اسباب ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ صلاحیت۔تنظیمی صلاحیتیں زیادہ ہیں۔ ﴿2﴾ ذمہ داریاں۔خاندان کی معاشی ضروریات کا کفیل ہو۔ ﴿3﴾ خصوصی اختیارات اصلاح اور تحفظ کیلیے۔

سوال10: اسلامی نقطہ ءنظر سے خاندان کی کیا اہمیت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اسلامی نقطہ ءنظر سے انسان اس کائنات کا اہم ترین عنصر ہے۔ ﴿2﴾ خاندان انسانی زندگی کا ابتدائی ادارہ ہے۔ ﴿3﴾ خاندان انسان کی پوری زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ﴿4﴾ خاندان کا ادارہ کائنات کی اہم ترین پیداوار نسلِ انسانی کی افزائش کا ذمہ دار ہے۔

سوال11: اسلام خاندان کی تنظیم کرتے ہوئے کن اصولوں کو پیش نظر رکھتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اسلام خاندان کی تنظیم انسان (مرد اور عورت) کی فطرت کو۔ ﴿2﴾ مرد اور عورت کی صلاحیت کو۔ ﴿3﴾ فرائض اور واجبات کو (جو مرد اور عورت پر عائد کئے گئے ہیں) دیکھتے ہوئے کرتا ہے۔

سوال12: اسلام نے ذمہ داریوں کی تقسیم کس بنیاد پر کی ہے؟

جواب: اسلام نے مرد اور عورت پر ذمہ داریوں کی تقسیم ''عدل'' کی بنیاد پر کی ہے۔

سوال13: اسلام نے عورت پر معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ کیوں نہیں ڈالا؟

جواب: اسلام نے عورت کی حیا، اس کی عفت اور اس کے تقدس کے تحفظ کے لیے اُسے معاشی ذمہ داریوں سے دور رکھا ہے۔

سوال14: کیا اسلامی نقطۂ نظر سے عورت کو سربراہی کا حق حاصل ہے؟

جواب: اسلامی نقطۂ نظر سے سربراہی حق نہیں ہے، ذمہ داری ہے اور جہاں ذمہ داریوں کی بات آتی ہے تو اسلام اس کی تقسیم فطری اعتبار سے کرتا ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مرد کو اللہ تعالیٰ نے پیدائشی اعتبار سے ایسی صلاحیتیں دی ہیں جس کی وجہ سے وہ قوام ہے۔ اسی کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا: وہ قوم ہرگز فلاح نہیں پا سکتی جس نے اپنے امور ایک عورت کے سپرد کر دیئے۔ (صحیح بخاری)

سوال15: خاندان کی بنیاد جوڑے پر رکھی گئی، اس کے لیے قرآن سے دلیل دیں؟

جواب: خاندان کی بنیاد جوڑے پر رکھی گئی، اس کے لیے قرآن حکیم کی دلیل ہے۔ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنۡهَا زَوۡجَهَا اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اُسی سے اس کی بیوی پیدا کی۔ (النساء:1)

سوال16: مرد اور عورت جوڑا ہیں ان کے ملاپ میں اللہ نے کیسے زندگی کے سارے راز (حکمتیں) رکھ دیے ہیں حکمتوں کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جسمانی راحت اور آرام۔ ﴿2﴾ اعصابی ٹھہراؤ۔ ﴿3﴾ روحانی اطمینان۔ ﴿4﴾ نفسیاتی سکون ﴿5﴾ برائی اور فحاشی سے بچنے کیلیے ڈھال۔ ﴿6﴾ گناہوں سے بچاؤ کا سامان۔ ﴿7﴾ نئی نسل کا وجود میں آنا۔ ﴿8﴾ زندگی کے اندر تسلسل۔ ﴿9﴾ زندگی کے طریقوں کی ترقی کا راز۔ ﴿10﴾ انسانی تربیت گاہ۔ ﴿11﴾ محبت اور ہمدردی۔

سوال17: عورت کا فطری فریضہ کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ حاملہ ہو۔ ﴿2﴾ وضع حمل کے بعد بچے کو دودھ پلائے۔ ﴿3﴾ بچے کی پرورش، نگہداشت اور تربیت کی ذمہ دار ہو۔

سوال18: اللہ تعالیٰ نے عورت کو فطری فرائض ادا کرنے کے لیے کون سی صلاحیتیں دی ہیں؟

جواب:《1》نرمی۔《2》مہربانی۔《3》جلدی جواب دینا۔《4》جلدی متاثر ہوجانا۔《5》جذباتیت۔《6》نزاکت و لطافت یہ سب خصوصیات عورت کی شخصیت کی ساخت میں موجود ہیں۔

سوال19:مرد کا فطری فریضہ کیا ہے؟

جواب:《1》خاندان کی تمام ضروریات کا کفیل ہو۔《2》عورت اور بچے کی مدد اور حفاظت کا ذمہ دار ہو۔

سوال20:اللہ تعالیٰ نے مرد کو اپنے فطری فرائض ادا کرنے کیلیے کون سی خصوصیات عطا کی ہیں؟

جواب:《1》سخت جان اور مضبوطی۔《2》مرد جلدی متاثر نہیں ہوتا۔《3》 کسی صورت حال کو قبول کرنے کیلیے جلد تیار نہیں ہوتا۔《4》ہر کام سوچ سمجھ کر نتائج پر نظر رکھ کر انجام دیتا ہے۔《5》غور و فکر کرتا ہے۔

سوال21:مرد اور عورت کی خصوصیات کا موازنہ کریں؟

جواب:(ماخوذ از سیکنڈ سکیل مادام بوائر155__154)

مرد	عورت
1۔مسائل کو حل کرنے میں زیادہ بہتر ثابت ہوتے ہیں۔	1۔عورتوں کی سوچ میں جذباتیت غالب ہوتی ہے۔
2۔قوت اور بہادری میں زیادہ ہے۔	2۔عورت میں مرد کے مقابلے میں قوت اور بہادری کم ہوتی ہے۔
3۔مرد میں سختی،قوت اور عزیمت ہے۔	3۔عورت میں نزاکت،لطافت اور نرمی ہے۔
4۔مرد کسی بھی معاملے میں اقدام کا حوصلہ رکھتے ہیں۔	4۔عورت کے اندر اقدام کا حوصلہ مرد کے مقابلے میں بہت کم ہے۔
5۔مرد میں قائدانہ صلاحیتیں زیادہ ہوتی ہیں۔	5۔عورت میں قائدانہ صلاحیتیں مرد کے مقابلے میں زیادہ نہیں ہوتیں۔

6۔مرد مشکل اور محنت طلب کام کرسکتا ہے۔	6۔عورت مشکل اور محنت طلب کام عام طور پر کرنے سے گریز کرتی ہے۔
7۔مرد خوشی اور غم کی تصویر کشی عورت سے بہتر کرتا ہے (ادب، شاعری)	7۔خوشی اور غم زیادہ محسوس کرتی ہے۔
8۔دماغی ساخت میں فرق ہے مرد کا دماغ عورت کے دماغ سے 100 گرام زیادہ ہوتا ہے	8۔عورتوں کا دماغ مردوں کے مقابلے میں چھوٹا ہوتا ہے۔
9۔مرد مضبوط ہوتا ہے،اعصابی قوت زیادہ ہوتی ہے۔ ۱۔پھیپھڑوں کی قوت زیادہ ۲۔بھاگنے میں تیز ۳۔وزن زیادہ اُٹھا سکتا ہے۔	9۔عورت کمزور ہوتی ہے،اعصابی قوت مرد کے مقابلے میں کم ہوتی ہے ۱۔پھیپھڑوں کی قوت کم ۲۔بھاگنے میں سست رفتار ۳۔وزن کم اُٹھا سکتی ہے۔
10۔مرد میں عزم واستقلال پایا جاتا ہے جو منصوبوں کی تکمیل کیلیے ضروری ہے۔	10۔عورت میں عزم واستقلال کا فقدان ہے۔
11۔مرد پٹھوں کی قوت عورت سے 1/3 زیادہ رکھتا ہے۔	11۔عورت کے پٹھوں کی قوت مرد کے مقابلے میں 1/3 کم ہوتی ہے۔
12۔جرأت مند ہوتا ہے۔	12۔عورت میں جرأت کی کمی ہوتی ہے۔
13۔مرد طبعاً آزاد منش ہوتا ہے	13۔عورت طبعا آزاد منش نہیں ہوتی
14۔مرد کیلیے جوان ہوتے ہی مسائل نہیں ہیں۔	14۔عورت کے جوان ہوتے ہی حیض،نفاس،حمل،زچگی کی تکالیف ہوجاتی ہیں۔پھر اذیت ناک سردرد،متلی، چکر بلیڈنگ وغیرہ کے روگ لگے رہتے ہیں۔

15۔مرد کا حافظہ عورتوں سے بہتر ہوتا ہے۔	15۔عورت کا حافظہ مردوں سے کم تر ہے۔
16۔مرد کی انتقامی صلاحیت زیادہ ہے۔	16۔عورت کی انتقامی صلاحیت مردوں کے مقابلے میں کم ہے۔

سوال22: کیا عورت کے اندر تضادات پائے جاتے ہیں؟

جواب: فرائیڈ نے میری بونا پارٹ کو ایک خط لکھا ''تین سال کی تحقیق کے باوجود اس کا جواب مجھے نہیں مل سکا کہ آخر عورت کیا چاہتی ہے۔؟ وہ کیوں مجموعہ اضداد ہے۔مثلاً

﴿1﴾ آزادی کی پرستار مگر عدم تحفظ سے خوفزدہ۔﴿2﴾ حاکمانہ اختیار کی خواہاں مگر سکون وقرار مرد کے زیرِ سایہ ملے۔﴿3﴾ عزت کی حفاظت کیلیے جان کی بازی لگائے مگر زندگی کے عام حقائق سے سمجھوتہ کرلے۔

سوال23: عورت کے اندر تضادات کیوں پائے جاتے ہیں؟

جواب: والٹر شواز نے اس کا جواب دیا ہے کہ ''عورت صرف ''دماغ'' ہی نہیں ''رحم'' بھی رکھتی ہے۔کئی رشتوں میں منقسم ہے وہ ایک ماں بھی تو ہے اس کی سب سے بڑی کمزوری اس کا رحم ہے۔

سوال24: کیا عورت ٹریننگ کے بعد مرد والی ذمہ داریاں ادا کرسکتی ہے؟

جواب: عورت کی علمی اور عملی تربیت سے اس کی صلاحیت متاثر ہوگی جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا اور تیار کیا گیا ہے۔مثلاً بحیثیت ماں، فرائض کی ادائیگی کے قابل نہیں رہے گی۔

سوال25: اگر عورت کو مرد کی سرپرستی حاصل نہ ہو تو وہ اپنے آپ کو کیسا سمجھتی ہے؟

جواب: محروم، ناقص اور بدحال۔عورت کی فطرت میں ہے کہ کوئی اس کا سرپرست اور حاکم ہو۔

سوال26: فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ پس نیک عورتیں فرماں بردار ہیں، وہ عدم موجودگی میں بھی حفاظت کرنے والی ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا'' بہترین عورت کون ہے؟

جواب:﴿1﴾ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ ''پس نیک عورتیں فرماں بردار ہیں'' نیک عورتیں اپنے شوہروں کی مطیع ہوتی ہیں۔ (تفسیر جامع البیان:70/5)﴿2﴾ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ'' وہ عدم موجودگی میں بھی حفاظت کرنے والی ہیں اس وجہ سے کہ

اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا‘‘ وہ (شوہروں کی) عدم موجودگی میں بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت کی وجہ سے شوہر کی عزت اور حقوق کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ مثلاً: الف۔ اپنی ذات کو کسی کی نظروں کا شکار نہیں ہونے دیتیں۔ ب۔ اپنی عصمت اور عزت کو نہیں لٹاتیں۔﴿3﴾ وہ خلوت کے معاملات کو خاص طور پر ازواجی زندگی کے معاملے کو کسی پر ظاہر نہیں کرتیں اگرچہ کوئی کتنا ہی قریبی ہو اور اپنی حفاظت کرتی ہیں کہ کوئی ہاتھ انہیں چھوئے یا کوئی آنکھ انہیں دیکھے یا کسی کی بات کو سنیں۔ (تفسیر مراغی:206/2)
﴿4﴾ سیدنا ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ نے کہ جو عورتیں اونٹوں پر سوار ہیں۔ (عرب عورتیں) ان میں سب سے بہتر قریش کی نیک عورتیں ہیں جو بچوں پر ان کی چھوٹی عمر میں بہت زیادہ شفقت کرنے والی ہوتی ہیں اور شوہر کے مال کی خوب حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ (بخاری:760/2) ﴿5﴾ جو اللہ کے تخلیقی منصوبے میں خود کو شامل کرتے ہوئے مرد کی برتری تسلیم کرلے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ’’بہترین عورت وہ ہے کہ جب اس کا شوہر اسے دیکھے تو اسے خوش کردے، جب حکم دے تو اس کا حکم بجالائے اور جب اس سے الگ ہوکر کہیں چلا جائے تو اپنی عصمت کی حفاظت اور اس کے مال کی حفاظت کرے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔ (ابن جریر) ﴿6﴾ اگر عورت پانچوں نمازیں پڑھتی رہے، رمضان کے روزے رکھتی رہے اور اپنی عصمت کی حفاظت کرتی رہے اور شوہر کی اطاعت میں لگی رہے تو اسے حکم ہوگا کہ جس دروازے سے چاہے جنت میں چلی جائے۔‘‘

سوال27: بہترین مرد کون ہے؟

جواب: جو اپنی برتر حیثیت کی بناء پر اس حقیقت کو بھول نہ جائے کہ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ برتر ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے حق میں بہتر ہے اور میں اپنی عورتوں کے لیے سب سے بہتر ہوں۔

سوال28: مرد اور عورت میں فرق کس اعتبار سے ہے؟

جواب: دنیا کے انتظام کے اعتبار سے۔

سوال29: اللہ کے ہاں مرد اور عورت کا مقام کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسانیت میں دونوں برابر ہیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے انسانی جان کو قابل عزت بنایا ہے۔ ﴿3﴾ مرد اور عورت کو اپنے اپنے اعمال کی جزا ملے گی۔ ﴿4﴾ اللہ کے قانون میں جیسے مرد ملکیت رکھ سکتا ہے، عورت بھی رکھ سکتی ہے۔ ﴿5﴾ مرد میراث کا حق رکھتا ہے۔ عورت بھی رکھتی ہے۔ ﴿6﴾ مرد قانونی شخصیت ہے، عورت علیحدہ قانونی شخصیت ہے۔

سوال30: مرد کو بحیثیت نگران (قوام) کیا کرنا چاہیے؟

جواب: ﴿1﴾ عورت کے حق میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرے۔ ﴿2﴾ اگر کوئی عورت مرد کی انتظامی بڑائی کو نہ مانے تو مرد کے اندر انتقامی جذبہ نہیں اُبھرنا چاہیے۔ ﴿3﴾ مرد عورت پر الزام لگا کر بدنام نہ کرے۔ ﴿4﴾ مرد عدل سے کام لے۔ ﴿5﴾ مرد عورت کی اصلاح کی کوشش کرے۔

سوال31: مرد عورت کی اصلاح کیسے کرے گا؟

جواب: ﴿1﴾ مرد ابتداء میں عورت کی اصلاح سمجھانے بجھانے سے کرے گا۔ ﴿2﴾ دباؤ ڈالنے سے (بولنا، چھوڑ دینا، ترک تعلق کر لینا) ﴿3﴾ آخری درجہ میں مرد سزا دے سکتا ہے جیسے مار (مسواک سے)۔

سوال32: مرد کی نگرانی کا کیا مطلب ہے؟

جواب: ﴿1﴾ مرد کی نگرانی کا مطلب خاندانی نظام کے اندر ایک ذمہ داری ہے۔ ﴿2﴾ مرد کی نگرانی خاندانی نظام کی حفاظت اور بچاؤ کے لیے ہے۔ ﴿3﴾ مرد کی نگرانی کا مطلب عورت کی شخصیت کی نفی نہیں ہے۔ ﴿4﴾ مرد کی نگرانی کا مطلب خاندان کے افراد کی حق تلفی نہیں۔ ﴿5﴾ مرد کی نگرانی کا مطلب خاندان کے افراد کے فرائض کا خاتمہ نہیں ہے۔

سوال33: نیک عورت کی کیا خصوصیات ہیں؟

جواب: ﴿ا﴾ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ ''پس نیک عورتیں فرماں بردار ہیں'' ﴿1﴾ نیک عورتیں صالح ہوتی ہیں۔ القنوت سے مراد توجہ، ارادہ، رغبت، دلی چاہت سے اطاعت جس میں کوئی جبر، دباؤ نہیں، کمزوری اور سستی نہیں۔ ﴿2﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کسی نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا عورتوں میں سے کون سی عورت اچھی ہوتی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو اپنے خاوند کو خوش کرے، جب وہ اس کی طرف دیکھے اور جب وہ حکم کرے تو بجا لائے اور اس سے اپنے جی میں اور اپنے مال میں جو خاوند کو برا لگے، مخالفت نہ رکھے۔ (سنن نسائی: 3233) (سلسلہ صحیحہ: 1838) ﴿3﴾ سیدنا حصین بن محصن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے میری پھوپھی نے بتایا کہ میں کسی کام سے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے پوچھا: ''یہ کون عورت (آئی) ہے؟ کیا شوہر والی ہے؟'' میں نے عرض کیا: جی ہاں'' پھر آپ ﷺ نے دریافت کیا: ''تیرا اپنے شوہر کے ساتھ کیسا رویہ ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''میں نے کبھی اس کی اطاعت اور خدمت کرنے میں کسر نہیں چھوڑی سوائے اس چیز کے جو میرے بس میں نہ ہو۔'' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اچھا یہ بتاؤ اسکی نظر میں تم کیسی ہو؟ یاد رکھو! وہ تمہاری جنت اور جہنم ہے۔''

(احمد،طبرانی،حاکم،بیقہی)《4》سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی عورت مرجائے اس حال میں کہ اسکا شوہراس سے راضی ہوتو وہ جنت میں جائے گی۔(سنن ترمذی:1161)《5》ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ جس کو چار چیزیں مل گئیں اس کو دنیاوآخرت کی خیرمل گئی: شکرگزاردل ذکرکرنے والی زبان مصیبت پرصبرکرنے والابدن ایسی بیوی جواپنی جان میں اورشوہرکے مال میں خیانت نہیں کرتی (مشکوۃ:283) ب۔ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ''وہ عدم موجودگی میں بھی حفاظت کرنے والی ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں محفوظ رکھا''《1》شوہرکی عزت اورحقوق کی حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔مثلاً اپنی ذات کوکسی کی نظروں کا شکارنہیں ہونے دیتی، اپنی عصمت اورعزت کونہیں لٹاتی۔《2》مردعورت کوکسی ایسے فعل کے ارتکاب کی اجازت نہیں دے سکتاجس کی حفاظت کرنے کااللہ تعالیٰ نے حکم دیاہے۔《3》مردبرانہ منائے تب بھی عورت کوایسے افعال کے ارتکاب کی اجازت نہیں۔《4》عورت پرفرض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدودمیں اپنی حفاظت کرے۔

سوال34: وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ ''اوروہ عورتیں جن کی سرکشی سے تم ڈرتے ہو''،نشوز کسے کہتے ہیں؟

جواب:''اور وہ عورتیں جن کی سرکشی سے تم ڈرتے ہو''《1》نشیزہ: اس سواری کوکہتے ہیں جس کی پیٹھ پرسواریازین نہ رہ سکے۔《2》عورت کااپنے شوہرسے بغض رکھنا۔《3》عورت کااپنے شوہرکانافرمان ہونااوراس کواپنے لیے جائزسمجھنا۔《4》عورت کاشوہرسے ناموافقت رکھنا،نباہ نہ کرنا۔《5》عورت کااپنے شوہرکے مقابلے میں سرکشی اختیارکرنا۔《6》امام راغب اصفہانی کہتے ہیں: ا۔عورت کااپنے شوہرکوبُراسمجھنا۔ب۔سرکشی کرنا۔ج۔کسی دوسرے مردپرنظررکھنا۔د۔بدخوئی کرنا۔《7》نشوزکالغوی معنی بلندی یاارتفاع،اٹھان اورابھارکے ہیں۔خصوصاً جب کسی چیزمیں اٹھان اورتحرک اورہیجان کانتیجہ ہومثلاً عورت اپنے خاوندکواپناہمسریااس کی سربراہی کواپنے لیے توہین سمجھ کراسے تسلیم نہ کرتی ہو۔اس کی اطاعت کی بجائے اس سے کج بحثی کرتی ہو۔خندہ پیشانی سے پیش آنے کی بجائے بدخلقی سے پیش آتی ہواورسرکشی پراترآتی ہو۔بات بات پرضداورہٹ دھرمی دکھاتی ہویامردپرناجائزتہمتیں لگاتی ہو۔یہ باتیں نشوزکے معنی میں داخل ہیں۔(تیسیرالقرآن:398/1397,)

سوال35: اگرسرکشی اورکشیدگی واقع ہوجائے توکیاہوتاہے؟

جواب:《1》اصلاحی اقدامات کافائدہ نہیں ہوتا۔《2》جنگ اورمقابلہ شروع ہوجاتاہے۔《3》ہرفریق کی کوشش ہوتی ہے دوسرے کاسرکچل دے۔

سوال36:عورت کی جانب سے سرکشی شروع ہوتے ہی مرد کو اسلام کس چیز سے روکتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ فوراً معاہدہ نکاح توڑنے سے۔﴿2﴾ سرکشی اور نفرت کے سامنے ہتھیار ڈالنے سے۔

سوال37:عورت کی سرکشی کا انجام کیا ہوتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ خاندان کی ٹوٹ پھوٹ ﴿2﴾ نسل انسانی کی تیاری اور تربیت کا کام ختم ہو جاتا ہے۔

سوال38:اسلام خاندانی نظام کے بچاؤ کے لیے کیا تدابیر اختیار کرتا ہے؟

جواب:سرکشی کے آثار ظاہر ہوتے ہی تدارک کیا جائے:﴿1﴾ فَعِظُوْهُنَّ "تو تم ان کو سمجھاؤ" یعنی وعظ ونصیحت۔﴿2﴾ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ "اور ان کو بستروں میں چھوڑ دو" Bed Share نہ کیے جائیں۔﴿3﴾ وَاضْرِبُوْهُنَّ '' اور ان کو مارو'' جسمانی اذیت

سوال39:عورت کی سرکشی کا علاج ابتداء میں نہ کیا جائے تو کیا نتائج نکلتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾ نافرمانی۔﴿2﴾ بغاوت۔﴿3﴾ مرد کی نگرانی کا رعب ختم۔﴿4﴾ خاندان دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے اور علاج کا فائدہ نہیں ہوتا۔

سوال40:وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ '' اور وہ عورتیں جن کی سرکشی سے تم ڈرتے ہو تو تم ان کو سمجھاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ '' اور وہ عورتیں جن کی سرکشی سے تم ڈرتے ہو تو تم ان کو سمجھاؤ'' یہ پہلی دوا ہے کہ عورتوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراؤ اور نصیحت کرو ایسے کلام سے جو سخت دلوں کو نرم کردے اور نفرت کرنے والی طبیعت میں رغبت پیدا ہو جائے۔(الاساس فی التفسیر:1054/2)﴿2﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: انہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کی نصیحت کرو۔﴿3﴾ فَعِظُوْهُنَّ یعنی انہیں اس طرح کی بات کرو کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس بات کو جان لو کہ آپ پر میری اطاعت فرض ہے اور میری نافرمانی کر کے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو اور یہ اس لیے کہ شوہر کا حق ادا کرنا اور اس کی اطاعت کرنا آپ پر واجب ہے اور اللہ تعالیٰ نے شوہر کی نافرمانی کو حرام کیا ہے اور شوہر کو یہ فضیلت مال خرچ کرنے کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔(تفسیر قاسمی:132/5)﴿4﴾ وعظ سے مراد ناصحانہ گفتگو ہی نہیں، بلکہ مشفقانہ برتاؤ بھی ہے یعنی اپنے قول وفعل کے لحاظ سے عورت کے لیے اس درجہ محبوب ودل پسند بننے کی کوشش کرو کہ وہ لامحالہ متاثر ہو کر تمہارے بلند اخلاق اسے مجبور کردیں کہ وہ اپنی غلطی کو محسوس کرے۔(تفسیر سراج البیان:198/1)

سوال41:وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ "اور ان کو بستروں میں چھوڑ دو" خواب گاہوں میں علیحدہ رہنے کا طریقہ کہاں تک مؤثر ہے؟

جواب:﴿1﴾ "اور ان کو بستروں میں چھوڑ دو" یہ دوسری دوا ہے جب وعظ ونصیحت بے کار ہو جائے۔﴿2﴾ جب عورت خودسری

کی زد میں ہو۔﴿3﴾جب عورت اپنے شوہر کو خاطر میں نہ لائے اور مرد اپنی فطری خواہشات پر قابو پا کر عورت کی فطری کشش کا مقابلہ کرے تو وہ عورت کے مؤثر ترین ہتھیار کو کند کر دیتا ہے۔مرد قوت کا اظہار کرتا ہے تو عورت ہتھیار ڈال دیتی ہے۔

سوال42:خواب گاہوں سے علیحدہ کرنے کے کیا آداب ہیں؟

جواب:﴿1﴾خواب گاہ کے علاوہ عورت کے ساتھ دوسرے تعلقات بحال رہیں۔﴿2﴾بچوں پر میاں بیوی کے درمیان ہونے والی کشیدگی کا اظہار نہ ہو۔﴿3﴾غیروں کے سامنے جدائی یا کشیدگی نہ ہو جس کی وجہ سے عورت کی عزت نفس مجروح ہو۔﴿4﴾خواب گاہ سے علیحدگی کا مقصد یاد رکھنا چاہیے عورت کو سرکشی سے روکنا ہے اس کی تذلیل نہیں۔

سوال43:وَاضۡرِبُوۡهُنَّ ’’اور ان کو مارو‘ عورت کو مارنے کا مقصد کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾’’اور ان کو مارو‘ یہ تیسری دوا ہے اللہ تعالیٰ نے مارنے کا حکم دیا اور اس کے لیے شرائط عائد کی ہیں۔مار اصلاح کے لیے ہو، مار میں بھی مرد کی طرف سے ہمدردی اور محبت ہو۔مار کا مقصد عورت کو سزا دینا نہیں ہے۔﴿2﴾مار کا مقصد عورت سے انتقام لینا نہیں ہے۔﴿3﴾مار کا مقصد غصے کو ٹھنڈا کرنا نہیں ہے۔﴿4﴾یہ مار ذلت، توہین اور حقارت کے لیے نہیں ہے۔ عورت کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ ہر چیز برداشت کر سکتی ہے بجز اپنے محبوب کے غصہ کے اور اگر اس پر بھی تبدیلی نہ ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بالکل عام عورت ہے۔اس لیے عامیانہ سلوک کی مستحق ہے۔اسے پیٹنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں مگر یہ تیسرا درجہ ہے۔(تفسیر سراج البیان:198/1)

سوال44:عورت کو مارنے کی کب اجازت ہے؟

جواب:﴿1﴾جب وعظ ونصیحت کام نہ دے۔﴿2﴾خواب گاہوں میں علیحدگی بھی مفید ثابت نہ ہو۔﴿3﴾جب بگاڑ خطرناک سطح تک پہنچ جائے۔

سوال45:اسلام نے عورت کی سرکشی کی بیماری کے علاج کے لیے جو اقدامات روا رکھنے کا حکم دیا ہے اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب:اسلام نے یہ اقدامات اس لیے روا رکھے ہیں تا کہ سرکشی کی بیماری کا علاج کیا جائے قبل اس کے کہ یہ حد سے گزر جائے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا’’عورتوں کے حق میں وصیت قبول کرو۔عورت پسلی کی ہڈی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی میں اوپر کا حصہ زیادہ ٹیڑھا ہے، اگر اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ دو گے اور اگر اسے چھوڑو گے تو برابر ٹیڑھی رہے گی۔پھر عورتوں کے حق میں وصیّت قبول کرو‘‘(صحیح مسلم:3644)

سوال46: سرکش عورت کو مارنے کے بارے میں نبی ﷺ کی کیا ہدایات ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں انہوں نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ عورت کا مرد پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر اسے کھانے کی ضرورت ہو تو اسے دیا جائے، کپڑے کی ضرورت ہو تو پہنایا جائے، چہرے پر نہ مارا جائے، نہ چہرے کو بگاڑا جائے، اس کو صرف گھر کے اندر خواب گاہ سے علیحدہ کیا جائے۔ (سنن ابوداؤد:2144) ﴿2﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بندیوں کو نہ مارو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے عرض کیا عورتیں تو مردوں پر جری ہوگئی ہیں تو آپ ﷺ نے انہیں مارنے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد نبی ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس بہت ساری عورتیں آئیں اور اپنے مردوں کے خلاف شکایت کی اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: محمد ﷺ کی ازواج کے پاس بہت سی عورتیں اپنے شوہروں کے خلاف شکایت لے کر آتی ہیں جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ تم میں سے اچھے لوگ نہیں۔ (ابوداؤد:2146) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے کسی خادم یا عورت کو کبھی نہیں مارا۔ (ابوداؤد:4786)

سوال47: سرکش عورت کو مارنے کی شرائط کیا ہیں؟

جواب: سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ پھر کیا ماریں کہ نہ نشان پڑے، نہ چہرے پر ماریں؟ تو انہوں نے جواب دیا: مسواک کی طرح کی چیز سے۔ ﴿1﴾ چہرے پر نہ مار سکتا ہے نہ چہرے کو بگاڑ سکتا ہے۔ ﴿2﴾ ایسی مار نہیں مار سکتا جس سے جسم پر کوئی نشان پڑ جائے۔ ﴿3﴾ عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں کوئی شخص اپنی بیوی کو غلاموں کی طرح نہ مارے کہ پھر دوسرے دن اس سے ہم بستر ہوگا۔ (صحیح بخاری:5204) ﴿4﴾ اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ یہ مار بالکل ہلکی قسم کی ہو، ایسی نہ ہو جس سے چوٹ زیادہ آجائے یا جس سے رفیق زندگی کی توہین لازم آتی ہو، بلکہ مفسر صحابہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تو یہ منقول ہے کہ یہ مار مسواک جیسی ہلکی پھلکی چیز سے ہو۔ (تفسیر ماجدی:732,733/1)

سوال48: فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلًا ’’چنانچہ اگر وہ تمہاری اطاعت کریں تو ان کو (ستانے کی) کوئی راہ تلاش نہ کرو‘‘ عورت کی اطاعت کی صورت میں کیا حکم ہے؟

جواب: عورت اطاعت کے لیے آمادہ ہو تو سب ذرائع جن سے اصلاح مقصود ہے رک جائیں گے۔ اطاعت ڈنڈے کی اطاعت نہ ہو کیونکہ اس سے مضبوط خاندان وجود میں نہیں آتا۔ عمرو بن احوص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھا (آپ ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا) اللہ کی حمد وثنا فرمائی اور لوگوں کو وعظ ونصیحت کی انھوں نے

حدیث میں پورا واقعہ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خبردار تم عورتوں سے بھلائی کرو وہ تمہارے پاس قید ہیں تم سوائے اس کے انکی کسی چیز کے مالک نہیں ہو مگر یہ کہ وہ واضح اور کھلی بے حیائی کریں اگر وہ ایسا کرتی ہیں تو ان کے بستروں سے الگ ہو جاؤ اور انھیں ضرب لگاؤ اور مار ایسی مارو جو ظاہری نہ ہو اگر وہ تمہاری فرماں برداری کرتی ہیں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ خبردار! تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔ تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ ایسے آدمیوں کو گھروں میں نہ آنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور نہ ایسے لوگوں کو تمہارے گھروں میں آنے کی اجازت دیں جن کا آنا تمہارے لیے ناگوار ہے۔ خبردار! بیویوں کا تم پر حق ہے کہ ان سے خوراک اور لباس کے بارے میں اچھا سلوک کرو۔ (جامع ترمذی:1163)

سوال49: اگر عورت اصلاح کر لے پھر راستہ تلاش نہ کرو، اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: راستہ تلاش نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ تنگ نہ کرو، مار پیٹ نہ کرو، طلاق نہ دو۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ عورتوں کے حقوق ادا کرنے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ اللہ کی امانت کے ساتھ انھیں حاصل کیا ہے۔ اور تم نے اللہ کے حکم سے انکی شرم گاہ کو حلال سمجھا ہے اور تمہارے لیے ان پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ایسے کسی آدمی کو نہ آنے دیں کہ جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور اگر وہ اس طرح کریں تو تم انہیں مار سکتے ہو مگر ایسی مار کہ انکو چوٹ نہ لگے اور ان عورتوں کا تم پر یہ بھی حق ہے کہ تم انھیں حسب اطاعت کھانا پینا اور لباس دو اور میں تم میں ایک چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ جس کے بعد تم گمراہ نہیں ہو گے۔ اور تم لوگ اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کو مضبوطی سے پکڑے رکھنا اور تم سے میرے بارے میں پوچھا جائے گا تو تم کیا کہو گے؟ انھوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیں اللہ کے احکام کی تبلیغ کر دی اور آپ ﷺ نے شہادت والی انگلی کو آسمان کی طرف بلند کرتے ہوئے اور لوگوں کی طرف منہ موڑتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! گواہ رہنا اے اللہ! آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ کلمات کہے۔ (صحیح مسلم:2950)

سوال50: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی بے حد بلند، بہت بڑا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی بے حد بلند، بہت بڑا ہے'' اگر عورت کے جھک جانے پر بھی مرد انتقامی کاروائی کرتا ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ فریق ہے جو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی صفات کی وجہ سے سر جھک جائیں۔ بغاوت اور سرکشی کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے علیؑ اور کبیر ہونے کا شعور اس لیے دلایا

ہے تاکہ جو مرد اپنے آپ کو عورت سے بڑا سمجھتے ہوئے ظلم کرتے ہیں وہ ظلم سے باز آ جائیں، اگر وہ عورت سے بڑے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے بڑا ہے، اگر وہ کمزوروں پر ناحق ظلم کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان سے انتقام لے گا۔

وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِہِمَا فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا مِّنۡ اَہۡلِہٖ وَ حَکَمًا مِّنۡ اَہۡلِہَا ۚ اِنۡ یُّرِیۡدَاۤ اِصۡلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰہُ بَیۡنَہُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا خَبِیۡرًا (35)

اور اگر تم ان دونوں کے درمیان مخالفت سے ڈرو تو ایک منصف شوہر کے رشتہ داروں میں سے اور ایک منصف بیوی کے رشتے داروں میں سے مقرر کردو، اگر دونوں اصلاح کا ارادہ رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت پیدا کردے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی سب کچھ جاننے والا، ہر چیز کی خبر رکھنے واالا ہے۔(35)

سوال1: وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَیۡنِہِمَا ''اور اگر تم ان دونوں کے درمیان مخالفت سے ڈرو'' نکاح کے ٹوٹنے کا خطرہ لاحق ہو جائے تو اسلام کیا حکم دیتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اگر تم ان دونوں کے درمیان مخالفت سے ڈرو'' اس آیت میں شوہر اور بیوی کی نفرت اور بے زاری کا ذکر ہے کہ اگر نفرت اتنی بڑھ جائے کہ اس سے نکاح کے ٹوٹنے کا خطرہ لاحق ہو تو اسلام یہ حکم دیتا ہے کہ خاندانی پنچائیت بٹھائی جائے جس میں ایک ثالث مرد کی مرضی کا مقرر ہو، ایک ثالث عورت کی مرضی کا مقرر ہو۔ ﴿2﴾ دونوں ثالث مصالحت کرانے کی کوشش کریں۔

سوال2: فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا مِّنۡ اَہۡلِہٖ وَ حَکَمًا مِّنۡ اَہۡلِہَا ۚ ''تو ایک منصف شوہر کے رشتہ داروں میں سے اور ایک منصف بیوی کے رشتے داروں میں سے مقرر کردو'' اسلامی نقطہءنظر سے ثالثوں کا کردار کیسا ہونا چاہیے؟

جواب: ﴿1﴾ اسلامی نقطہ نظر سے ثالثوں کا مقصد مصالحت کروانا ہو۔ ٹھنڈے ماحول میں جمع ہوں۔ معاشی حالات ومفادات کو نظر انداز کردیں۔ زوجین کے خاندانوں کی شہرت اور عزت کا خیال رکھیں۔ ﴿2﴾ سر جوڑ کر بیٹھیں اور دونوں کے معاملے میں غور کریں ذاتی میلانات کو سامنے نہ رکھیں۔ ﴿3﴾ مصلحت کے تحت جو مناسب ہو عمل میں لائیں خواہ ملاپ کرادیں یا تفریق۔

سوال3: ثالثوں کا اجتماع کب ہوگا؟

جواب: ﴿1﴾ جب زوجین کے اندر اصلاح کی خواہش ہو۔ ﴿2﴾ جب زوجین کے اندر اخلاص ہو لیکن اصلاح کی خواہش غصے کے جذبات تلے دب گئی ہو۔

سوال4: ثالث مقرر کرنے والا کون ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا جواب مبہم رکھا ہے۔﴿1﴾ زوجین خود ہی اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کا انتخاب کر سکتے ہیں۔﴿2﴾ دونوں خاندانوں کے بزرگ مداخلت کر کے پنچایت مقرر کر سکتے ہیں۔

سوال5: ثالثوں کے اختیارات کیا ہیں؟

جواب: ان ثالثوں کو ملانے اور جدا کرنے کے پورے اختیارات ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ثالث قرار دیا ہے انہیں اپنا فیصلہ صادر کرنا ہے خواہ کوئی راضی ہو یا ناراض۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ثالث مقرر کرتے ہوئے عدالت کی طرف سے انہیں حاکمانہ اختیارات دے دیئے تھے۔

سوال6: باہمی اختلاف میں انسان کا ذہن کیسا ہو جاتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ انسان کا ذہن متاثر ہو جاتا ہے۔﴿2﴾ انسان کسی واقعے کا ٹھنڈے دل ودماغ سے حقیقت پسندانہ انداز میں تجزیہ نہیں کر پاتا۔

سوال7: اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا ''اگر دونوں اصلاح کا ارادہ رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا'' کیسے وضاحت کریں؟

جواب: ''اگر دونوں اصلاح کا ارادہ رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ زوجین میں موافقت پیدا کر دیتے ہیں'' اگر وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں، صدق دل سے چاہیں تو دونوں کا رابطہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے تحت ہو جائے گا۔

سوال8: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی سب کچھ جاننے والا، ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات علیم اور خبیر کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب:﴿1﴾ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی سب کچھ جاننے والا، ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے علیم ہونے کا شعور دلایا ہے کہ حکم شوہر بیوی میں اصلاح کروانا چاہتے ہیں یا نہیں اللہ تعالیٰ کو پوری طرح علم ہے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے خبیر ہونے کا شعور دلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کے اور ان کے علاوہ لوگوں کے حالات کی پوری خبر رکھتا ہے، اس سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے، ان پر نگہبان ہے یہاں تک کہ وہ انہیں احسان پر جزا دے گا اور برائی پر بخشش یا عذاب دے گا۔ (تفسیر جامع البیان:90/5)﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے خاندانی معاملات کی درستگی کے لیے عورت کی چڑھائی اور مرد کی اصلاح کے

طریقے اختیار کرنے پر یہ شعور دلایا ہے کہ تمہارے تمام معاملات خواہ آپس کے ہوں، حکم بنانے کے ہوں، مار پیٹ کے، دلی معاملات ہوں یا علیحدگی اختیار کرنے کے، اللہ تعالیٰ ان کا علم بھی رکھتا ہے اور اسے اس کی خبر بھی ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی خبر کی وجہ سے عورتوں کے معاملات میں اس سے ڈر کر رہو۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔـا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ (36)

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ بناؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور رشتہ دار ہمسایوں اور اجنبی ہمسایوں اور پہلو کے ساتھی اور مسافر کے ساتھ اور (ان کے ساتھ) جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہوئے ہیں یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے محبت نہیں کرتا جو اکڑنے والا، فخر کرنے والا ہو۔ (36)

سوال1: انسانی زندگی کی اصلاح کے لیے ان آیات میں کیا پروگرام دیا گیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کی اصلاح کے لیے یہ احکامات دیے ہیں ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ ﴿2﴾ والدین سے حسنِ سلوک کرو۔ ﴿3﴾ رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کرو۔ ﴿4﴾ یتیموں اور مسکینوں سے حسنِ سلوک کرو۔ ﴿5﴾ رشتہ دار پڑوسی سے حسنِ سلوک کرو۔ ﴿6﴾ اجنبی ہمسایہ سے حسنِ سلوک کرو۔ ﴿7﴾ پہلو کے ساتھی سے حسنِ سلوک کرو۔ ﴿8﴾ مسافر سے حسنِ سلوک کرو۔ ﴿9﴾ لونڈی غلاموں سے حسنِ سلوک کرو۔ اللہ تعالیٰ نے پانچ کاموں سے روکا ہے۔ ا۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ ب۔ بڑائی پر فخر نہ کریں۔ ج۔ بخل نہ کریں۔ د۔ اللہ کے فضل کو نہ چھپائیں۔ ہ۔ ریا کاری نہ کریں۔

سوال2: وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔـا ''اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک نہ بناؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قرآن حکیم میں جہاں بھی عبادت کا حکم ہے اس سے مراد توحید ہے۔ (تفسیر سمرقندی: 301/1) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے صرف اپنی عبادت کا حکم دیا ہے یعنی شرک سے روکا ہے اس لیے کہ اسی نے پیدا کیا، وہی رزق دینے والا ہے، وہی ہر حال میں فضل و کرم کرنے والا ہے، اس لیے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ اسی کی عبادت کریں اور اس کی مخلوق

میں سے کسی کواس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔﴿3﴾ عبادت سے مراد اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کے ساتھ ظاہری اور باطنی، پوشیدہ اوراعلانیہ خضوع اور حوالگی ہے۔﴿4﴾ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا ’’ اوراس کے ساتھ کسی چیز کوبھی شریک نہ بناؤ‘‘ پہلا حکم اور پہلا واجب اللہ تعالیٰ کی معرفت ،اس کی توحید،اس کی اطاعت اوراس کی الوہیت میں کسی کوشریک نہ کرنا اوراس کی ربوبیت میں کسی بشر یا پتھر یا کسی مادی غیر مادی چیز کوشریک نہ کرنا ہے۔(الاساس فی التفسیر:1059/2)﴿5﴾ مشرکین عرب بتوں کی بندگی کرتے تھے اورانہیں اپنے اوراللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ بناتے تھے جیسا کہ رب العزت کا فرمان ہے۔وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ وَ يَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ اوروہ اللہ تعالیٰ کے ماسوا اُن کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ہی انہیں نقصان دے سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں اوروہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ لوگ ہمارے سفارشی ہیں۔آپ کہہ دیں کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کواس بات کی خبر دیتے ہو جسے نہ وہ آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں؟ پاک ہے وہ اور بے حد بلند ہے اُس سے جو وہ شریک بناتے ہیں۔(یونس:18)﴿6﴾ وَ لَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ اور بلاشبہ یقیناً آپ کی طرف اورآپ سے پہلے لوگوں کی طرف وحی کی گئی کہ اگرآپ نے شرک کیا تو یقیناً ضرورآپ کا عمل ضائع ہوجائے گا اورآپ ضرور خسارہ اُٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔(الزمر:65)﴿7﴾ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ؕ۬ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ سن لو!دین خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے اورجن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے سرپرست بنا رکھے ہیں وہ کہتے ہیں ہم تو اُن کی عبادت نہیں کرتے مگراس لیے کہ وہ ہمیں اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں،اچھی طرح قریب کرنا۔یقیناً اللہ تعالیٰ اُن کے درمیان اُن تمام باتوں کا فیصلہ کردے گا جن میں وہ اختلاف کررہے ہیں،یقیناً اللہ تعالیٰ اس شخص کوہدایت نہیں دیتا جوجھوٹا،بہت ناشکرا ہو۔(الزمر:3)

سوال3: وَاعْبُدُوا اللّٰهَ ’’اوراللہ تعالیٰ کی عبادت کرو‘‘اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم کس مقصد کے لیے دیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کا حکم اس لیے دیا ہے کہ اس نے ہمیں اپنے لیے پیدا کیا۔عبادت کوہماری زندگی کا مقصد ٹھہرایا تاکہ محبت اورتعظیم کے ساتھ ہم قلب اورقالب سے اللہ تعالیٰ سے جڑ جائیں۔

سوال4: اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار بننے سے انسان پرکیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾ جب انسان اللہ تعالیٰ کا بن جاتا ہے تو اس کے اندر تواضع کا مزاج پیدا ہو جاتا ہے۔﴿2﴾ انسان کا یہ مزاج انسانی تعلقات میں ظاہر ہوتا ہے۔﴿3﴾ یہ تواضع والدین کے ساتھ تعلق میں حسنِ سلوک کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔﴿4﴾ ہر شخص جس سے اس کا واسطہ پڑے اس کو ایسا انسان پاتا ہے جیسے وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر کھڑا دیکھ رہا ہو۔﴿5﴾ انسان ہر ایک کا حق اس کے تعلق کے لحاظ سے، اس کی ضرورت کے لحاظ سے ادا کرنے والا بن جاتا ہے۔﴿6﴾ انسان کو نظر انداز کرنا اس کو یوں لگتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے یہاں نظر انداز کئے جانے کا خطرہ مول لے رہا ہو۔

سوال5: جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے نہ کرے اس کی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾ اس کے اندر فخر کی نفسیات جاگ اُٹھتی ہے۔﴿2﴾ وہ اپنے مال، علم، اقتدار کو اپنی محنت اور قابلیت کا نتیجہ سمجھتا ہے۔﴿3﴾ ایسا شخص اپنی کمائی کو صرف اپنا حق سمجھتا ہے۔﴿4﴾ کمزور رشتہ داروں یا محتاجوں سے تعلق جوڑنا اس کو اپنے مقام سے نچلے درجے کی چیز محسوس ہوتی ہے۔﴿5﴾ اپنی خواہشات کی تسکین اور اپنی مصلحتوں کی تکمیل کے لیے مال خرچ کرنا کافی سمجھتا ہے۔﴿6﴾ ایسی کسی جگہ خرچ کرنا جہاں اس کی انا کو تسکین نہ ملے وہاں خرچ کرنے میں اس کا دل تنگ ہوتا ہے۔﴿7﴾ ریاکاری کے لیے خرچ کرنے میں فیاض ہوتا ہے۔﴿8﴾ دینی مواقع پر خرچ کرنے میں وہ بخیل ہوتا ہے۔

سوال6: جو لوگ اپنا آپ اللہ تعالیٰ کے حوالے نہ کریں پھر وہ کس کے حوالے کرتے ہیں؟

جواب: جو لوگ اپنا آپ اللہ تعالیٰ کے حوالے نہیں کرتے ان کا نفس اور ان کے معاملات شیطان کے حوالے ہو جاتے ہیں۔ وہ شیطان کا ساتھی بن جاتا ہے، شیطان اسے نفع کی امید دلاتا ہے اور انسان اس کی طرف دوڑتا ہے۔ اس کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان ابدی نفع سے دلچسپی نہیں رکھتا مگر ایسی کوشش اللہ تعالیٰ کے یہاں کام آنے والی نہیں۔

سوال7: اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے؟

جواب: سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں عفیر نامی گدھے پر آپ ﷺ کے ساتھ سوار تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ کیا تو جانتا ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ اس کو عذاب نہ دے جو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری دے دوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں (ورنہ) وہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔ (بخاری:7373)

سوال8: انسان نیکی کے کاموں کا آغاز کہاں سے کرے؟

جواب: ﴿1﴾ والدین اور خاص رشتہ داروں سے۔ ﴿2﴾ عام رشتہ داروں سے۔ ﴿3﴾ پھر محتاجوں سے۔

سوال9: جو انسان گھر کے اندر نیکی، رحم اور محبت نہیں سیکھتا یا تجربہ نہیں کرتا ایسے انسان سے دوسروں کے حق میں ایسے جذبات کی توقع کیوں نہیں کی جاسکتی؟

جواب: ﴿1﴾ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے قریبی رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کی طرف مائل ہوتا ہے۔ ﴿2﴾ جو انسان گھر کے اندر جہاں فطرت بھی اسے مجبور کرتی ہے رحمت اور محبت کا معاملہ نہیں کرتا اس سے غیروں کے حق میں توقع نہیں کی جاسکتی۔ اس لیے کہ وہاں ایسی رشتہ داری نہیں، فطری کشش نہیں اور رشتہ داروں میں رشتے کی کشش انسان سے بہت کچھ کروالیتی ہے۔

سوال10: وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ''اور والدین کے ساتھ احسان کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور والدین کے ساتھ احسان کرو'' ﴿1﴾ اللہ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی نصیحت اس لیے کی کہ دنیا میں کسی کے وجود میں آنے کا ذریعہ والدین ہی ہوتے ہیں۔ اطاعتِ والدین کی اہمیت کے پیشِ نظر ہی اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی کئی آیتوں میں اپنی عبادت اور والدین کے ساتھ احسان وحسنِ سلوک کا ایک ساتھ ذکر کیا ہے۔ جیسے فرمایا: اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ میرا شکر ادا کرو اور والدین کا۔ اور فرمایا: وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اللہ نے یہ فیصلہ کردیا ہے کہ تم لوگ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ (تیسیر الرحمٰن: 260) ﴿2﴾ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّفِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ۭ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ اور ہم نے انسان کو اُس کے والدین کے بارے میں وصیت کی، اُس کی ماں نے دُکھ پر دُکھ اُٹھا کر اُسے اٹھایا اور اُس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے کہ میرا شکر ادا کرو اور اپنے والدین کا بھی، میری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے۔ (لقمان: 14) ﴿3﴾ ابن عربی نے کہا: والدین کے ساتھ حسن سلوک فرائض میں سے دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک اقوال میں بھی اور افعال میں بھی۔ (تفسیر منیر: 69/3) ﴿4﴾ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا اور آپ کے رب نے فیصلہ کردیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان

دونوں کو ''اُف'' تک نہ کہواور نہ ہی ان کو جھڑکو اوران سے عزت والی بات کرو۔(اسراء:23)﴿5﴾احسان یعنی سلوک کی دواضداد ہیں، براسلوک اورعدم احسان (حسن سلوک نہ کرنا) اوردونوں سے روکا گیا ہے۔(تفسیر سعدی:513,514/1)

سوال11: والدین کے ساتھ حسنِ سلوک نہ کرنے والا دنیا میں کیا پریشانی دیکھتا ہے؟

جواب: جوشخص والدین کوستائے اس کی آخرت سے پہلے ہی وہ طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے۔ایک آدمی آکر عرض کرنے لگا کہ ایک نوجوان عالمِ نزاع میں ہے۔اس کو کہا جاتا ہے لَا اِلٰـهَ اِلَّااللهُ پڑھو مگرنہیں پڑھ سکتا۔رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''کیاوہ نماز پڑھتا تھا؟'' آنے والا بولا: ''جی ہاں۔'' رسول اللہ ﷺ اُٹھ کر چل دیے،ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ چل پڑے۔آپ ﷺ اس نوجوان کے پاس تشریف لے گئے اور کہا: لَا اِلٰـهَ اِلَّااللهُ کہو۔اس نے عرض کیا: ''میں نہیں کہہ سکتا۔'' فرمایا: ''کیاوجہ ہے؟'' کسی نے عرض کیا: ''یہ اپنی والدہ کی نافرمانی کرتا تھا'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیااس کی والدہ زندہ ہے؟'' لوگوں نے عرض کیا: ''جی ہاں۔'' فرمایا: ''اسے بلالاؤ۔'' والدہ کو بلایا گیا، وہ حاضر ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تمہارا بیٹا ہے؟'' اس نے عرض کیا: ''جی ہاں۔'' ارشادفرمایا: ''تمہارا کیا خیال ہے کہ اگر بہت بڑی آگ بھڑکائی جائے اور تمہیں کہا جائے کہ اگر تم اس کی سفارش کروگی تو اس کو ہم چھوڑ دیتے ہیں ورنہ اس کو آگ میں جلا ڈالیں گے۔کیا تم اس کی سفارش کروگی یا جل جانے دوگی؟'' اس کی ماں عرض کرنے لگی: ''یارسول اللہ ﷺ! تب تو میں سفارش کر دوں گی۔'' ارشادفرمایا: ''پھر اللہ تعالیٰ کو اور مجھے گواہ بنا کر کہو کہ تم اس پر راضی ہو۔'' عرض کرنے لگی: یااللہ! میں تجھے اور تیرے رسول ﷺ کو گواہ بناتی ہوں کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوگئی ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس لڑکے سے کہا: ''اے لڑکے! کہو: لَااِلٰـهَ اِلَّا اللهُ وَحْـدَهُ لَا شَـرِيْكَ لَـهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ نوجوان نے یہ الفاظ کہہ دیے تو نبی ﷺ نے فرمایا: تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے میرے وسیلے سے اس نوجوان کو دوزخ سے بچالیا۔'' (طبرانی،احمد)

سوال12: وَّبِذِی الْقُرْبٰی ''اور رشتہ داروں'' سے حسن سلوک کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور رشتہ داروں'' قرآن حکیم میں گیارہ جگہ پر رشتہ داروں کے حقوق کا تذکرہ ملتا ہے۔یہ آیت کریمہ تمام رشتہ داروں کو شامل ہے خواہ دور کے ہوں یا قریب کے۔ان کے ساتھ قول وفعل سے حسن سلوک کرنا ہے اور اپنے قول یا فعل سے قطع رحمی نہیں کرنی۔﴿2﴾ رب العزت کا ارشاد ہے: وَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا اور رشتے

دار کو اُس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو بھی اور تم بے جا خرچ نہ کرو، بے جا خرچ کرنا۔ (بنی اسرائیل:26) ﴿3﴾ سیدنا سلمان بن عامر ضبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسکین کو صدقہ دینا صدقہ ہے اور رشتے دار کو (صدقہ دینا) دو نیکیاں ہیں: صدقہ بھی اور صلہ رحمی بھی۔ (سنن ابن ماجہ:1844)

سوال13: رشتہ داروں سے حسن سلوک کا کیا اجر ہے؟

جواب: نبی ﷺ نے فرمایا: مسکین پر صدقہ کرنے کا ثواب ہے اور رشتے دار پر صدقہ کرنے کا دوہرا ثواب ہے کہ صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔

سوال14: وَالْيَتٰمٰى ''اور یتیموں'' سے حسن سلوک کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ وہ چھوٹے بچے جو اپنے باپ سے محروم ہو گئے ہوں تمام مسلمانوں پر ان کا حق ہے خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں کہ وہ ان کی کفالت کریں، ان کے ساتھ نیک سلوک کریں، ان کی دل جوئی کریں، ان کو ادب سکھائیں اور ان کے دینی اور دنیاوی مصالح میں ان کی بہترین تربیت کریں۔ (تفسیر سعدی:514/1) ﴿2﴾ یتیموں کی خبر لینے والا اور ان پر خرچ کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اس لیے فرمایا کہ ان سے حسن سلوک کرو اور ان کے سر پر دستِ شفقت رکھو۔ ﴿3﴾ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں یوں ہوں گے اور آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی کو باہم ملایا۔ (صحیح بخاری:6005)

سوال15: وَالْمَسٰكِيْنِ ''اور مسکینوں''مسکینوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی کیا ہدایات ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ مسکین وہ لوگ ہیں جن کو فقر و حاجت نے بے حرکت اور عاجز کر دیا ہو، جنہیں اتنی ضروریاتِ زندگی حاصل نہ ہوں جو ان کو کفایت کر سکیں اور نہ ان کو جن کے یہ کفیل ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے ان کو ضروریاتِ زندگی مہیا کی جائیں، ان کا فقر و فاقہ دور کیا جائے، لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دی جائے اور حتی الامکان ان امور کا انتظام کیا جائے۔ (تفسیر سعدی:514/1) ﴿2﴾ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں کے ہاں چکر کاٹتا رہتا ہے، ایک یا دو لقمے اور ایک یا دو کھجوریں لے کر واپس چلا جاتا ہے، بلکہ مسکین تو وہ ہے جو اتنا مال نہیں پاتا جو اسے مستغنی کر دے اور نہ کسی کو اس کا حال معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اسے صدقہ دے اور نہ وہ کھڑے ہو کر لوگوں سے سوال کرتا ہے۔ (بخاری:1479، مسلم:1039) ﴿3﴾ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''یہ مال بڑا سر سبز و شیریں

ہے،تواس مسلمان کا مال کتنا اچھا ہے جس میں سے وہ مسکین ،یتیم اور مسافر کو عطا کرتا ہے۔''(بخاری:1052)

سوال16:وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى ''اور رشتہ دار ہمسایوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے جبریل علیہ السلام پڑوسیوں کے بارے میں یہاں تک وصیت کرتے رہے کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ پڑوسیوں کو وارث بنا دیں گے۔(بخاری:6687)﴿2﴾نبی ﷺ نے فرمایا:پڑوسی تین قسم کے ہیں ایک حق والا یعنی ادنیٰ،دوحق اور تین حق والے یعنی اعلیٰ،ایک حق والا وہ ہے جو مشرک ہو۔دوحق والا وہ ہے جو مسلمان ہو مگر رشتہ دار نہ ہو۔تین حق والا وہ ہے جو مسلمان ہو اور رشتہ دار ہو۔(مسند احمد)﴿3﴾سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔(صحیح بخاری:5185)﴿4﴾نبی ﷺ نے بیان کیا واللہ!وہ ایمان والا نہیں ہے۔واللہ!وہ ایمان والا نہیں ہے عرض کیا گیا کون یارسول اللہ ﷺ ؟ آپ ﷺ نے فرمایا:وہ جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو۔(صحیح بخاری:6016)﴿5﴾سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:اللہ کی نگاہوں میں بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھی کے حق میں بہتر ہو،اور بہترین پڑوسی وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے حق میں اچھا ہو۔(مسند احمد:6566)﴿6﴾پڑوسی کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ ہدیہ اور صدقہ دیتا رہے،اس کو دعوت پر بلاتا رہے،اقوال وافعال میں نرمی اور ملاطفت سے پیش آیا کرے اور قول وفعل سے اس کو اذیت دینے سے باز رہے۔(تفسیرِ سعدی)

سوال17:وَالْجَارِ الْجُنُبِ ''اور اجنبی ہمسایوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور اجنبی ہمسایوں''﴿1﴾ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ وہ شخص کہ اس کے اور آپ کے درمیان کوئی رشتہ داری نہ ہو۔(ابن ابی حاتم:948/3)﴿2﴾وہ پڑوسی جو قریبی نہ ہو،پڑوسی کا دروازہ جتنا قریب ہوگا اس کا حق اتنا ہی زیادہ موکد ہوگا۔پڑوسی کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ ہدیہ اور صدقہ دیتا رہے،اس کو دعوت پہ بلاتا رہے اقوال وافعال میں نرمی اور ملاطفت سے پیش آیا کرے اور قول وفعل سے اس کو اذیت دینے سے باز رہے۔(تفسیر سعدی:514/1)﴿3﴾سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یارسول اللہ!میرے دو پڑوسی ہیں میں ان میں سے کس کو ہدیہ دوں؟ آپ نے فرمایا ان دونوں میں سے جس کا دروازہ تم سے زیادہ قریب ہو اس کو دے دو۔(صحیح بخاری:890/2)

سوال18:وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ ''اور پہلو کے ساتھی'' صاحب بالجنب سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾اس سے مراد دوست اور ہم نشین جو ساتھ رہتا ہو۔﴿2﴾ایسا شخص بھی جس سے کہیں کسی وقت ساتھ ہو جائے۔

《3》سفر کے دوران ہم سفر وغیرہ《4》اس سے بعض مفسرین نے عورت مراد لی ہے۔《4》وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ کا اطلاق سفر کا ساتھی، کام کے ساتھی، بیوی اور ہراس شخص پر ہوتا ہے جو کسی فائدے کی اُمید پر کسی کی قربت اختیار کرلے۔اس میں وہ لوگ بھی آجاتے ہیں جوعلم حاصل کرنے،کوئی کام سیکھنے یا کاروباری سلسلے میں ساتھ رہتے ہوں یا جنہیں پاس بیٹھنے کا موقع ملے۔

سوال19:وَابْنِ السَّبِيْلِ ''اور مسافر'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》وہ غریب الوطن شخص جو دوراجنبی شہر میں ہو، وہ خواہ محتاج ہو یا نہ ہو، اس کی شدتِ احتیاج اور وطن سے دور ہونے کی وجہ سے مسلمانوں پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے نہایت انس و اکرام کے ساتھ اس کے مقصد تک پہنچائیں۔(تفسیرِ سعدی)
《2》سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں جارہے تھے۔اثنائے سفر میں آپ ﷺ نے فرمایا''جس کے پاس فاضل سواری ہے وہ اسے دے دے جس کے پاس سواری نہیں اور جس کے پاس زائد کھانا ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس کھانا نہیں۔غرض یہ کہ آپ ﷺ نے مال کی ایک ایک قسم کا جدا جدا ذکر کیا۔حتیٰ کہ ہم یہ سمجھنے لگے کہ اپنے زائد مال میں ہمارا کوئی حق نہیں ہے۔(مسلم:1728)《3》آپ ﷺ نے فرمایا''تین آدمی ایسے ہیں جن کی طرف اللہ قیامت کے دن دیکھے گا بھی نہیں اور نہ انہیں پاک کرے گا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا۔(ان میں سے ایک)وہ جس کے پاس راستہ میں فاضل پانی ہو اور وہ مسافر کو بھی پانی نہ دے۔(بخاری:2358)

سوال20:وَمَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ''جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہوئے'' کا اطلاق کن لوگوں پر ہوتا ہے؟

جواب:《1》جن کے مالک تمہارے دائیں ہاتھ ہیں یعنی غلام اور کنیزیں وغیرہ۔اس کا اطلاق گھروں، دوکانوں، مِلوں، کمپنیوں یا اداروں کے تمام ملازموں اور نوکروں پر ہوتا ہے کیونکہ یہ بھی غلاموں سے ایک اعتبار سے مشابہت رکھتے ہیں۔《2》غلاموں اور لونڈیوں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرو اس لیے کہ غلامی سے بڑھ کر انسان کی اور کوئی کمزوری نہیں ہوسکتی۔اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں فرمایا:''اے مسلمانو! دیکھو نماز کا خیال رکھنا اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کا۔(ابوداؤد:5156)《3》سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ یہ باندی غلام تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے خادم ہیں اللہ تعالیٰ نے انکو تمہارے تصرف میں دے دیا ہے سو جس کے تصرف میں کوئی غلام ہو وہ اسے اسی میں کھلائے جس میں سے خود کھاتا ہے اور اسی میں سے پہنائے جس میں سے خود پہنتا ہے اور ان سے وہ کام نہ لو جس کی ان کو طاقت نہ ہو، اگر طاقت سے زیادہ کام لو تو ان کی مدد کردو۔(بخاری:346)《4》عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اپنے خزانچی سے دریافت کیا: کیا غلاموں کو کھانا دے دیا

ہے؟اس نے کہا:نہیں۔تو فرمایا: جاؤاور انہیں کھانا دو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: آدمی کواتناہی گناہ کافی ہے کہ وہ ان لوگوں سے اپنے ہاتھ کوروکے جن کی معاش کاوہ ذمہ دار ہے۔(مسلم:996)《5》 آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کسی کے پاس اس کا خادم کھانالائے تواسے بھی اپنے ساتھ بٹھاکر کھلائے اوراگر کھاناکم ہوتو اسے لقمہ دولقمے دے دے۔کیونکہ اس نے پکانے کی گرمی اوردھواں برداشت کیا ہے۔(بخاری:5460،مسلم:1663)

سوال21: اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرًا ''یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے محبت نہیں کرتا جواکڑنے والا،فخر کرنے والا ہو'' اللہ تعالیٰ فخر وغرورکوکیوں ناپسند کرتے ہیں؟

جواب:《1》**المختال اور ختال** کامعنی ایک ہے یعنی غرور کرنے اوراکڑنے والا۔(بخاری کتاب التفسیر)《2》یہ وہ لوگ ہیں جن کافخراورتکبران کے حقوق کواداکرنے سے مانع رہتا ہے۔(تفسیرِ سعدی)《3》مغرور انسان فخر کی وجہ سے اپنے آپ کوہی بڑی چیز سمجھنے لگتا ہے۔《4》اپنی کمائی کواپنا حق سمجھتا ہے《5》 کمزوررشتہ داروں یامحتاجوں سے تعلق جوڑنا اپنے مقام سے نچلے درجے کی چیز سمجھتا ہے۔《6》ریاکاری کرتا ہے۔

سوال22: یہاں تکبراورفخر وغرورکی خاص طورپر مذمت کیوں کی گئی ہے؟

جواب:《1》 تکبر کی مذمت اس لیے کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اورجن لوگوں سے حسن سلوک کاحکم دیا گیاہے ان پروہی عمل کرسکتاہےجس کادل تکبر سے خالی ہواور جوفخر وغرور میں مبتلا نہ ہو۔کیونکہ متکبر مغرور شخص نہ تواللہ تعالیٰ کی عبادت کرسکتا ہے نہ اپنوں اورغیروں سے حسن سلوک کرسکتاہے اس لیے تکبراورفخر وغرور کی خاص طورپر مذمت کی گئی ہے۔《2》سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔اس پرایک آدمی نے عرض کیا: ایک آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اوراس کی جوتی بھی اچھی ہو۔ آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ اللہ جمیل ہے اور جمال (خوبصورتی) ہی کوپسندفرماتا ہے تکبرتوحق کی طرف سے منہ موڑنے اوردوسرےلوگوں کوکمتر سمجھنے کو کہتے ہیں۔(صحیح مسلم:265)《3》۔سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جوشخص تکبر کرتے ہوئے اپنا کپڑا گھسیٹ کر چلا،اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت سے نہ دیکھے گا۔(بخاری:861)

سوال23: مال کی وجہ سے انسان کے اندر کون سے رویے پیدا ہوتے ہیں؟

جواب:《1》احسان کارویہ۔یہ ان لوگوں میں پیدا ہوتا ہے جومال کواللہ کاانعام سمجھتے ہیں ان کے اندرتواضع اورشکرگزاری کا

جذبہ پیدا ہوتا ہے جو انہیں دوسروں پر احسان کے لیے آمادہ کرتا ہے۔﴿2﴾ بخل کا رویہ۔ جو لوگ مال کو اپنی قابلیت کا نتیجہ سمجھتے ہیں وہ فخر وغرور میں مبتلا ہو جاتے ہیں جو حقوق کی ادائیگی کے منافی ذہنیت ہے۔ یہ لوگوں پر دھونس رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے کم ظرفوں سے نفرت کرتا ہے۔

سوال24: انسان احسان کب کرسکتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جب انسان صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ بن جاتا ہے۔﴿2﴾ جب وہ تمام ہدایات اللہ تعالیٰ سے لیتا ہے۔﴿3﴾ جب وہ کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور آخرت کے اجر کی اُمید کے لیے کرتا ہے۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا(37)

وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپاتے ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(37)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ علماء یہود اپنے علم میں بخل کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ جو لوگ بخل کرتے ہیں الخ۔ اور ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ کروم زید کعب بن اشرف کا دوست، اسامہ بن حبیب، نافع بن ابی نافع بحری بن عمرو، حیی بن اخطب رفاعہ بن زید بن تابوت، یہ لوگ کچھ انصاری حضرات کو نصیحت کرنے کے لیے آیا کرتے تھے اور ان سے کہتے کہ اپنے اموال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے پر خرچ مت کرو کیونکہ ہمیں تم پر فاقہ اور تمہارے مالوں کے ختم ہو جانے کا ڈر ہے اور صدقہ وخیرات میں جلدی بھی مت کرو کہ کل کی کیا خبر؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (لباب النقول فی اسباب النزول از علامہ سیوطی) (تفسیر ابن کثیر:262/1)

سوال2: الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ ''وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں''، بخیل کسے کہتے ہیں؟

جواب: جو دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں تنگ ہو۔ یعنی جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق والدین، رشتہ داروں، یتیموں، ضرورت مندوں، بیوی، بچوں، مسافروں، لونڈیوں اور غلاموں پر خرچ نہیں کرتے اور اس میں سے زکوٰۃ نہیں نکالتے

جو کہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اپنے ارد گرد والوں کو بھی بخل کی رغبت دیں۔ جو دوسروں کے حقوق کشادہ دلی سے ادا کرتا ہے لیکن اپنی ذات کے معاملے میں تنگی برتتا ہے وہ بخیل نہیں ہے۔

سوال3: الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ''وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں''، بخیلی کسے کہتے ہیں؟

جواب: بخیلی یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہ کرے لیکن ریاکاری اور نام و نمود کے لیے خرچ کرے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے بخیلی کی مذمت کیسے کی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے بخیلی کو کافرانہ طرزِ عمل قرار دیا ہے۔

سوال5: بخل کے بارے میں نبی ﷺ کا فرمان کیا ہے؟

جواب: عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ پڑھا پھر فرمایا: تم بخیلی سے بچو، تمہارے پہلے لوگ اسی بخل کی وجہ سے تباہ ہو گئے، حرص نے ان کو بخیل کر دیا اور ناتا توڑنے کو کہا تو انہوں نے ناتا توڑ دیا، فسق فجور کا حکم کیا تو انہوں نے فسق اور فجور کیا۔'' (سنن ابوداؤد:1698)

سوال6: بخیلی کی ہدایت کون کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ بخیل انسان دوسروں کی فیاضی کی وجہ سے اپنے بخل پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے تاکہ اس کی بخیلی کا بھانڈا نہ پھوٹے۔ بخیل شخص یہ چاہتا ہے کہ کوئی بھی حقوق کی ادائیگی میں ملامت نہ کر سکے اس لیے ہر ایک کے سامنے اپنے وسیع اخراجات، کاروباری نقصانات، مانگنے والوں کی کثرت اور اپنی پھیلی ہوئی ذمہ داریوں کا رونا روتے رہتے ہیں تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ یہ شخص غنی ہے، دریا دل ہے لیکن بڑی بھاری ذمہ داریوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ (تدبر القرآن) ﴿2﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے کو نعمت سے سرفراز کرتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس کے اوپر اس کی نعمت کے اثرات ظاہر ہوں یعنی نعمت مل جانے کے بعد اس نعمت کو ظاہر کرو خود بھی کھاؤ پیو دوسروں کو بھی کھلایا کرو۔ (مختصر ابن کثیر:321/1)

سوال7: الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ''وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بھی بخل کا حکم دیتے ہیں''، بخیلی کا سبب کیا ہے؟

جواب:《1》انسان اپنے مال کو اللہ کی دین سمجھنے کی بجائے اپنی تدبیر اور قابلیت کا سرچشمہ سمجھنے لگتا ہے۔《2》نبی ﷺ نے فرمایا: دو خصلتیں مومن میں جمع نہیں ہوسکتیں۔ بخیلی اور برا اخلاق (سلسلہ احادیث صحیحہ)

سوال8: بخیلی کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟

جواب: بخیلی کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ تواضع اور شکر گزاری کا جذبہ بخیل کے اندر مردہ پڑ جاتا ہے یہ دو جذبے ہی فیاضی کا اصل محرک بنتے ہیں۔

سوال9: وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ''اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انہیں اپنے فضل سے دیا ہے اسے چھپاتے ہیں'' اللہ تعالیٰ کے فضل کو چھپانا کیا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کے فضل کو چھپانے سے مراد ہے کہ انسان اس طرح رہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنا فضل ہی نہ کیا ہو مثلاً اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور مال والا اپنی حیثیت سے گر کر رہے نہ اپنے آپ پر خرچ کرے، نہ گھر والوں پر، نہ حق داروں پر اور نہ نیکی کے کاموں میں بھاگ بھاگ کر حصہ لے۔《2》اللہ تعالیٰ کے فضل کو چھپانے سے یہاں مراد علم کو چھپانا ہے یہود نے نبی ﷺ کی صفات کو چھپایا تھا جس کے دلائل تورات اور انجیل میں تھے اور انہوں نے اپنے مالوں میں بخل کیا اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے تھے انہوں نے انصار سے کہا: ''اپنے مالوں کو محمد ﷺ پر خرچ نہ کرو ہم تم پر فقر سے ڈرتے ہیں۔ (ایسر التفاسیر:261)

سوال10: وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ''اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے'' بخیل کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب کیوں ہے؟

جواب:《1》''اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے''، بخیل کو مال سے انتہائی محبت ہے اس کی یہ عادت نہیں ہے کہ لوگوں کے حقوق کا خیال رکھے اور ان پر خرچ کرے وہ ہر طرح سے ناشکری کا اظہار کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل پر پردہ ڈال کر اسے چھپاتا ہے وہ کہتا ہے کہ میں خود فقیر ہوں میرے پاس کیا ہے؟ اسے ظاہر نہیں ہونے دیتا وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا کافر ہے۔ اس لیے اسے ڈرایا گیا ہے کہ ہم نے ناشکروں کے لیے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔《2》نبی ﷺ یہ دعا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہمیں اپنی نعمت کا شکر گزار بنا کہ اسے پا کر تیری بڑائی بیان کریں۔ ہمیں اسے قبول کرنے والا بنا اور اسے ہم پر مکمل فرما۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا(38)

اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر، اور وہ شخص جس کا دوست شیطان بن جائے تو وہ بہت ہی برا دوست ہے۔(38)

سوال1: وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ''اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور جو لوگ اپنے مال لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور نہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ آخرت کے دن پر'' جمہور علماء کے نزدیک یہ منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ ریا کاری نفاق میں سے ہے۔(تفسیر قرطبی: 135/3:3) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے ریا کاری کو ایسے لوگوں کا وطیرہ بتایا ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے جن کا ساتھی شیطان ہے۔ ﴿3﴾ وہ کافر اور مشرک ہیں جو اسلام کا تقیہ کے طور پر اظہار کرتے ہیں اسی وجہ سے ان کا انفاق ریا کاری کے لیے ہوتا ہے۔

سوال2: ریا کاری کے خرچ کی نوعیت کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ریا کار نام ونمود اور شہرت چاہتے ہیں تا کہ ان کی سخاوت کی تعریف ہو انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا۔(مختصر ابن کثیر: 322/1:1) ﴿2﴾ ریا کار کا خرچ شاذ و نادر ہی حق داروں کے لیے ہوتا ہے کیونکہ حق دار پر خرچ میں نمائش کے مواقع نہیں ہوتے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جن تین لوگوں سے جہنم کی آگ سلگائی جائے گی وہ یہی ریا کار ہوں گے۔ سیدنا سلیمان بن یسار رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ جب سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے لوگ دور ہو گئے تو اُن سے اہلِ شام میں سے ناتل نامی آدمی نے کہا: اے شیخ! آپ ہمیں ایسی حدیث بیان فرمائیں جو آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو، تو انھوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ قیامت کے دن جس کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ شہید ہوگا۔ اُسے بلایا جائے گا اُسے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جتوائی جائیں گی وہ انھیں پہچان لے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تُو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیرے راستے میں جہاد کیا، یہاں تک کہ میں شہید ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا بلکہ تُو

اس لیےلڑتا رہا کہ تجھے بہادر کہا جائے، تحقیق! وہ کہا جا چکا پھرحکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹ کے جہنم میں ڈال دو۔ یہاں تک کہ اُسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور دوسرا شخص جس نے علم حاصل کیا اور اُسے دوسروں کو سکھایا اور قرآن کریم پڑھا اُسے لایا جائے گا اور اُسے اللہ کی نعمتیں جتوائی جائیں گی وہ انھیں پہچان لے گا تو اللہ فرمائے گا: تُو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا میں نے علم حاصل کیا پھر اسے دوسروں کو سکھایا اور تیری رضا کے لیے قرآن مجید پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تُو نے جھوٹ کہا، تُو نے علم اس لیے حاصل کیا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قُرآن اس لیے پڑھا کہ تجھے قاری کہا جائے سو یہ کہا جا چکا: پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے یہاں تک کہ اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور تیسرا شخص وہ ہوگا جس پر اللہ نے وسعت کی تھی اور اسے ہر طرح کا مال عطا کیا تھا۔ اسے بھی لایا جائے گا اور اسے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جتوائی جائیں گی، وہ انھیں پہچان لے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تُو نے ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں نے تیرے ہر راستے میں جس میں مال خرچ کرنا تجھے پسند تھا، تیری رضا حاصل کرنے کے لیے مال خرچ کیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تُو نے جھوٹ کہا بلکہ تُو نے ایسا اس لیے کیا کہ تجھے سخی کہا جائے۔ تحقیق وہ کہا جا چکا، پھر حکم دیا جائے گا کہ اسے منہ کے بل گھسیٹا جائے یہاں تک کہ اُسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم:4923)

سوال3: وَ مَنۡ یَّکُنِ الشَّیۡطٰنُ لَہٗ قَرِیۡنًا فَسَآءَ قَرِیۡنًا ’’اور وہ شخص جس کا دوست شیطان بن جائے تو وہ بہت ہی برا دوست ہے‘‘ شیطان کس کا دوست بنتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ’’اور وہ شخص جس کا دوست شیطان بن جائے تو وہ بہت ہی برا دوست ہے‘‘ شیطان اس کا دوست بنتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان سے خالی ہو جائیں۔ ﴿2﴾ ان کو اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی اور ترک اطاعت کے لیے شیطان نے آمادہ کیا اس نے ان کی بری باتیں انہیں خوب صورت بنا کر دکھائیں اور برائیاں اچھائیاں بنا کر ان کے دلوں میں پھونک دیں۔ (مختصر ابن کثیر:322/1)
﴿3﴾ بدترین ہے وہ مصاحب اور ساتھی جو اپنے ساتھی کی ہلاکت چاہتا ہے اور اسے ہلاک کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے (تفسیر سعدی)

سوال4: ایمانی اخلاقیات اور کفر کی اخلاقیات کیسے پیدا ہوتی ہیں؟ اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ موازنہ کریں۔

جواب:

ایمانی اخلاقیات	کفر کی اخلاقیات

1۔اچھے اخلاق اوراچھے اعمال کاباعث اللہ تعالیٰ اورآخرت پرایمان ہوتا ہے۔	1۔برے اخلاق اور برے اعمال کاباعث اللہ تعالیٰ اورآخرت سے کفرکرنا ہوتا ہے۔
2۔اللہ تعالیٰ کی رضامندی کوحاصل کرنے پر آنکھیں لگی ہوتی ہیں۔	2۔نیکی کے کام فخروغرور کے لیے کرتے ہیں۔اور یہ متحرک ہمیشہ غیریقینی ہوتا ہے۔انسانوں کی غرض کے ساتھ ساتھ بدلتا ہے۔
3۔اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرکے لوگوں سے بدلے کامنتظرنہیں ہوتا۔	3۔نیکی کے کام کرکے آخرت میں جزا ملنے کی کوئی لالچ نہیں ہوتی۔
4۔انفاق فی سبیل اللہ اخلاص اور بے لوثی کے ساتھ ہوگا۔	4۔مال خرچ کرکے فخراوربخل کی دعوت اورلوگوں کو دکھاوے کاسلسلہ جاری رہے گا۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا(39)

اوران کا کیا بگڑ جاتا اگر وہ اللہ تعالیٰ اورآخرت کے دن پرایمان لاتے اور جو اللہ تعالیٰ نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے اوراللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اُنہیں خوب جاننے والا ہے۔(39)

سوال1:وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ''اوران کا کیا بگڑ جاتا اگر وہ اللہ تعالیٰ اورآخرت کے دن پرایمان لاتے اورجوکچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے'' یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے کیاواضح کیا ہے؟

جواب:《1》''اوران کا کیا بگڑ جاتا اگر وہ اللہ تعالیٰ اورآخرت کے دن پرایمان لاتے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انہیں رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے'' اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ ایمان کاراستہ ہی محفوظ راستہ ہے۔کیاحرج تھا کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پرایمان لاتے اورریاکاری کوچھوڑکراخلاص اورایمان کاراستہ اختیارکرتے اورنیک اعمال پراللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین رکھتے،اس سے جزا کی امید رکھتے اور جہاں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس جگہ اپنامال خرچ کرتے،اللہ تعالیٰ کی رضا کوپیش نظر رکھتے ہوئے ان مدات میں خرچ کرتے اورخرچ کے وہ راستے تلاش کرتے جس کااللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔《2》رب العزت کاارشاد ہے:وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ اور جو لوگ بخل کرتے ہیں اس میں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے دیا ہے وہ ہرگز گمان نہ کریں کہ اُن کے لیے وہ بہتر ہے بلکہ اُن کے لیے وہ بہت ہی برا ہے، جلد ہی قیامت کے دن انہیں اس کا طوق پہنایا جائے گا جو اُنہوں نے بخل کیا اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔(آلِ عمران:180)《3》وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى اور لیکن جس نے بخل کیا اور بے پرواہ ہوا۔اور بھلائی کو جھٹلایا تو ہم جلد ہی اُس کو مشکل راستے کے لیے سہولت دیں گے۔(اللیل:10-8)

سوال2: وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِیْمًا ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اُنہیں خوب جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کی وضاحت کریں؟

جواب: 《1》''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اُنہیں خوب جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ علیم ہے نیتوں سے خوب واقف ہے۔《2》اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون کیا حق رکھتا ہے اور کیا نہیں؟《3》اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کسے ہدایت کی توفیق دی جائے اور کسے نہیں؟《4》اللہ تعالیٰ علیم ہے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس سے اللہ تعالیٰ کی رضا والے کام کروائے جائیں اور کس سے نہیں؟

سوال3: وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِیْمًا ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اُنہیں خوب جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت علیم کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے متکبر، مغرور، بخیل اور حریص لوگوں کو اپنی صفت علیم کا شعور اس لیے دلایا ہے تا کہ لوگ اپنے دل اور زندگی کے معاملات پر اللہ تعالیٰ کو گواہ محسوس کر کے ان برائیوں سے بچ سکیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً یُّضٰعِفْهَا وَیُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِیْمًا(40)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر ایک نیکی ہوئی تو اس کو دوگنا کر دے گا اور اپنے پاس سے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا۔(40)

سوال1: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ''یقیناً اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا'' اُس کی وضاحت کریں؟

جواب: 《1》''یقیناً اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا'' اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال عدل کی خبر دی ہے کہ وہ عادل ہے، ظلم سے پاک ہے، وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور وہ ہر ایک کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا۔《2》مِثْقَالَ ذَرَّةٍ سے مراد ذرہ برابر ہے

(بخاری، کتاب التفسیر) ﴿3﴾ رب العزت نے فرمایا: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ؕ وَ اِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَ كَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ اور ہم قیامت کے دن انصاف کے ترازو رکھیں گے پھر کسی جان پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی ہوگا تو ہم اُسے لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے والے کافی ہیں۔ (الانبیاء:47) يٰبُنَيَّ اِنَّهَا اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ اے میرے چھوٹے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے وزن کی ہو، پس وہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں تو اللہ تعالیٰ اُس کو لے آئے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین، پوری خبر رکھنے والا ہے۔ (لقمان:16) صحیحین میں ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثِ شفاعت میں روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کہے گا جاؤ، جس کے دل میں ایک رائی کے برابر بھی ایمان ملے اسے آگ سے نکال دو چنانچہ بہت سے لوگ جہنم سے نکل جائیں گے۔ ابوسعید نے کہا کہ چاہو تو قرآن کی یہ آیت اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ پڑھو لیکن کافروں کو ان کی نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں مل جائے گا، آخرت میں ان کی کوئی نیکی ان کے کام نہیں آئے گی۔ (مسلم:183)

سوال 2: وَ اِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا ''اور اگر ایک نیکی ہوئی تو اس کو دوگنا کردے گا'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں دیہاتیوں کے بارے میں الانعام کی آیت 160 اتری کسی نے پوچھا پھر مہاجرین کے لیے کیا ہے؟ فرمایا: اس سے افضل آیت ہے پھر یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ (ابن ابی حاتم)

سوال 3: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ''یقیناً اللہ تعالیٰ کسی پر ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا'' اللہ تعالیٰ نے یہ شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ شعور اس لیے دلایا ہے تاکہ لوگ اپنی نیکیوں کے حریص ہو جائیں اور بُرے اعمال کرنے سے بچ سکیں۔

سوال 4: وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ''اور اپنے پاس سے بہت بڑا اجر عطا فرمائے گا'' اجر عظیم سے کیا مراد ہے؟

جواب: اجر عظیم سے مراد جنت ہے۔ یاارحم الرحمین! ہمیں بھی اپنی رضا اور جنت نصیب فرما۔ آمین۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا (41)

پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان پر گواہ لائیں گے۔ (41)

سوال 1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ایک دفعہ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ آنحضور ﷺ کو قرآن مجید سنا رہے تھے۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان پر گواہ لائیں گے۔ فرمایا: بس! ٹھہرو۔ ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو نبی ﷺ کی آنکھوں سے پانی جاری تھا۔ (صحیح بخاری: 4582)

سوال 2: فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ '' پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے'' یہ کہہ کر کس چیز کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ '' پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر اُمت میں سے ایک گواہ لائیں گے'' یہ کہہ کر اس طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ آج ایمان اور عمل کا سرمایہ نہیں، کفر اور بداعمالیاں ہیں۔ اس دن کیا حال ہوگا جب ہر قوم سے گواہ اُٹھائے جائیں گے اور اے محمد ﷺ! تمہیں اُمت مسلمہ پر گواہ لائیں گے۔ ﴿2﴾ قیامت کا منظر آنکھوں کے سامنے لایا جارہا ہے جب ہر اُمت کے اعمال پر گواہ کی پیشی ہوگی بخل پر، کفر پر، فخر پر، اللہ تعالیٰ کے فضل کو چھپانے پر، دکھاوے پر اور بخل کی دعوت پر سب سے سچی گواہیاں ہوں گی جن کا آخرت پر یقین نہیں ان کے ساتھ بھی انصاف ہوگا اور اس رسول ﷺ کی موجودگی پر جس کا وہ انکار کرتے تھے۔ ﴿3﴾ اس وقت رسول کی نافرمانی کرنے والے چاہیں گے کہ کاش زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائیں۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کے یہاں کوئی اپنی بات چھپا نہ سکے گا۔

سوال 3: قیامت کے دن حق کا گواہ کون ہوگا؟

جواب: ہر امت کے گواہ کی حیثیت سے اس کے رسول کو بلایا جائے گا جو گواہی دے گا کہ انہوں نے کیا اعمالِ صالحہ کیے یا کیسے کیسے کفر و سرکشی کا ارتکاب کیا تاکہ اس شہادت کے مطابق ان کا حساب ہو (تیسیر الرحمٰن)

سوال 4: وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا '' اور آپ کو ان پر گواہ لائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ وَّ جِئْنَا بِكَ '' اور اے محمد ہم آپ کو لائیں گے۔ ﴿2﴾ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ آپ کی امت پر ﴿3﴾ شَهِيْدًا گواہ جو ایمان لایا اس کے ایمان پر، جس نے کفر کیا اس کے کفر پر اور جو نفاق میں مبتلا ہوا اس کے نفاق پر۔ (الاساس فی التفسیر: 1063/2)

سوال 5: قیامت کے دن گواہی کی کیا صورت حال ہوگی؟

جواب: ﴿1﴾ قیامت کے دن گواہی کی صورت حال اس حقیقت پر مشتمل ہوگی کہ فیصلہ کرنے والا کامل علم، کامل عدل اور کامل حکمت کا مالک ہے اور وہ مخلوق میں سب سے زیادہ سچی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کرے گا۔ یہ شہادت انبیاء و مرسلین کی شہادت

ہے جو وہ اپنی امتوں کے خلاف دیں گے اور جن کے خلاف فیصلہ ہوگا وہ بھی اس کا اقرار کریں گے۔ اللہ کی قسم! یہ وہ فیصلہ ہے جو تمام فیصلوں میں سب سے زیادہ عام، سب سے زیادہ عادل اور سب سے عظیم ہے۔ (تفسیرِ سعدی) ﴿2﴾ ساری انسانیت کی موجودگی میں جس شخص کے اعمال کا فیصلہ کرنا مطلوب ہوگا اسے اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کھڑا کیا جائے گا یہ مجرم کا مقام ہوگا۔ جن لوگوں نے دنیا میں حق کی گواہی دی ہوگی انہیں بلایا جائے گا یہ اللہ کی طرف سے بولنے والے کا مقام ہوگا۔ ﴿3﴾ یہ ایسا ہولناک لمحہ ہوگا کہ انسان چاہے گا زمین پھٹ جائے اور وہ اس کے اندر سما جائے مگر یہ شرمندگی کام نہ آئے گی۔ ﴿4﴾ اللہ کے یہاں ہر ایک کے قول اور عمل کا جو ریکارڈ ہوگا وہ انہیں دکھایا جائے گا۔ ﴿5﴾ حق کی گواہی دینے والے کو بلا کر ثابت کیا جائے گا کہ جب اس کو حق کے لیے بلایا تھا تو اس نے تکبر کی وجہ سے انکار کیا تھا۔ اس نے خود کو بڑا سمجھا اور حق کی دعوت دینے والوں کو چھوٹا جانا۔ حقیقت کو جان لینے کے باوجود محض اس لیے انکار کیا کہ انہیں اپنی بڑائی ختم ہوتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ ﴿7﴾ پھر محمد رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر کھڑا کیا جائے گا اور ثابت کر دیا جائے گا کہ اللہ کی طرف سے یہ پیغام انسانیت تک پہنچا دیا گیا۔ اس طرح سے جرم ثابت کرنے کے بعد مجرموں کو جہنم میں جھونک دینے کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔

سوال6: کیا نبی ﷺ کے شہید ہونے سے مراد حاضر و ناظر ہونا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ شہید کے معنی گواہ ہیں۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نبی ﷺ حاضر و ناظر ہیں وہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی صفت میں شریک سمجھتے ہیں جو کہ شرک ہے کیونکہ حاضر و ناظر تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ﴿2﴾ شہید کے لفظ سے یہ استدلال کہ گواہی وہی دے سکتا ہے جو حاضر و ناظر ہو اپنے اندر قوت نہیں رکھتا اس لیے کہ شہادت یقینی علم کی بنیاد پر ہوتی ہے اور قرآن مجید کے حقائق اور واقعات سے زیادہ حقیقی علم کوئی نہیں ہوسکتا۔ قرآن مجید کے علم یقینی کی بناء پر ہی اُمت مسلمہ کو **شُھداء علی الناس** قرار دیا گیا ہے جس سے ہر فرد کے حاضر و ناظر ہونے کا مفہوم نہیں لیا جاسکتا۔ اس طرح یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ مشرکانہ اور بے بنیاد ہے۔ ﴿3﴾ اس شہادت کی پوری حقیقت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی شہادت سے واضح ہوجاتی ہے وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؔؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١١٦﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ اور جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابنِ مریم! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور

میری ماں کواللہ تعالیٰ کے علاوہ معبود بناؤ، وہ کہے گا:’’ آپ پاک ہیں، میرا یہ کام نہ تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔ اگر میں نے وہ کہا ہوتا تو یقیناً آپ کے علم میں ہوتا، آپ جانتے ہیں جو میرے نفس میں ہے اور میں وہ نہیں جانتا جو آپ کے نفس میں ہے، بلاشبہ آپ ہی پوشیدہ باتوں کو خوب جاننے والے ہیں۔(116) میں نے ان سے اس کے سوا کوئی بات نہیں کہی جس کا آپ نے مجھے حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں ان پر گواہ تھا جب تک میں ان میں موجود تھا پھر جب تو نے مجھے اُٹھالیا تو ان پر تو ہی نگران تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے۔(المائدہ:117,116)﴿4﴾ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:’’ قیامت کے دن نوح علیہ السلام کو بلایا جائے گا، وہ کہیں گے: **لبیک وسعدیک یارب!** اللہ رب العزت فرمائے گا: کیا تم نے میرا پیغام پہنچا دیا تھا؟ نوح علیہ السلام عرض کریں گے کہ میں نے پہنچا دیا تھا پھر ان کی امت سے پوچھا جائے گا کیا انہوں نے میرا پیغام تمہیں پہنچایا تھا؟ وہ لوگ کہیں گے کہ ہمارے یہاں کوئی ڈرانے والا نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا (نوح علیہ السلام سے) کہ’’ آپ علیہ السلام کے حق میں کوئی گواہی بھی دے سکتا ہے؟ وہ کہیں گے کہ محمد ﷺ اور ان کی امت میری گواہ ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی امت ان کے حق میں گواہی دے گی کہ انہوں نے پیغام پہنچا دیا تھا اور رسول (یعنی حضور ﷺ) اپنی امت کے حق میں گواہی دیں گے (کہ انہوں نے سچی گواہی دی ہے) یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے کہ’’ اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ وسط بنایا تا کہ تم لوگوں کے لیے گواہی دو اور رسول تمہارے لیے گواہی دیں۔‘‘ (صحیح بخاری:4487)

يَوۡمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَعَصَوُا الرَّسُوۡلَ لَوۡ تُسَوّٰى بِهِمُ الۡاَرۡضُ ؕ وَلَا يَكۡتُمُوۡنَ اللّٰهَ حَدِيۡثًا (42)

جس دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی، تمنا کریں گے کہ کاش! ان پر زمین برابر کردی جائے اور اللہ تعالیٰ سے وہ کوئی بات بھی چھپا نہ سکیں گے۔(42)

سوال1: يَوۡمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَعَصَوُا الرَّسُوۡلَ لَوۡ تُسَوّٰى بِهِمُ الۡاَرۡضُ ’’جس دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی، تمنا کریں گے کہ کاش! ان پر زمین برابر کردی جائے‘‘ کافروں اور رسول کے نافرمانوں کی آرزو کو یہاں کیوں سامنے رکھا گیا ہے؟

جواب: ’’جس دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی، تمنا کریں گے کہ کاش! ان پر زمین برابر کردی جائے‘‘﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی ہولناکی کی ایک مثال بیان کی ہے۔﴿2﴾ کافروں اور رسول کے نافرمانوں کی یہ آرزو کہ

کاش انہیں زمین کے ساتھ ہی ہموار کر دیا جاتا اس لیے سامنے رکھا گیا ہے کہ اس دن کوئی دل کی بات اور اپنے حالات اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکے گا۔ جب کچھ نہیں چھپے گا تو بُرا بدلہ ضرور ملے گا۔﴿3﴾ رب العزت کا ارشاد ہے: اِنَّآ اَنۡذَرۡنٰكُمۡ عَذَابًا قَرِيۡبًا ۖۚ يَّوۡمَ يَنۡظُرُ الۡمَرۡءُ مَا قَدَّمَتۡ يَدٰهُ وَيَقُوۡلُ الۡكٰفِرُ يٰلَيۡتَنِىۡ كُنۡتُ تُرٰبًا یقیناً ہم نے تمہیں اُس عذاب سے خبردار کر دیا ہے جو قریب ہی ہے، جس دن انسان وہ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور کافر کہے گا: اے کاش میں مٹی ہوتا! (نبا:40)

سوال 2: وَلَا يَكۡتُمُوۡنَ اللّٰهَ حَدِيۡثًا '' اور اللہ تعالیٰ سے وہ کوئی بات چھپا نہ سکیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: '' اور اللہ تعالیٰ سے وہ کوئی بات چھپا نہ سکیں گے'' ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قسم ہے اللہ ہمارے رب کی! ہم شرک کرنے والے نہ تھے۔ ثُمَّ لَمۡ تَكُنۡ فِتۡنَتُهُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ قَالُوۡا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشۡرِكِيۡنَ پھر ان کا اس کے سوا کوئی عذر نہ ہوگا کہ وہ کہیں گے کہ قسم ہے اللہ ہمارے رب کی! ہم مشرک نہ تھے۔ (انعام:23)

سوال 3: وَلَا يَكۡتُمُوۡنَ اللّٰهَ حَدِيۡثًا '' اور اللہ تعالیٰ سے وہ کوئی بات چھپا نہ سکیں گے'' اس سے انسانی شعور کو کیسے متاثر کیا گیا ہے وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے حشر کے میدان کی دہشت کو انسان کی تمنا میں رکھ دیا ہے کہ اس دن لوگوں کی تمنائیں بدل جائیں گی۔ وہ انسان جو مرنا نہیں چاہتا، دنیا سے جانا نہیں چاہتا، قبر سے گھبراتا ہے کل کے دن تمنا کرے گا کہ کاش زمین اس پر برابر کر دی جائے۔ ﴿2﴾ اس کیفیت میں نہ اپنے تاثرات رب سے چھپا سکیں گے نہ اپنے اعمال۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کہ آج کے وقت سے فائدہ اٹھا لو۔

رکوع نمبر 4

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَقۡرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنۡتُمۡ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعۡلَمُوۡا مَا تَقُوۡلُوۡنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِىۡ سَبِيۡلٍ حَتّٰى تَغۡتَسِلُوۡا ‌ؕ وَاِنۡ كُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤى اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡكُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَيَمَّمُوۡا صَعِيۡدًا طَيِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوۡرًا (43)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم نماز کے قریب بھی نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشے میں ہو یہاں تک کہ تم جان لو جو کچھ تم کہتے

ہواور نہ ہی جنابت کی حالت میں مگر راستہ عبور کرنے والے ہو، یہاں تک کہ تم غسل کرلواور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرو، پھر اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی بہت معاف کرنے والا، بے حد بخشنے والا ہے۔(43)

سوال1:اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہمارے لیے کھانا تیار کیا اور پھر ہمیں دعوت دی اور کھانے میں شراب بھی پلائی جس سے ہم نشہ میں آگئے (اتنے میں) نماز کا وقت بھی ہو گیا۔تو (حاضرین نے) مجھے امامت کے لیے آگے کر دیا' میں نے سورہ کافروں کی آیت قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ میں الفاظ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ کی بجائے **نحن نعبد ما تعبدون** پڑھ دیے۔اللہ تعالیٰ نے اس پر آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ نازل فرمائی ''اے ایمان والو جب تم نشہ کی حالت میں ہوتو نماز کے قریب نہ جاؤ (نہ پڑھو) حتیٰ کہ تم جان لو جو تم کہہ رہے ہو'(جامع ترمذی:3026)

سوال2: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو!تم نماز کے قریب بھی نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشے میں ہو' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو'یعنی اے وہ لوگو! جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق کی ہے ﴿2﴾ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى ''تم نماز کے قریب بھی نہ جاؤ اس حال میں کہ تم نشے میں ہو'مومنوں کو نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے روکا ہے کیونکہ نشے میں انسان کو اپنی بات اور حالات کا ہوش نہیں رہتا۔﴿3﴾ سُكٰرٰى یہ سکران کی جمع ہے۔سکران شراب کے نشے میں دُھت کو کہتے ہیں۔﴿4﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: اگر کسی کو نماز پڑھتے ہوئے اونگھ آنے لگے تو وہ سو جائے جب تک اسے یہ معلوم نہ ہونے لگے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے یعنی اونگھ کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے تاوقت یہ کہ نیند چلی جائے۔(مختصر ابن کثیر:325/1)﴿5﴾ اس ممانعت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ نشے کی حالت میں نماز کی جگہوں یعنی مساجد وغیرہ کے بھی قریب نہ جائیں کیونکہ نشے کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا ممکن نہیں۔اس ممانعت میں نفسِ نماز بھی شامل ہے۔نشے والے شخص کی عقل کے مختل ہونے اور یہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اس کی نماز اور دیگر عبادات جائز نہیں۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کے لیے اس چیز کو شرط بنایا کہ نشے والا شخص جو کچھ کہہ رہا ہو اسے اس کا

علم ہو۔(تفسیرِ سعدی)

سوال2: اللہ تعالیٰ نے شراب جیسی عادت کا علاج کس طرح کیا؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے شراب جیسی عادت کا علاج نہایت نرمی، ہمدردی اور تدریج کے ساتھ ﴿2﴾ بغیر جنگ لڑے۔ ﴿3﴾ بغیر قربانی دیے۔﴿4﴾ ابتداء میں شراب نوشی کے خلاف شعور کو بیدار کیا گیا جیسا کہ اللہ رب العزت نے فرمایا: يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔آپ کہہ دیں کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اگرچہ لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔اوران دونوں کا گناہ ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے۔(البقرہ:219) لوگوں نے سمجھ لیا کہ اس کے منافع کے مقابلے میں نقصان بہت زیادہ ہے۔گناہ بڑا ہے لہٰذا اسے حرام ہونا چاہیے۔﴿5﴾ اس آیت میں نشے کے اوقات محدود کردیئے گئے۔نماز کے اوقات قریب ہوتے ہیں، پورے دن پر پھیلے ہوئے ہوتے ہیں، ان میں اتنا وقفہ نہیں ہوتا کہ کوئی شراب پئے اور اس کا نشہ ٹوٹ جائے۔پھر اس دور میں شراب نوشی کے خاص اوقات صبح اور شام کے تھے جو نمازوں کے اوقات ہوتے۔مسلمان کے ضمیر کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ نماز پڑھے یا شراب پئے۔اس لیے وہ نماز کے حق میں فیصلہ دے کر شراب نوشی سے نجات پاگئے اور آخری حکم کے آنے تک ٹریننگ ہوچکی تھی جس میں شراب نوشی کو حرام قرار دے دیا گیا۔﴿6﴾ اللہ تعالیٰ نے انسان کے دل پر تقویٰ (خداخوفی) کا نگران بٹھا دیا۔اللہ کا خوف جس دل میں بیٹھ جاتا ہے وہ کسی وقت کسی جگہ اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتا۔اسی احساس کو قرآنِ حکیم نے زندہ کر کے شراب نوشی سے نجات دلائی۔

سوال3: انسان شراب کیوں پیتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾ روحانی خلا کو پُر کرنے کے لیے۔﴿2﴾ بے مقصدیت کی وجہ سے۔

سوال4: شراب نوشی کی حرمت کی وجہ سے اجتماعی زندگی میں جو خلا پیدا ہوتا ہے اس خلا کو اسلام کیسے پُر کرتا ہے؟

جواب: اس خلا کو اسلام ایمان کی تروتازگی سے پُر کرتا ہے۔ایک تازہ شعور کے تحت انسان جب اللہ تعالیٰ کی معرفت میں زندگی بسر کرنے لگتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے نور کو پھیلاتا ہے، پاکیزہ زندگی بسر کرتا ہے، پاکیزگی کی دعوت دیتا ہے، انسانیت کی خدمت کرتا ہے، بھلائی کے کام کرتا ہے اور اس طرح اس کے اندر روحانی خلا نہیں رہتا۔

سوال5: حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ ''یہاں تک کہ تم جان لو جو کچھ تم کہتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》نماز اس وقت پڑھو جب تم جان لو کہ کیا کہہ رہے ہو۔سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا یعنی جو تم اپنی نماز میں پڑھتے ہو۔(ابن ابی حاتم:959/3)سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:جب کوئی شخص نماز پڑھتے ہوئے اونگھنے لگے تو اسے چاہیئے کہ نماز چھوڑ کر سو جائے اور نماز اس وقت پڑھے جب اسے یہ معلوم ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ہوسکتا ہے کہ حالتِ نیند میں نماز ادا کرتے ہوئے وہ مغفرت کی دعا کرنے کی بجائے اپنے آپ کو گالیاں دینے لگے۔(بخاری:212)
《2》نماز فہم اور شعور سے ادا کرنی چاہیے۔《3》نماز میں انسان کے قلب وذہن کی حاضری ضروری ہے۔جس اللہ رب العزت کے سامنے بدن کو جھکایا ہے،اسی کے سامنے سوچ اور ارادہ بھی جھکا دے۔جیسے جسم عبادت گزار ہے ایسے ہی شعور بھی عبادت گزار بن جائے۔

سوال6:وَلَا جُنُبًا’’اور نہ ہی جنابت کی حالت میں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》جنابت کی حالت میں مسجد نہیں جاسکتے کیونکہ مسجد نماز کی جگہ ہے۔《2》جنبی کے لیے مسجد میں جانا ممنوع ہے البتہ اگر اس کا راستہ مسجد سے گزرتا ہو تو گزرنا جائز ہے۔(تیسیر الرحمٰن:263)《3》سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ مجھے مسجد سے چٹائی پکڑا دو۔میں نے عرض کی کہ میں حالتِ حیض میں ہوں۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:حیض تیرے ہاتھ میں تو نہیں ہے۔(مسلم:298)《4》اسی کی رو سے حیض والی عورت مسجد سے گزر سکتی ہے اور نفاس والی عورت بھی اسی حکم میں ہے۔(مختصر ابن کثیر:325/1)

سوال7:نشے اور جنابت کا ذکر ایک ساتھ کیوں کیا گیا ہے؟

جواب:جنابت جسم کی نجاست ہے اور نشہ عقل کی نجاست ہے۔

سوال8: اِلَّا عَابِرِیْ سَبِیْلٍ ’’مگر راستہ عبور کرنے والے ہو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》مستند روایتوں میں ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے گھر مسجد کی طرف اس طرح کھلتے تھے کہ بغیر مسجد کے گزرے وہ باہر نہیں آسکتے تھے اور گھروں میں غسل کے لیے پانی نہیں ہوتا تھا۔جنابت کی حالت میں یہ مڑدہ ان پر شاق گزرتا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔(ابن کثیر)(اشرف الحواشی:103/1)《2》عَابِرِیْ سَبِیْلٍ سے مراد مسافر ہیں۔《3》جنابت کی حالت میں مسجد سے نہیں گزر سکتے مگر یہ کہ مسجد سے گزرنے کی ضرورت پڑے تو گزر سکتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ کے دور میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے دروازے مسجد کے اندر کھلتے تھے،ان کا گھروں میں آنے جانے کا راستہ یہی تھا لہٰذا ایسے لوگوں کو گزرنے کی اجازت دی گئی۔

سوال9: حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ”یہاں تک کہ تم غسل کرلو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب آپ غسل جنابت کرنا چاہتے تو (برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے) اپنے دونوں ہاتھ دھوتے پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کرتے پھر انگلیاں پانی میں ڈال کر بالوں کی جڑوں کا خلال کرتے پھر دونوں ہاتھوں میں تین چلو لے کر اپنے سر پر ڈالتے پھر اپنے سارے بدن پر پانی بہاتے۔ (بخاری کتاب الغسل)

سوال10: غسل کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ نیت کرنا۔ ﴿2﴾ بسم اللہ پڑھنا۔ ﴿3﴾ دونوں ہاتھوں کو کلائیوں تک دھونا۔ (اگر برتن سے پانی لینا ہے تو پانی لینے سے پہلے ہاتھوں کو دھونا ہے) ﴿4﴾ اِستنجاء کرنا اور شرم گاہ سے لگی ہوئی نجاست کو دھونا اور مٹی سے یا صابن سے ہاتھ مار کر ہاتھ صاف کرنا۔ ﴿5﴾ مکمل وضو کرنا۔ (پاؤں دھونے کے علاوہ) ﴿6﴾ سر کو کانوں سمیت تین بار دھونا۔ ﴿7﴾ پہلے بدن کے دائیں حصّے پر پانی بہانا، پھر بائیں حصے پر پانی بہانا اور پورے بدن کو دھونا۔ ﴿8﴾ دونوں ہاتھوں سے بدن کو رگڑنا۔ ﴿9﴾ آخر میں دونوں پاؤں دھونا۔

سوال11: وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى ”اور اگر تم بیمار ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: مریض کے لیے غسل کی رخصت ہے جب وہ زخمی ہو یا اسے چوٹ لگی ہو۔ جب چوٹ والے شخص کو جنابت لاحق ہو تو وہ غسل کرے گا اور زخمی شخص اس وقت تک حالت رخصت میں ہے جب تک زخموں کا ڈر ختم نہ ہو جائے (تفسیر جامع البیان:116/5:5)

سوال12: اَوْ عَلٰى سَفَرٍ ”یا سفر میں ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: مسافر کو جب پانی نہ ملے تو وہ تیمّم کر کے نماز پڑھے گا (تفسیر جامع البیان:113/5:5) ﴿2﴾ سفر کم ہو یا زیادہ، تیمّم ہوسکتا ہے۔ (الاساس فی التفسیر:1076/2:2)

سوال13: اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ ”یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ الْغَآئِطِ: نرم جگہ کو کہا جاتا ہے۔ ﴿2﴾ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ یہ پاخانہ پیشاب کرنے سے کنایہ ہے۔ (مختصر ابن کثیر:326/1:1)

سوال14: اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ ”تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ملامست سے جماع مراد ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد ہم بستری ہے (ابن ابی حاتم) ﴿2﴾ اس

سے وہ جنسی فعل مراد ہے جس سے غسل واجب ہوجاتا ہے۔

سوال15: فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً ''پھر تم پانی نہ پاؤ'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اس آیت کریمہ سے فقہاء نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر پانی کسی پاک چیز کے اختلاط سے متغیر ہوجائے تو اس سے وضو وغیرہ جائز ہے۔ بلکہ اس کے ذریعہ سے طہارت حاصل کرنا متعین ہے۔(تفسیر سعدی:520/1)

سوال16: آیتِ تیمّم کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ایک ہار واپس کردینے کے وعدے پر ادھار لیا۔ وہ سفر میں کہیں گم ہوگیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ڈھونڈنے کے لیے آدمی بھیجے، انہیں ہار مل گیا لیکن نماز کا وقت آگیا اور ان کے ساتھ پانی نہ تھا۔ انہوں نے بے وضو نماز ادا کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ کر اس کی شکایت کی۔ اس پر تیمّم کا حکم نازل ہوا۔ حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: عائشہ رضی اللہ عنہا! اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔ اللہ کی قسم! جو تکلیف آپ کو پہنچتی ہے اس کا انجام آپ اور ہم مسلمانوں کے لیے خیر ہی خیر ہوتا ہے۔ (بخاری:336)

سوال17: فَتَيَمَّمُوۡا صَعِيۡدًا طَيِّبًا ''تو پاک مٹی سے تیمّم کرو'' تیمّم کسے کہتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ تیمّم کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں۔ سفر میں یا جہاں پانی موجود نہ ہو یا پانی کے استعمال سے بیماری بڑھنے کا اندیشہ ہو تو پاکیزگی حاصل کرنے کے لیے پاک مٹی کا استعمال تیمّم کہلاتا ہے۔ ﴿2﴾ صَعِيۡدًا زمین کی ظاہری سطح کو کہتے ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر) ﴿3﴾ جس کا غبار نہ ہو تو اس سے مسح نہیں کیا جاتا۔ (تفسیر سعدی:521/1)

سوال18: تیمّم کرنا کیسا عمل ہے؟

جواب: ﴿1﴾ پانی کی عدم موجودگی میں تیمّم کرنا گویا مٹی سے وضو کرکے پاکیزگی حاصل کرنا ہے۔ ﴿2﴾ سیدنا عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ وضو کے لیے پانی منگوایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور نماز کے لیے اذان کہی گئی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے سلام پھیرا تو ایک شخص کو علیحدہ بیٹھے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پوچھا: اے فلاں تجھے کس چیز نے لوگوں کے ساتھ نماز ادا کرنے سے روکے رکھا؟ وہ کہنے لگا: میں جنبی ہوگیا ہوں اور پانی موجود نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: تمہیں مٹی سے تیمّم کرلینا چاہیے تھا وہ تجھے کافی ہوجاتا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مٹی سے تیمّم کرنے کا حکم دیا۔ (بخاری) ﴿3﴾ حدیث میں ہے کہ زمین کی

مٹی خاص طور پر ہمارے لیے طہور بنائی گئی ہے۔(ابن کثیر)(اشرف احواشی:103/1)

سوال19: شریعت انسانوں کی سہولت کا کیسے خیال رکھتی ہے؟

جواب: شریعت غیر معمولی حالات میں غیر معمولی رخصت دیتی ہے۔

سوال20: فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡهِكُمۡ وَاَيۡدِيۡكُمۡ ’’پھر اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو‘‘ نبی ﷺ کا تیمّم کا طریقہ کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ صرف ایک بار مٹی پر ہاتھ مار کر پھونک دینا ہے پھر دونوں ہاتھوں کو ایک دوسرے پر پھیرنا پھر چہرے پر پھیر لینا ہے۔ ﴿2﴾ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ علیہ نے ’’زادالمعاد‘‘ میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تیمّم کے لیے ایک ہی بار دونوں ہتھیلیوں اور چہرہ پر ہاتھ پھیرتے تھے۔ ﴿3﴾ حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ تیمّم کے متعلق پوچھا تو نبی ﷺ نے فرمایا ایک ضرب دونوں ہاتھوں کے لیے اور ایک ضرب چہرے کے لیے لگائی جائے۔(مسند احمد:18509) ﴿4﴾ سیدنا عمار بن یاسر فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے کسی مہم پر بھیجا (اس دوران) میں جنبی ہوگیا مجھے پانی نہ ملا تو میں نے مٹی میں اس طرح لوٹ لگائی جس طرح چوپایہ لوٹ لگاتا ہے میں نے آپ ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: تمہیں اس طرح کافی تھا پھر آپ ﷺ نے اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ایک بار مٹی پر مارا پھر انہیں اپنے منہ کے قریب کیا اور ان پر پھونک ماری (زائد مٹی اڑادی) پھر آپ نے بائیں ہاتھ سے داہنے کی پشت پر اور داہنی ہتھیلی سے بائیں ہاتھ کی پشت پر مسح کیا پھر دونوں ہتھیلیوں سے اپنے چہرے کا مسح کیا۔(بخاری کتاب تیمّم) ﴿5﴾ سیدنا ابی ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مٹی طہور ہے (پاک کرنے والی) ہے اگر مسلمان دس برس تک پانی نہ پائے پھر جب پانی ملے تو اسے اپنے بدن پر لگائے یہ اس کے لیے بہتر ہے اور محمود نے کہا اپنی روایت میں: **ان الصعید الطیب وضوء المسلم** اور مطلب دونوں کا ایک ہے۔(جامع ترمذی:124)

سوال21: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوۡرًا ’’یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی بہت معاف کرنے والا، بے حد بخشنے والا ہے‘‘ اللہ تعالیٰ کے العفو اور الغفور ہونے کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اپنے احکامات میں انتہائی آسانیاں پیدا فرما کر اپنے مومن بندوں کے ساتھ بہت زیادہ عفو اور مغفرت کا معاملہ کرتا ہے تاکہ بندے پر اس کے احکام کی تعمیل شاق نہ گزرے اور اسے ان کی تعمیل میں کوئی حرج محسوس نہ ہو۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا عفو اور اس کی مغفرت ہے کہ اس نے پانی کے عدم استعمال کے عذر کے موقع پر مٹی کے ذریعے سے طہارت

کو شروع فرما کر اس امت پر رحم فرمایا اور یہ بھی اس کا عفو اور اس کی مغفرت ہے کہ اس نے گناہوں کے لیے توبہ اور انابت کا دروازہ کھولا اور انہیں اس دروازے کی طرف بلایا اور ان کے گناہ بخش دینے کا وعدہ فرمایا۔ نیز یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کا عفو ہے کہ اگر بندۂ مومن زمین بھر گناہوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اسے زمین بھر مغفرت سے نوازے گا۔ (تفسیرِ سعدی)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِیْلَ (44)

کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا وہ گمراہی خریدتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی راستہ گم کر دو۔ (44)

سوال 1: اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے ''الدلائل'' میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رفاعہ بن زید بن تابوت بڑے شیطان یہودیوں میں سے تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ سے بات کرتا تو اپنی زبان مروڑ کر بات کرتا تا کہ الفاظ کے معانی بدل جائیں اور اپنی مجلسوں میں ہمیشہ اسلام کی بدگوئی کرتا رہتا تھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (تیسیر الرحمٰن)

سوال 2: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ'' کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب میں سے ایک حصہ دیا گیا وہ گمراہی خریدتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ سے مراد ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے دشمن یہود ہیں جو گمراہی خریدتے ہیں۔ (تفسیر جامع البیان: 139/5)
﴿2﴾ الکتاب سے یہاں مراد تورات ہے۔ (الاساس فی التفسیر: 1082/2) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی کتاب کسی گروہ کو اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ اس سے اپنی سوچ اور عمل کو اللہ رب العزت کی راہ نمائی کے مطابق درست کر لیں۔ ﴿4﴾ یَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ اس سے مراد یہود ہیں۔ انہوں نے کتابِ الٰہی کا ایک حصہ گم کر دیا۔ پھر جو کتاب ان کے پاس موجود تھی اس کے مقصد اور روح سے بھی وہ بیگانہ ہو گئے تھے۔ ﴿5﴾ ان کو اللہ تعالیٰ کی کتاب کے الفاظ تو پڑھنے کو ملے مگر اس پر عمل کرنا نہ ملا۔ ﴿6﴾ الفاظ کی حد تک وہ کتاب اللہ کے حامل تھے مگر انہوں نے عمل کے معاملے میں دنیا دارانہ رویہ اختیار کیا۔ چونکہ انہوں نے کتاب کو اس کے الفاظ اور روح دونوں کے اعتبار سے نہیں لیا اس لیے یہ کہا گیا کہ '' کتاب میں سے ایک حصہ دیئے گئے''۔

سوال3: يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ ''وہ گمراہی خریدتے ہیں''اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾انہوں نے گمراہی خریدنے کی پختہ نیت کرلی ہے۔﴿2﴾انہوں نے ہدایت کو چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔﴿3﴾وہ گمراہی خریدتے ہیں یعنی گمراہی سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں اوراسے ترجیح دیتے ہیں جیسے کوئی شخص اپنی محبوب چیز کی طلب میں مالِ کثیر خرچ کرنے کوترجیح دیتا ہے۔پس یہ لوگ ہدایت پرگمراہی کو،ایمان پرکفرکواورسعادت پرشقاوت کوترجیح دیتے ہیں۔(تفسیرِ سعدی) ﴿4﴾ گمراہی کفرہے جس کوانہوں نے ایمان کے بدلے خریدا ہے انہوں نے نبی ﷺ اوران کی صفات کا انکار کیا جوتورات میں آئیں تاکہ وہ اپنی قوم کا محورومرکز رہیں،ان کے سرداررہیں اورفضیلت حاصل کریں۔(ایسرالتفاسیر:265,266)

سوال4: وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ''اوروہ چاہتے ہیں کہ تم بھی راستہ گم کردو''اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کوخبردار کیا ہے کہ یہودی تمہارے خلاف کیا تدابیراختیارکرنا چاہتے ہیں۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کے دلوں میں یہود کی نفرت بٹھانا چاہتے ہیں جومسلمانوں کوگمراہ کرنا چاہتے ہیں۔﴿3﴾یہود چاہتے ہیں کہ آپ حق کا راستہ گم کردوجیساکہ وہ خودگمراہ ہوئے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ آپ بھی اس کاانکارکردوجومحمد ﷺ پرنازل ہوا ہے۔(الاساس:2/1082)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا (45)

اوراللہ تعالیٰ تمہارے دُشمنوں کوخوب جانتا ہے اوراللہ تعالیٰ ہی کافی دوست ہے اوراللہ تعالیٰ ہی کافی مددگار ہے۔(45)

سوال1: وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ''اوراللہ تعالیٰ تمہارے دُشمنوں کوخوب جانتا ہے''اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾''اوراللہ تعالیٰ تمہارے دُشمنوں کوخوب جانتا ہے''اس آیت سے مسلمانوں کوتسلی دی گئی ہے۔﴿2﴾مسلمانوں کے اندر یہ احساس زندہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے بے خبرنہیں۔﴿3﴾اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کی چالوں سے واقف ہے اوروہ ان کی ہرسازش کوناکام بنادے گا۔

سوال2: وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ''اوراللہ تعالیٰ ہی کافی دوست ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کافی مددگار ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾اللہ تعالیٰ نے اس احساس کواُجاگرکیا ہے کہ حق اور باطل کی کشمکش میں تم اکیلے نہیں،ہم تمہارے ساتھ،تمہارے ولی، تمہاری مافوق الفطری طریقے سے مددکرنے والے ہیں۔﴿2﴾ہم تمہاری مددکرنے والے ہیں لہٰذا آگے بڑھواوراللہ تعالیٰ کی

کارسازی اور مدد پر بھروسہ رکھو۔《3》اللہ تعالیٰ نے یہود کی دشمنیوں اور شرانگیزیوں پر مسلمانوں کے حوصلے برقرار رکھنے کے لیے اپنے ولی اور نصیر ہونے کا شعور دلایا ہے۔《4》اللہ تعالیٰ نے مومنوں کا رُخ اپنی طرف رکھنے کے لیے اپنے ولی اور نصیر ہونے کا شعور دلایا ہے۔《5》اللہ تبارک وتعالیٰ کی ولایت اور سرپرستی میں خیر کا حصول اور اس کی نصرت میں شر کا زوال ہے۔(تفسیرِ سعدی)

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (46)

ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے ،وہ باتوں کو ان کی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں اور وہ کہتے ہیں:''(سمعنا) ہم نے سنا اور(عصینا) ہم نے نافرمانی کی''(واسمع) اور تم سنو (غیر مسمع) کہ تمہیں نہ سنایا جائے اور (راعنا) ہماری رعایت کرو! اپنی زبانوں کو موڑتے ہوئے (کہتے ہیں) اور دین میں طعن کرتے ہوئے:''اور اگر وہ کہتے:''(سمعنا) ہم نے سنا (واطعنا) اور ہم نے اطاعت کی''(واسمع) اور آپ سُنیے'' اور''(وانظرنا) ہم پرنظرِ کرم کیجیے'' تو ان کے حق میں بلاشبہ زیادہ بہتر اور زیادہ درست ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان پر لعنت کردی چنانچہ ان میں سے کم ہی لوگ ایمان لاتے ہیں۔(46)

سوال1: مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ''ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے وہ باتوں کو ان کی جگہوں سے پھیر دیتے ہیں'' کتاب کے کلمات کو اس کی جگہ سے بدل دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》تحریف وہ کرتا ہے جو اپنے دین سے منحرف ہوجاتا ہے۔《2》تحریف کرنے سے مراد آیات کو توڑ پھوڑ کر ان کا مفہوم کچھ سے کچھ بنا دینا یا الفاظ کا مفہوم بدل دینا۔《3》اس جگہ ان سے مراد یہودیوں کے گمراہ علماء ہیں۔(تفسیرِ سعدی)
《4》یہود نے اصل تورات کو دو دفعہ گم کر دیا جو عبرانی زبان میں نازل ہوئی تھی پھر انہوں نے تراجم پر انحصار کیا اور تحریف کے علاوہ بہت سے الحاقی مضامین کو بھی شامل کر دیا۔ مثلاً کتاب استثناء باب 34 میں ہے:''موسیٰ خداوند کا بندہ، خداوند کے حکم کے موافق موآب کی سرزمین میں وفات پا گیا۔ اسے اس نے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑا۔ پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا'' اس عبارت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے مدتوں بعد شامل ہونے والا مضمون ہے۔《5》ابن ابی حاتم نے کہا: انہوں نے تورات میں اللہ تعالیٰ کی حدود میں تحریف کی۔(تفسیر فتح القدیر:607/1)

﴿6﴾ بیہقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ تورات میں محمد ﷺ کا حلیہ اس طرح تھا کہ وہ سرمگین کشادہ چشم، میانہ قامت، گھونگریالے بالوں والے خوبصورت ہوں گے جب مدینہ میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو علماء یہود جل گئے اورانہوں نے کتاب کے اندر مندرجہ حلیہ بدل ڈالا اور کہنے لگے ہم اپنے پاس نبی کا حلیہ یہ نہیں پاتے بلکہ ان کا حلیہ اس طرح ہوگا۔ دراز قامت، نیلگوں چشم اور لٹکتے ہوئے بالوں والے، اوراپنے زبردست لوگوں سے کہا کہ یہ ویسا نہیں ہے زبردستوں کودھوکہ دینے کی وجہ یہ ہے کہ عوام سے ان کی روزی وابستہ تھی ان کو اندیشہ ہوا کہ ان کے زیراثر یہودی اگر مسلمان ہوجائیں گے توان کی روزی بند ہوجائے گی۔ (تفسیر مظہری:78/3)

سوال2: یَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَاوَعَصَیْنَا'' وہ کہتے ہیں: (سمعنا) ہم نے سنا اور (عصینا) ہم نے نافرمانی کی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہود کہتے تھے ہم نے اے محمد ﷺ! تمہاری باتیں سن لیں مگر مانیں گے نہیں۔ یہود کی شرارت کا ذکر ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آتے اور آپ ﷺ کی بات سن کر سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا زبان مروڑ کر اس طرح کہتے کہ اَطَعْنَا کی بجائے عَصَیْنَا (ہم نے نافرمانی کی) سمجھ میں آتا تھا یوں بات ہی بدل کر رہ جاتی کہ ہم نے سنا اور ہم نافرمانی کریں گے۔

سوال3: وَاسْمَعْ غَیْرَ مُسْمَعٍ'' (واسمع) اور تم سنو (غیر مسمع) کہ تمہیں نہ سنایا جائے'' کا کیا مفہوم ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس سے مراد ہے کہ سنو وہ بات جو پہلے سنائی نہیں گئی۔ مجاہد نے کہا جو تم کہتے ہو وہ قبول نہیں۔ (تفسیر الدرالمنثور:300/2)

﴿2﴾ اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے نہ سنوائے۔ (ایسر التفاسیر:266)

سوال4: وَّرَاعِنَالَیًّابِاَلْسِنَتِہِمْ'' اور (راعنا) ہماری رعایت کرو! اپنی زبانوں کو موڑتے ہوئے (کہتے ہیں)'' کی وضاحت کریں؟

جواب: راعنا کا اچھا استعمال: ہماری رعایت کیجئے کے الفاظ سننے والے کے شوق علم پر دلیل ہیں۔ راعنا کا برا استعمال: زبان کو تھوڑا سا دبا لینے سے راعینا بن گیا جس کا مطلب ہے ہمارا چرواہا۔ اللہ تعالیٰ نے مجلسی الفاظ سے بھی خارج کردیا۔

سوال5: وَطَعْنًافِی الدِّیْنِ'' اور دین میں طعن کرتے ہوئے'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یہودی جو بات نبی ﷺ کا مذاق اُڑانے کے لیے کہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اسے دین پر طعن قرار دیا اور اس طرح یہ سمجھایا کہ نبی ﷺ کی ذات دین کا اظہار ہے اس لیے اُن پر طعن دین پر طعن ہے۔ ﴿2﴾ جس سے وہ رسول اللہ ﷺ کو طعن کرتے تھے۔ (ایسر التفاسیر:266) ﴿3﴾ رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینے اور آپ ﷺ کا مذاق اڑانے کے لیے ایسی باتیں کرتے تھے۔

سوال6: اُنْظُرْنَا'' ہم پر نظرِ کرم کیجیے'' کا کیا مطلب ہے؟ اس لفظ کو لانے کا کیا فائدہ ہوا؟

جواب:《1》اُنْظُرْنَا اس کا مطلب ہے" ہماری طرف توجہ فرمائیے۔"《2》مجلس میں اُنْظُرْنَا" ہماری طرف توجہ کیجئے" کے لفظ کو رائج کر کے یہود کی شرارتوں کو کنٹرول کر لیا گیا۔

سوال7: لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ " تو ان کے حق میں بلاشبہ زیادہ بہتر ہوتا" اس کی وضاحت کریں؟

جواب: یہود سے یہ کہا گیا کہ وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا کے الفاظ کو نبی ﷺ کی مجلس میں رواج دیتے تو یہ زیادہ بہتر اور درست بات ہوتی۔

سوال8: وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ " لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر دی" اللہ تعالیٰ نے یہود پر لعنت کیوں کی ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے کفر کی وجہ سے ہدایت سے دور کر دیا اور رسوا کر دیا۔ (تفسیر بیضاوی: 198/2)《2》اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو آدابِ رسول ﷺ کی تعلیم دی ہے اور ایسا نہ کرنے پر لعنت اور عذابِ الٰہی کی وعید سنائی اور مومنوں پر تو آدابِ رسول ﷺ کو فرض کر دیا۔ ارشاد فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۗ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اے ایمان والو! تم " رَاعِنَا (ہماری رعایت کریں)" نہ کہو بلکہ " اُنْظُرْنَا (ہماری طرف نظر کرم کیجئے)" کہو اور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (البقرہ:104)

سوال9: فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا " چنانچہ ان میں سے کم ہی لوگ ایمان لاتے ہیں" اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》اس سے مراد یہ ہے کہ یہود میں سے ماسوائے چند لوگوں کے ایمان لانے والے نہیں۔《2》ان کا ایمان قلت کی وجہ سے انہیں نفع نہیں دیتا اسی لیے وہ اپنے اخلاق کی اصلاح نہیں کرتے اور نہ اپنے نفوس کو پاک کرتے ہیں اور نہ دنیا اور آخرت میں کمال تک پہنچتے ہیں۔ (ایسر التفاسیر:266)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۗ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا (47)

اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی گئی! اس پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل کیا ہے، اس کے لیے تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے، اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو مٹا دیں پھر اُنہیں پشتوں پر پھیر دیں یا ان پر لعنت کر دیں جیسے ہم نے سبت والوں پر لعنت کی اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہمیشہ سے ہو کر رہنے والا ہے۔ (47)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے علماء یہود عبداللہ بن صوریا اور کعب بن اسید سے گفتگو کی اور فرمایا اے گروہ یہود اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ایمان لے آؤ، اللہ کی قسم تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں تمہارے پاس جو چیز لے کر آیا ہوں، وہی سچ ہے وہ بولے اے محمد ﷺ! ہم نہیں جانتے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی، اے وہ لوگو جن کو کتاب دی گئی ہے تم اس کتاب قرآن پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ (لباب النقول) (تفسیر ابن کثیر: 266/1)

سوال 2: يَآ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ اٰمِنُوۡا بِمَا نَزَّلۡنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ ''اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی گئی! اس پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل کیا ہے، اس کے لیے تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی گئی! اس پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل کیا ہے، اس کے لیے تصدیق کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے'' اس آیت کریمہ میں اہل کتاب کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اس عظیم کتاب پر ایمان لے آئیں جو رسول اللہ ﷺ پر اتری ہے اور ان بشارتوں کی تصدیق کرتی ہے جو ان کی کتابوں میں ہیں اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ہم ان کی صورتیں بدل دیں گے۔ (مختصر ابن کثیر: 328/1) ﴿2﴾ اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو گویا ان کا اپنی کتابوں پر بھی ایمان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں ایک دوسری کی تصدیق اور ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں، اس لیے بعض کتابوں پر ایمان کا دعویٰ اور بعض پر ایمان نہ رکھنا محض باطل دعویٰ ہے جس کی صداقت کا ہرگز امکان نہیں ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم اور کتاب عطا کی اس لیے وہ اس سبب سے دوسرے لوگوں سے آگے بڑھ کر اس کی طرف سبقت کرتے یہ علم اور کتاب دوسروں کی نسبت ان کے لیے زیادہ اس بات کی موجب ہیں کہ وہ آگے بڑھ کر ایمان لاتے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے عدم ایمان کی وجہ سے ان کو وعید سنائی ہے۔ (تفسیر سعدی) اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے سامنے ان کے حالات واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ تمہارے جرائم تو اتنے شدید ہیں کہ تمہیں وہی سزا ملنی چاہئے جو اَصحابُ السبت کو دی گئی یعنی یا تو ہم تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور انہیں پشتوں کی طرف لوٹا دیں یا لعنت کر دیں اور تمہیں بندر بنا دیں۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ کسی ذلت کے مسلط ہونے سے پہلے ایمان لے آؤ۔

سوال 3: مِّنۡ قَبۡلِ اَنۡ نَّطۡمِسَ وُجُوۡهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدۡبَارِهَآ ''اس سے پہلے کہ ہم چہروں کو مٹا دیں پھر اُنہیں پشتوں پر پھیر دیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ نَّطۡمِسَ وُجُوۡهًا کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے چہروں کو مٹا کر گدھے کی طرح سپاٹ کر دیں گے۔ یہ طمس الکتاب سے نکلا ہے یعنی لکھا ہوا مٹا دیا۔ (بخاری کتاب التفسیر) ﴿2﴾ طمس الشیء کے معنی ہیں: کسی چیز کی علامتیں اور اس

کے اثرات مٹا دینا۔《3》چہرے بگاڑنے سے مراد یہ ہے کہ آنکھ، کان، ناک اور منہ کے نشانات مٹا کر برابر کر دیئے جائیں۔《4》ابن ابی حاتم کی روایت ہے کہ ابو مسلم خلیلی، کعب الاحبار کے استاد تھے جو انہیں رسولِ خدا ﷺ سے ملنے میں دیر کرنے پر ملامت کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ابو مسلم نے کعب کو بھیجا کہ وہ دیکھ کر آئیں کہ حضرت محمد ﷺ وہی ہیں۔ کعب کہتے ہیں کہ میں نے سواری لی اور مدینہ پہنچ گیا۔ اچانک میں نے ایک تلاوت کرنے والے کو سنا، وہ اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا۔ کہتے ہیں کہ میں بھاگا، پانی سے غسل کیا، اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا کہ کہیں میرا چہرا مسخ تو نہیں گیا۔ اس کے بعد میں مسلمان ہو گیا۔ (تفسیر ابنِ کثیر)《5》حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ''قیامت سے پہلے (انسانوں کی) صورتیں بدلیں گی، وہ زمین میں دھنسیں گے اور ان پر پتھر برسیں گے۔'' (سنن ابن ماجہ:4059)《6》سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''میری امت کے آخر میں (یعنی قیامت کے نزدیک) زمین میں دھنسنے، صورتیں بگڑ جانے اور پتھر برسنے کے واقعات ہوں گے۔'' (ابن ماجہ:4060)

سوال4: چہروں کو مسخ کر دینے کی وجہ کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے آنکھ، کان اور منہ کی صلاحیتیں اعلیٰ مقاصد کے لیے عطا کی تھیں لیکن جب اُن سے وہ کام نہیں لیا گیا، جب کان ہوتے ہوئے یہ (یہود) بہرے بن گئے، جب آنکھیں رکھتے ہوئے اندھے بن گئے، جب زبان ہوتے ہوئے یہ گونگے بن گئے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ حق کے ساتھ مسلسل بے پروائی برتی ہے۔ ایسی ہی حالت میں اللہ تعالیٰ نے چہرے مسخ کر دینے، پشت کی طرف پھیر دینے کی دھمکی دی ہے۔

سوال5: فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدۡبَارِهَاۤ ''پھر اُنہیں پشتوں پر پھیر دیں'' کا مفہوم کیا ہے؟

جواب:《1》چہرے بگاڑ کر پیچھے پھیر دینے سے مراد یہ ہے کہ اگلے حصے پر نشانات ہیں اور ناک، کان، آنکھیں، منہ اور پچھلا حصہ سپاٹ ہے تو آگے کا حصہ بھی کیوں نہ پیچھے کی طرف موڑ دیں۔《2》مراد خوفناک عذاب سے ڈرانا ہے۔ چہروں کو پیچھے کی طرف پھیر کر پیچھے کی طرف چلنے پر مجبور کرنا ہے۔《3》اس سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل و دماغ سے ہدایت اور بصیرت کے آثار مٹا دے اور دوبارہ کفر و جاہلیت کی طرف لوٹا دے۔

سوال6: اَوۡ نَلۡعَنَهُمۡ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصۡحٰبَ السَّبۡتِ ''یا ان پر لعنت کر دیں جیسے ہم نے سبت والوں پر لعنت کی'' اصحابِ سبت پر لعنت کی وجہ کیا تھی؟

جواب:《1》لعنت بے حسی کی آخری صورت ہے۔ جب انسان کی بے حسی اس حد تک پہنچ جائے کہ اس کو حق ناحق کی تمیز نہ رہے تو یہی لعنت ہے۔《2》اپنے حکم کی نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ہفتے کے دن کی حرمت کو پامال کرنے والوں کو بندر بنا دیا۔

سوال7: وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ''اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہمیشہ سے ہو کر رہنے والا ہے'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》اس سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کام تو ایسا ہے جو کر لیا گیا یعنی نہ اس کے کام سے اُسے کوئی روکنے والا ہے نہ اس کی کوئی مخالفت کر سکتا ہے۔《2》رب العزت کا ارشاد ہے: اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ یقیناً اُس کا حکم یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اُسے کہہ دیتا ہے ''ہو جا'' تو وہ ہو جاتی ہے۔(یٰس:82)

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا(48)

بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور جو اس کے علاوہ ہے وہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے گا تو یقیناً اس نے بہت بڑا گناہ گھڑ لیا۔(48)

سوال1: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ ''بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے'' اللہ تعالیٰ شرک کے ماسوا جو چاہے گا گناہ بخش دے گا۔ اس کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ بغیر توبہ شرک کو کبھی بھی معاف نہیں کرے گا۔(تیسیر الرحمٰن)《2》رب العزت کا ارشاد ہے: حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَیْرَ مُشْرِكِیْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ اللہ تعالیٰ کے لیے یکسو ہونے والے ہو، اُس کے ساتھ شرک نہ کرنے والے ہو، اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا پھر پرندے اسے اُچک لیتے ہیں یا اسے ہوا کسی دور دراز جگہ میں گرا دیتی ہے۔(الحج:31)《3》سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا: یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو برابر ٹھہراؤ حالانکہ اُسی نے ہی تم کو پیدا کیا ہے۔(بخاری:4477)《4》سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس حالت میں مرے کہ کسی کو اللہ کا شریک ٹھہراتا تھا تو وہ جہنم میں جائے گا اور میں یہ کہتا ہوں کہ جو اس حال میں مرا کہ اللہ کا کوئی شریک نہ ٹھہراتا ہو وہ جنت میں جائے گا۔(صحیح بخاری:1238)《5》ابوذر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے

ہوئے سنا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام آئے انھوں نے مجھے یہ خوشخبری دی کہ آپ ﷺ کی امت میں سے جو اس حال میں مرا کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا تھا تو وہ جنت میں داخل گا میں نے یہ سن کر عرض کیا اگر چہ وہ آدمی زنا اور چوری کرتا ہو؟ فرمایا خواہ وہ زنا یا چوری کرتا ہو۔'' (صحیح مسلم:272)

سوال 2: شرک کو جرمِ عظیم کیوں قرار دیا گیا؟

جواب: ﴿1﴾ شرک کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان رابطہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ﴿2﴾ مشرک کو یہ اُمید نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کردے گا۔

سوال 3: وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ '' اور جو اس کے علاوہ ہے وہ جس کے لیے چاہے گا بخش دے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ شرک سے کم تر گناہوں کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سے اسباب مقرر فرمائے ہیں مثلاً برائیوں کو مٹانے والی نیکیاں، دنیا اور برزخ میں نیز قیامت کے روز گناہوں کا کفارہ بننے والے مصائب، اہلِ ایمان کی ایک دوسرے کے لیے مغفرت کی دُعائیں، شفاعت اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت جس کے سب سے زیادہ مستحق اہلِ ایمان وتوحید ہیں۔ (تفسیرِ سعدی) ﴿2﴾ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے آدم کے بیٹے! اگر تو مجھ سے دنیا بھر کے گناہ ساتھ لے کر ملے مگر میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرایا ہو تو میں دنیا بھر کی بخشش کے ساتھ تجھ سے ملوں گا۔'' (ترمذی:3540)

سوال 4: وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا '' اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے گا تو یقیناً اس نے بہت بڑا گناہ گھڑ لیا'' شرک کو اللہ تعالیٰ نے اثمِ عظیم قرار دیا ہے۔ وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس سے بڑا کون سا ظلم ہوسکتا ہے کہ کوئی اس مخلوق کو جو مٹی سے تخلیق کی گئی، جو ہر پہلو سے ناقص ہے اور ہر لحاظ سے بذاتہ محتاج ہے، جس کا کسی بندے کو کوئی نفع ونقصان پہنچانا، اس کو زندہ کرنا، مارنا اور پھر اسے دوبارہ زندہ کرنا تو کجا، وہ تو اپنے آپ کی بھی مالک نہیں، اس ہستی کے برابر ٹھہرائے جو ہر چیز کی خالق ہے، جو ہر لحاظ سے کامل ہے، جو بذاتہ اپنی تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے، جس کے قبضہ قدرت میں نفع ونقصان، عطا کرنا اور محروم کرنا سب کچھ ہے۔ مخلوق کے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اسی کی عطا و بخشش ہے۔ تب کیا اس ظلم سے بڑی کوئی اور چیز ہے؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حتمی طور پر مشرک کو دائمی عذاب اور ثواب سے محرومی کی وعید سنائی۔ (تفسیر سعدی:526/1) ﴿2﴾ یہود ونصاریٰ کی طرح نام نہاد مسلمان جو شرک میں

گرفتار ہیں، مصیبت کے وقت غیر اللہ کو پکارتے، اٹھتے بیٹھتے ان کے نام کا وظیفہ کرتے ہیں، ان کے نام کا روزہ رکھتے، ان کی قبروں کو پوجتے، ان کے نام پر جانور ذبح کرتے اور ان کی منتیں مانتے ہیں، وہ بھی مشرکوں کے حکم میں آتے ہیں (دعوۃ القرآن)

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُزَكُّوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىۡ مَنۡ يَّشَآءُ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا (49)

کیا آپ نے اُن لوگوں کونہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاک کہتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، پاک کرتا ہے۔ اوران پر ایک دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔(49)

سوال1: اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يُزَكُّوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ "کیا آپ نے اُن لوگوں کونہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاک کہتے ہیں" اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اس آیتِ کریمہ میں یہود ونصاریٰ کی مذمت کی گئی ہے جو ہمیشہ اپنی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں، وہ اپنے آپ کو مقدس ومعصوم سمجھتے اور اللہ کے بیٹے اور محبوب ہونے کا دعویٰ کرتے، ان کی تردید فرمائی کہ کسی کو پاک باز انسان قرار دینا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔(دعوۃ القرآن) ﴿2﴾ یہود اپنے آپ کو مقدس گروہ کا فرد خیال کرتے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی نسل میں ہونے کی وجہ سے انہوں نے بے شمار روایتیں اور کہانیاں گھڑ لی تھیں اور یہ عقیدہ قائم کرلیا تھا کہ جو شخص یہودی ہے اس کی نجات یقینی ہے۔﴿3﴾ یہودی کہتے تھے وَقَالُوۡا لَنۡ يَّدۡخُلَ الۡجَـنَّةَ اِلَّا مَنۡ كَانَ هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى ؕ تِلۡكَ اَمَانِيُّهُمۡ ؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ اور انہوں نے کہا کہ کوئی شخص جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا مگر وہ جو یہودی یا عیسائی ہو، یہ اُن کی تمنائیں ہیں، آپ کہہ دیں کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔(البقرہ:111) ﴿4﴾ آج مسلمان بھی اپنے آپ کو پاک قرار دیتے ہیں: i۔ مسلمان اپنے آپ کو سیّد اور آلِ سیّد قرار دے کر کہتے ہیں کہ ہم پشت در پشت پاک لوگ ہیں۔ ii۔ کچھ لوگ بہشتی دروازے سے گزر کر اپنے آپ کو گناہوں سے پاک سمجھ لیتے ہیں۔﴿5﴾ اپنے نفس کو رزائل سے اور برے اخلاق سے پاک صاف کرنا چاہئے اور یہ بہت مبارک عمل ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کے کارہائے نبوت میں يُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ فرمایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے موافق جو شخص اپنے رزائل، برے اخلاق اور برے اعمال سے پاک کرے اللہ تعالیٰ نے اس کی تعریف میں فرمایا: قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكّٰى (کہ بے شک وہ کامیاب ہوا) (تفسیر انوار البیان:690/1) ﴿6﴾ اپنے نفس کی پاکیزگی کا دعویٰ کرنے کو اسلام جائز قرار نہیں دیتا۔ فرمایا: فَلَا تُزَكُّوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى سو اپنے نفس کی پاکیزگی کے دعوے نہ

کروہ زیادہ جاننے والا ہے اس کو جس نے تقویٰ اختیار کیا (النجم:32)《7》حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس ایک آدمی کا ذکر کیا گیا۔ آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! فلاں، فلاں کام میں اللہ کے رسول ﷺ کے بعد کوئی بھی اس سے بہتر نہیں ہے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: تجھ پر افسوس ہے کہ تو نے اپنے ساتھی کی گردن کاٹ دی۔ آپ نے یہ جملہ کئی مرتبہ دہرایا پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر تم میں سے کوئی آدمی اپنے بھائی کی تعریف ضرور کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ وہ فرمائے: میں گمان کرتا ہوں کہ وہ ایسا ہی ہے اور وہ اس پر یہ بھی رائے رکھے کہ میں اللہ کے مقابلے میں کسی کو بہتر نہیں سمجھتا۔ (صحیح مسلم:7502)《8》منہ پر تعریف کرنے والوں کا مقصد عام طور پر اپنے ممدوح کی مبالغہ آمیز ناجائز تعریف اور خوشامد وغیرہ کر کے ان سے ناجائز طور پر مالی فائدہ حاصل کرنا یا ان کی نظر میں بلند مقام حاصل کرنا ہوتا ہے۔ یہ عمل اخلاقی طور پر غلط ہے۔ (دعوۃ القرآن)《9》حضرت ابو معمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی کھڑا ہوا وہ امیروں میں سے ایک امیر آدمی کی بڑی تعریف کرنے لگا تو حضرت مقداد رضی اللہ عنہ اس آدمی کے منہ پر مٹی ڈالنے لگے اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حکم فرمایا کہ بہت زیادہ تعریف کرنے والے کے چہروں پر مٹی ڈال دیں۔ (صحیح مسلم:7505)《10》رسول اللہ ﷺ نے تو ایسا نام رکھنا بھی ناپسند فرمایا ہے جس سے تعریف کا پہلو نکلتا ہو۔ سیدہ زینب بی بی سلمہ نے فرمایا کہ میرا نام "برہ" نیک عورت رکھ دیا گیا ہے، نبی ﷺ کو معلوم ہوا تو ارشاد فرمایا کہ اپنی جانوں کو پاکیزہ نہ بتاؤ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ تم میں نیک کون ہے اس کا نام زینب رکھ دو (مسلم:208/2)《11》ہاں اگر کوئی شخص واقعی قابلِ تعریف ہو اور اپنی تعریف سن کر اس شخص کے کسی قسم کے فتنے وغیرہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو اور نہ تعریف کرنے والے کا مقصد ہی ناجائز فوائد حاصل کرنا ہو تو ایسی تعریف کرنا جائز ہے جس طرح کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعریف ان کی موجودگی میں فرمائی۔ واللہ اعلم! (دعوۃ القرآن)

سوال 2: بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ "بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، پاک کرتا ہے" اللہ تعالیٰ کے پاک کرنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》اس سے مراد دل کی، عمل کی، زندگی کی پاکیزگی ہے۔《2》یہ آیت اس خیال کی تردید کرتی ہے کہ کسی گروہ سے وابستگی کسی کو پاکیزہ نہیں بناتی بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے پاک کرتا ہے۔《3》اللہ تعالیٰ دِلوں اور عملوں کو خوب جانتا ہے اس لیے وہ فیصلہ دے سکتا ہے کہ پاک کون ہے۔《4》اللہ تعالیٰ اس کو پاک کرنا چاہتا ہے جو پاک ہونے کی خواہش رکھتا ہو۔ جو پاک ہونے کا ارادہ کرے اور جو پاک ہونے کے لیے کوششیں شروع کر دے۔

سوال3: وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ”اوران پر دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ مجاہد کہتے ہیں: فتیل کھجور کی گھٹلی کو کہتے ہیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ انسان اور انسان میں عدل کی بنیاد پر فرق کرتا ہے۔ یہ فرق گروہ کی بنیاد پر نہیں۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا۔

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا(50)

آپ دیکھیں! وہ اللہ تعالیٰ پر کیسے جھوٹ باندھتے ہیں اور اس کو اتنا ظاہر گناہ ہی کافی ہے۔(50)

سوال1: يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ” وہ اللہ تعالیٰ پر کیسے جھوٹ باندھتے ہیں“ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے سے یہاں کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں جھوٹ باندھنے سے مراد تزکیہ کا دعویٰ کرنا ہے۔

سوال2: اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ” آپ دیکھیں! وہ اللہ تعالیٰ پر کیسے جھوٹ باندھتے ہیں“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہاں حیرت واستعجاب کے طور پر کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹی باتیں کرنے میں کتنے جری ہیں! (تیسیر الرحمن) ﴿2﴾ انہوں نے اپنے نفوس کی پاکیزگی کا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ پر افتراء پردازی کی ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر سب سے بڑا بہتان ہے۔ حق کو باطل اور باطل کو حق بنانا حقائق کو بدلنے کے مترادف ہے۔ (تفسیرِ سعدی) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کا یہاں مطلب یہ ہے کہ یہود جھوٹ گھڑ کر اللہ تعالیٰ کے ذمے لگاتے ہیں۔

سوال3: وَ كَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ” اور اتنا ظاہر گناہ ہی کافی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جو لوگ اپنے آپ کو پاک کہتے ہیں وہ اپنے دین کے بارے میں خود بھی دھوکے میں مبتلا ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکہ دیتے ہیں وہ اپنے نفس کی پاکیزگی کا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کے لیے اتنا ظاہر گناہ ہی کافی ہے ﴿2﴾ ان کے ظاہر گناہ میں جھوٹ، دھوکہ اور خود فریبی وغیرہ شامل ہے۔ ﴿3﴾ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ فسق وفجور کی طرف لے جاتا ہے اور فسق وفجور کے کام آگ کی طرف لے جاتے ہیں۔ (بخاری:6094)

رکوع نمبر5

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ

اَهۡدٰی مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِیۡلًا (51)

کیا آپ نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کی طرف جو کتاب میں سے ایک حصہ دیے گئے؟ وہ بتوں پر اور باطل معبود پر ایمان رکھتے ہیں اوران لوگوں کے لیے کہتے ہیں جنہوں نے کفر کیا یہ ان لوگوں سے زیادہ ہدایت کے راستے پر ہیں جو ایمان لائے۔(51)

سوال1:اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب:ابن جریر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ کعب بن اشرف یہودی کفارِقریش کومسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے کے لیے مکہ گیا تو قریش نے اس سے کہا کہ تم اہلِ مدینہ میں سب سے معزز اوران کے سردار ہو، ذرا اس حقیر و ذلیل آدمی کو دیکھو تو سہی جو اپنی قوم سے بھی الگ ہوگیا ہے اوراس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے حالانکہ حاجیوں کی خدمت کرنا، انہیں پانی پلانا اور بیت اللہ کی نگرانی کرنا ہمارا کام ہے۔ یہ سن کر کعب نے کہا کہ تم لوگ اس سے بہتر ہو تو اللہ تعالیٰ نے اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ اور یہ آیت نازل فرمائی اور کعب بن اشرف اور اس جیسے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر دشمنوں کا راز فاش کیا، اوران کا کفر واضح کردیا۔اس واقعے کو امام احمد نے محمد بن عدی سے اور ابن حبان نے اپنی کتاب ''الصحیح''میں روایت کیا ہے۔بعض روایتوں میں آتا ہے کہ کعب بن اشرف اور حیی بن اخطب غزوۂ احد کے بعد مکہ کے مشرکین کومسلمانوں کے خلاف ایک بڑی فیصلہ کن جنگ پر آمادہ کرنے کے لیے گئے تھے۔(تیسیر الرحمن)

سوال2: اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ '' کیا آپ نے نہیں دیکھا اُن لوگوں کی طرف جو کتاب میں سے ایک حصہ دیے گئے'' سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب:اس سے مراد یہودی ہیں جو اہلِ کتاب ہیں لیکن جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں۔

سوال3:یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَالطَّاغُوۡتِ '' وہ بتوں پر اور باطل معبود پر ایمان رکھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پرندے اڑا کر، خط کھینچ کر فال گیری کرنا اور بدشگونی لینا یہ جبت میں سے ہے۔《2》جبت: توہمات، خرافات، بے اصل اور بے فائدہ چیزوں کے لیے ایک جامع لفظ ہے۔اس میں جادو ٹونے، ٹوٹکے جنتر منتر،

رَمل، جفر، فال گیری، نجوم ،شگون، کہانت (جوتش) مہورت اور ہاتھ کی لکیروں کا علم ،تعویذ گنڈے، نقش،ستاروں کے انسانی زندگی پر اثرات وغیرہ سب شامل ہیں۔﴿3﴾ ''جبت'' سے مراد: بت ،کاہن ،جادوگر، جادواور ہروہ چیز ہے جس کی اللہ کے علاوہ عبادت کی جائے (تیسر الرحمٰن:262)﴿4﴾ ''طاغوت'' سے مراد: کاہن،شیطان، ہر گمراہ کن شے،بت،سرداران یہود،اور ہروہ چیز ہے جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے(تیسر الرحمٰن:262)﴿5﴾ جابر نے کہا کہ'' طاغوت' بڑے ظالم مشرک قسم کے سردارلوگ جن کے یہاں جاہلیت میں لوگ مقدمات لے جاتے تھے۔ایک ایسا سردارقبیلہ جہینہ میں تھاایک قبیلہ اسلم میں تھااور ہرقبیلہ میں ہی ایک ایسا طاغوت ہوتا تھا۔یہ وہی کاہن تھے جن کے پاس شیطان (غیب کی خبریں لے کر) آیا کرتے تھے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ'' الجبت'' سے مراد جادو ہے اور الطاغوت سے مراد شیطان ہے اور عکرمہ نے کہا کہ الجبت حبشی زبان میں شیطان کو کہتے ہیں اور الطاغوت بمعنی کاہن کے آتا ہے(بخاری کتاب التفسیر)﴿6﴾ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے جھوٹے معبودوں کی پیروی کرنا شیطان ہی کی پیروی کرنا ہے۔اس لیے وہ بھی طاغوت میں شامل ہے۔﴿7﴾ طاغوت پر ایمان لانے سے مراد ہر غیر اللہ کی عبادت یا شریعت کے بغیر کسی اور قانون کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ہے۔اس میں جادوٹونہ،کہانت، غیر اللہ کی عبادت اور شیطان کی اطاعت وغیرہ سب شامل ہیں اور یہ سب بت اور طاغوت ہیں۔(تفسیر سعدی:528/1)

سوال4: توہمات کب پھلتے پھولتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی کتاب رکھنے والی قوم جب زوال کا شکار ہوتی ہے توعمل کی بجائے جھوٹی توقعات (جو انہیں اپنے عقیدے کے بارے میں لاحق ہوتی ہیں) میں جینے لگتی ہے۔تب نتیجے کے طور پر ان میں توہمات پھلنے پھولنے لگتے ہیں۔جو چیز حقیقی عمل کے ذریعے ملتی ہے وہ ان کو عملیات، جھوٹے عقیدوں اور سفلی اعمال کے راستے پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ایسے افراد دین کے معاملے میں کچھ پاکیزہ کاموں اور برکت والی شخصیات کے ساتھ نسبت کو اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں نجات کا معاملہ بنا لیتے ہیں۔اس طرح ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ زبان سے دین کا اقرار کرتے ہیں لیکن عملی طور پر اپنی زندگی شیطان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ایسے لوگ دین کی دعوت دینے والوں کے سخت دشمن ہو جاتے ہیں۔

سوال5: وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ''اور ان لوگوں کے لیے کہتے ہیں جنہوں نے کفر کیا یہ ان لوگوں سے زیادہ ہدایت کے راستے پر ہیں جو ایمان لائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ یہودی کافروں سے کہتے تھے مسلمانوں کی نسبت آپ صحیح راستے پر ہو۔جہالت بے دینی اور بے عملی کی وجہ سے دین میں

کافروں کومسلمانوں پر ترجیح دیتے تھے۔《2》ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: یہودیوں کا عالم کعب بن اشرف مکہ میں آیا تو قریشیوں نے اس سے پوچھا تم دیکھتے نہیں اس بے اولاد کو جو اپنی قوم سے الگ ہوگیا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ وہ ہم سے بہتر ہے حالانکہ ہم حاجیوں کے خدمت گار اور کعبہ اقدس کے متولی ہیں، حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں۔ اس نے کہا: تم بہتر ہو۔ (مختصر ابن کثیر:330/1)

سوال6: یہود مشرکین کے دین کو مسلمانوں کے دین پر ترجیح کیوں دیتے تھے؟

جواب:《1》یہودی مسلمانوں کی مخالفت کے لیے اسلام کی تعلیمات اور اس کی رخصتوں کو جواز بنایا کرتے تھے۔ اسلام نے جن پابندیوں کو توڑا اور جن ناروا تشدّدات کو ختم کیا انہیں وہ اپنی شریعت کے خلاف سمجھتے تھے۔ مثلاً اسلام نے ناپاکی اور جنابت کی حالت میں پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کی اجازت دی تو انہوں نے کہا کہ جو شخص مٹی پر ہاتھ مار کر نماز پڑھ لینے کی اجازت دیتا ہو وہ جس دین کی دعوت دیتا ہے بھلا خدائی دین کیسے ہوسکتا ہے؟《2》یہودیوں نے ہمیشہ حق اور باطل کے درمیان باطل کو ترجیح دی ہے۔《3》یہودیوں کو ہمیشہ اہلِ حق کے مقابلے میں اہلِ باطل اچھے لگتے ہیں۔《4》ان کے سینے مسلمانوں کے خلاف بغض سے بھرے ہوئے ہیں جو کبھی صاف نہیں ہوسکتے۔《5》وہ اہلِ حق کے پاس اپنی خواہشات اور لالچ کا سامان نہیں پاتے۔

سوال7: یہودیوں کا اسلام کے خلاف آج کیسا رویہ ہے؟

جواب:《1》آج یہودی کہتے ہیں کہ وہ اپنے میڈیا کی قوت سے ہر اسلامی تحریک کو ناکام بنا سکتے ہیں۔《2》اگر آج یہ کھل کر اہلِ باطل کی حمایت نہ کرسکیں تو خفیہ طریقے اختیار کرتے ہیں تاکہ اسلام کو جڑ سے ختم کرسکیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا (52)

یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے تو اس کے لیے آپ ہرگز کوئی مددگار نہ پائیں گے۔ (52)

سوال1: أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ''یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے'' یہود کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کیا حقیقت واضح کی ہے؟

جواب: یہود کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت زدہ ہیں اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کردے اس کا کوئی مددگار نہیں ہوسکتا۔

سوال2:لعنت کیا ہے؟

جواب :لعنت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مدد سے دور کر دیا جائے۔اللہ تعالیٰ کی مدد سے محرومی کے بعد انسان کی ایمانی زندگی کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔حق اور ناحق کی تمیز اس کے اندر ختم ہوجاتی ہے۔کھلی نشانیاں آنے کے بعد بھی اس کے اندر حق کا اعتراف کرنے کی تمیز باقی نہیں رہتی۔

سوال3: یہود اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق کیوں ہوئے؟

جواب:《1》یہود اللہ تعالیٰ کی لعنت کے مستحق اس لیے ہوئے کہ انہوں نے بت پرستوں کو ان مسلمانوں پر فوقیت دی جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لائے تھے،اور دینِ اسلام اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا علم رکھتے ہوئے ایسی بات اس لیے کہی تاکہ مشرکینِ مکہ ان کا ساتھ دیں۔چنانچہ بظاہر ان کی سازش کامیاب رہی اور مکہ اور اطراف وجوانب کے کفار مسلمانوں کے خلاف ٹوٹ پڑے اور غزوۂ احزاب کے لیے جمع ہوگئے اور مسلمانوں اور شہرِ مدینہ کو اتنا بڑا خطرہ لاحق ہوگیا کہ رسول اللہ ﷺ کو کافروں سے بچاؤ کے لیے مدینہ منورہ کے اردگرد خندق کھودنا پڑی،لیکن اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی حفاظت فرمائی اور محض اپنے رحم وکرم سے دشمنوں کو مار بھگایا(تیسیر الرحمن)《2》لعنت جس قدر بری چیز ہے اسی قدر اس کے کرنے پر پابندیاں بھی عائد کی گئی ہیں،کسی مسلمان پر لعنت کرنا حرام ہے اور کافر پر بھی صرف اس صورت میں کی جاسکتی ہے جبکہ اس کا کفر پر مرنا یقینی ہو،رسول اللہ ﷺ کے اس کے متعلق یہ ارشادات ہیں:حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن وہ نہیں ہے جو طعنہ باز اور لعنت باز ہو،اور نہ ہی بدگو۔(رواہ الترمذی بحوالہ مشکوۃ)

سوال4:وَ مَنۡ یَّلۡعَنِ اللّٰہُ فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ نَصِیۡرًا''اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے تو اس کے لیے آپ ہرگز کوئی مددگار نہ پائیں گے''کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》وَمَنۡ یَّلۡعَنِ اللّٰہُ''اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے''یعنی جس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے محروم کردے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کی بنیاد پر ہی انہیں اپنی رحمت سے محروم کرتے ہیں۔《2》فَلَنۡ تَجِدَ لَہٗ نَصِیۡرًا''تو اس کے لیے آپ ہرگز کوئی مددگار نہ پائیں گے''مددگار کسی کے مصالح کی حفاظت کرتا ہے اور ناپسندیدہ یا ضرر پہنچانے والے افراد یا اعمال سے بچاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے محروم کردے اسے پھر کوئی مددگار نہیں ملے گا۔یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ناراضگی اور رحمت سے دور کردینے کی انتہا ہے۔

سوال5: ’’ وَ مَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ‘‘ اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے تو اس کے لیے آپ ہرگز کوئی مددگار نہ پائیں گے‘‘ آج مغربی ممالک یہودیوں کے مددگار ہیں، آج اللہ تعالیٰ کا وعدہ کیسے پورا ہوگا؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ صرف ان لوگوں کی مدد کرتے ہیں جو اس طرح ایمان لائیں جس طرح ایمان لانے کا حق ہے، اسلامی نظام کی اس طرح اطاعت کریں جس طرح اطاعت کا حق ہے اور جو اپنے تمام فیصلے اسلامی شریعت کے مطابق کریں۔ ﴿2﴾ مسلمانوں کو یہودیوں کے مددگاروں سے خوف نہیں کھانا چاہیے ہمیشہ اسلام کی مخالف قوتوں نے یہود کی مدد کی ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ﴿3﴾ مسلمانوں کو ایک بار تجربہ کرنا چاہیے، صحیح مسلمان بن جائیں پھر دیکھیں کہ کیا یہودیوں کو عیسائیوں، ہندوؤں اور مشرکوں کی مدد کوئی فائدہ دیتی ہے۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا (53)

یا ان کے لیے حکومت میں کوئی حصہ ہے؟ تب وہ لوگوں کو کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی نہ دیں گے۔ (53)

سوال1: اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ ’’یا ان کے لیے حکومت میں کوئی حصہ ہے‘‘ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ الْمُلْكِ سے مراد اللہ تعالیٰ کا اختیار اور اقتدار ہے۔ ﴿2﴾ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ سے مراد یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے اقتدار اور اختیار میں ان کا کوئی حصہ ہے۔

سوال2: فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ’’تب وہ لوگوں کو کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی نہ دیں گے‘‘ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ النَّاسَ سے یہاں مسلمان مراد ہیں۔ ﴿2﴾ نَقِيْرًا سے مراد وہ شگاف ہے جو گٹھلی کی پشت پر ہوتا ہے۔ ﴿3﴾ یہودیوں کے بخل کی مثال دی گئی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں سے ان کا کوئی حصہ ہوتا تو یہ کھجور کی گٹھلی کے شگاف جتنا بھی مسلمانوں کو نہ دیتے۔ اگر ایسا ہوتا تو لوگ بھوک سے ہلاک ہو جاتے۔ ﴿4﴾ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے بخل کا حال بیان کیا ہے کہ اگر ان کے پاس حکومت ہوتی تو شدتِ بخل کی وجہ سے کھجور کی گٹھلی کے شگاف کے برابر بھی کوئی چیز کسی کو نہ دیتے۔ (تیسیر الرحمٰن)

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا (54)

یا وہ لوگوں سے اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے تو یقیناً ہم نے اولادِ ابراہیم کو کتاب وحکمت دی ہے اور ہم نے انہیں عظیم بادشاہت سے بھی نوازا۔(54)

سوال1: اَمۡ یَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰی مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ”یا وہ لوگوں سے اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے“اس کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ یہود کی صفتِ بخل کے بیان کے بعد ان کی ایک دوسری بری خصلت ”حسد“ کو بیان کیا جا رہا ہے۔(تیسیر الرحمٰن) ﴿2﴾ النَّاسَ سے مراد نبی کریم ﷺ اور مومنین ہیں (تیسیر الرحمٰن)﴿3﴾ علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ شارح مسلم، حسد کی تعریف اس طرح کرتے ہیں: دوسرے آدمی کی نعمت کے زوال کی خواہش کرنا حسد کہلاتا ہے اور یہ حرام ہے۔(مسلم)﴿4﴾ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: تم آپس میں بغض اور حسد نہ کرو اور نہ ہی ایک دوسرے سے پشت پھیرو، بلکہ اللہ کے بندے اور بھائی بن جاؤ اور جائز نہیں کسی کے لیے کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ترک تعلق کرے۔(مسلم)﴿5﴾ آپ ﷺ نے فرمایا: تم حسد سے بچو، اس لیے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔(ابوداؤد)﴿6﴾ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ تمھاری طرف (بھی) پہلی قوموں کا مرض چپکے سے چل پڑا ہے، اور وہ حسد ہے اور بغض ایسی خصلت ہے جو مونڈ دینے والی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ بالوں کو مونڈتی ہے، بلکہ دین کو مونڈ دیتی ہے۔ حسد خواہ دنیاوی کمال پر ہو یا دینی کمال پر دونوں حرام ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے قول ”اَمۡ لَهُمۡ نَصِیۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡكِ“ سے امر اول کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے، اور ”الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ“ سے امر ثانی کی طرف۔(تفسیر معارف القرآن:440.439/2)﴿7﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ شاید انہیں اللہ کے رسول سے اس بات پر حسد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل یعنی نبوت سے نوازا ہے جس کی وجہ سے جاہل عربوں کو روشنی، یقین اور اطمینان ملا۔ یہودیوں کو اس بات پر حسد ہوا کہ جاہل عرب اب ثقافت اور تجارت میں ہم سے برتر ہو جائیں گے۔

سوال2: یہود کس بات پر حسد کرتے تھے؟

جواب: یہود اس بات پر حسد کرتے تھے کہ آخری نبوت یہود کو چھوڑ کر کسی اور کو کیوں دی گئی۔

سوال3: حسد کا درد کس کے حصے میں آتا ہے؟

جواب: حسد دو طرح کے لوگ کرتے ہیں: ﴿1﴾ جن کے پاس نعمت نہ ہو وہ حسد کرتے ہیں۔ ﴿2﴾ جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہوں پھر وہ حسد کریں تو یہ شر اور بگاڑ ہے اور یہ بگاڑ یہود یوں کے حصے میں آیا ہے۔

سوال4: فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ”تو یقیناً ہم نے اولادِ ابراہیم کو کتاب وحکمت دی ہے اور ہم نے انہیں عظیم بادشاہت سے بھی نوازا“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اس سے مراد یہ ہے کہ ﴿1﴾ تمہارا یہ غم وغصہ اور حسد درست نہیں ہے کہ نبوت بنی اسماعیل میں کیوں چلی گئی کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے ہی ان پر یہ فضل وکرم ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کتاب، حکمت (نبوت) اور قتدار عطا کیا تھا لیکن انہوں نے اس فضل کی کوئی قدر نہیں کی۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے اتنا فضل کیا ہو ان کے لیے تو یہ رویہ درست ہی نہیں کہ وہ انکار کریں اور کفر کریں۔ ﴿2﴾ الْكِتٰبَ سے مراد تورات ہے۔ ﴿3﴾ الْحِكْمَةَ سے مراد نصیحت اور سمجھ ہے۔ ﴿4﴾ الْحِكْمَةَ سے مراد احکام شریعت کا علم ہے۔ ﴿5﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا یوسف علیہ السلام، داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کو بادشاہت دی۔ (الاساس فی التفسیر:21085/)
﴿6﴾ مُّلْكًا عَظِيْمًا انبیاء بنی اسرائیل میں کوئی نبی داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام جیسا نہیں۔ (تفسیر منیر:114/3)

سوال5: کتاب وحکمت کے ساتھ حکومت کے ذکر میں کیا حکمت ہے؟

جواب: حکومت، سلطنت اور خلافت کتاب وحکمت کے نتائج میں سے ہیں۔ جب بھی کسی قوم کو اللہ تعالیٰ کتاب اور حکمت عطا کریں اور وہ سچی شکر گزاری کے ساتھ اسے قبول کرلیں تو اللہ تعالیٰ اسے خلافت بھی عطا کرتے ہیں۔ یہود کا حسد اسی وجہ سے تھا کہ وہ جانتے تھے کہ زمین کی بادشاہت قرآنِ حکیم کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا(55)

پھر اُن میں سے کوئی ہے جو اس پر ایمان لایا اور ان میں سے کوئی ہے جو اس سے منہ موڑ گیا اور جلانے کو جہنم ہی کافی ہے۔(55)

سوال1: فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ ”پھر اُن میں سے کوئی ہے جو اس پر ایمان لایا“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب﴿1﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ یہود میں سے کوئی ہے جو ایمان لایا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ ﴿2﴾ اس سے مراد قرآنِ مجید بھی ہے یعنی یہود میں سے کچھ ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآنِ مجید پر یمان لائے ہیں اور کچھ ہیں جو اس پر ایمان لانے سے رُک گئے ہیں۔

سوال2: وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ ”اوران میں سے کوئی ہے جواس سے منہ موڑ گیا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: یہود کے منہ موڑنے کا سبب گناہوں کے برے اثرات ہیں مسلسل گناہ کرنے کی وجہ سے ان کے دل سخت ہوگئے، وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے بارے میں سرکشی اختیار کرتے رہے حتیٰ کہ وہ خود اللہ تعالیٰ ہی سے باغی ہوگئے اب جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کی زندگی کو بدلنے کے لیے، ان کی ہدایت کے لیے محمد ﷺ اور قرآن مجید آئے تو وہ اس سے منہ موڑ گئے۔ ﴿2﴾ یہود نے خود بھی منہ پھیرا اور لوگوں کی اکثریت کا رخ پھیرنے کی بھی کوشش کی۔ (ایسر التفاسیر: 270) ﴿3﴾ ان میں سے بعض نے محض عناد، بغاوت اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے لوگوں کو روکنے کے لیے اعراض کیا اس لیے وہ دنیا میں بدبختی کا شکار ہوئے۔ جو ان کے گناہوں کے اثرات ہیں۔ (تفسیر سعدی: 530/1)

سوال3: وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيۡرًا ”اور جلانے کو جہنم ہی کافی ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ سے لوگوں کو روکا، خود اس سے منہ موڑ گئے ان کے جلانے کے لیے جہنم کافی ہے۔ ﴿2﴾ جس نے حسد کیا، کفر کیا اور بخل اور مکر سے اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکا اس کے لیے جہنم کی آگ ہی کافی ہے۔

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِنَا سَوۡفَ نُصۡلِيۡهِمۡ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتۡ جُلُوۡدُهُمۡ بَدَّلۡنٰهُمۡ جُلُوۡدًا غَيۡرَهَا لِيَذُوۡقُوا الۡعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيۡزًا حَكِيۡمًا(56)

بلاشبہ جن لوگوں نے ہماری آیات کا کفر کیا بہت جلد ہم انہیں آگ میں ڈالیں گے، جب کبھی ان کی کھالیں گل سڑ جائیں گی تو ہم انہیں اس کے علاوہ کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھیں یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔ (56)

سوال1: اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا بِاٰيٰتِنَا سَوۡفَ نُصۡلِيۡهِمۡ نَارًا ”بلاشبہ جن لوگوں نے ہماری آیات کا کفر کیا بہت جلد ہم انہیں آگ میں ڈالیں گے“ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ یہاں کفر کرنے والوں سے مراد یہودی ہیں جنہوں نے نبی ﷺ کی نبوت کا انکار کیا۔ ﴿2﴾ کفر کرنے والوں سے مراد انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا انکار کرنے والے ہیں۔ ﴿3﴾ بِاٰيٰتِنَا اس سے مراد وہ دلائل ہیں جو راہ نمائی کرتے ہیں کہ یہ دین حق ہے اور ان میں سب سے عمدہ دلائل قرآن کے ہیں۔ (تفسیر منیر: 123/3) ﴿4﴾ سَوۡفَ نُصۡلِيۡهِمۡ نَارًا اس سے مراد تحقیق

وقوع ہے یعنی یہ عذاب ضرور آ کے رہے گا۔اس کے وقوع و تحقیق میں کوئی شک وشبہ نہیں۔(تفسیر سراج البیان:205/1)

سوال 2: كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ''جب کبھی ان کی کھالیں گل سڑ جائیں گی تو ہم انہیں اس کے علاوہ کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھیں''اس کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾''جب کبھی ان کی کھالیں گل سڑ جائیں گی تو ہم انہیں اس کے علاوہ کھالیں بدل دیں گے''كُلَّمَا ''جب بھی' سے مراد ہے کہ یہ ایک بار نہیں دو بار نہیں مسلسل عمل ہے جو ہوتا رہے گا۔﴿2﴾نَضِجَتْ 'گل جائے گی' سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آگ سے گلے گی۔ گلنے کے عمل کی ہولناکی کا اندازہ لگائیں۔دنیا میں آج اگر کسی کی کھال جلتی ہے تو اس کے اوپر چھالے بنتے ہیں اور اس کے اندر پیپ بھر جاتی ہے۔ گلنے کا عمل کتنا خوفناک ہے!﴿3﴾اس آیت میں كُلَّمَا نَضِجَتْ کا منظر اتنا خوفناک ہے کہ انسان کا خیال اِدھر اُدھر ہونے نہیں پاتا اور پھر کھال کی تبدیلی''اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے'' کا عمل جو تعجب انگیز بھی ہے اور غیر معمولی بھی۔کھال بدل جائے پھر گل جائے پھر بدل جائے، پھر گل جائے اور کبھی یہ سلسلہ نہ رُکے، یہ نتیجہ ہے کتاب اور حکمت سے منہ موڑنے کا۔﴿4﴾اس میں جہنم کے عذاب کی سختی اور دوام کا ذکر ہے۔﴿5﴾ کھالوں کی یہ تبدیلی دن میں بیسیوں مرتبہ عمل میں آئے گی۔﴿6﴾وہ کفر اور عناد کا بار بار مظاہرہ کرتے ہیں اور یہ کفر اور عناد ان کا وصف اور عادت بن گیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو بار بار عذاب کا مزہ چکھائے گا تاکہ ان کو پورا پورا بدلہ مل جائے۔(تفسیرِ سعدی)﴿7﴾ کھالوں کی تبدیلی اس لیے کی جائے گی کہ ان کی تکلیف میں کمی کی بجائے کچھ اضافہ ہی ہوتا رہے کیونکہ جلی ہوئی کھال کو جلانے سے تکلیف نسبتاً کم ہوتی ہے۔(تفسیر تیسیر القرآن:415،416/1)﴿8﴾سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اس آیت کی تلاوت ہوتی تو آپ پڑھنے والے سے دوبارہ سنانے کی فرمائش کرتے وہ دوبارہ پڑھتا تو سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں آپ کو اس کی تفسیر سناؤں ایک ایک ساعت میں سو سو بار بدلی جائے گی اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہی سنا ہے۔(تفسیر ابنِ کثیر:596/1)﴿9﴾حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پہلی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ان کی کھالیں چالیس ہاتھ یا چھہتر (76) ہاتھ ہوں گی اور ان کے پیٹ اتنے بڑے ہوں گے کہ اگر ان میں پہاڑ رکھا جائے تو سما جائے جب ان کھالوں کو آگ کھالے گی تو اور کھالیں آجائیں گی۔(تفسیر ابنِ کثیر:596/1)﴿10﴾سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کافر کی داڑھ یا کافر کا دانت احد پہاڑ کے برابر ہوگا اس کی کھال تین رات کی مسافت کے برابر ہوگی۔(صحیح مسلم:7185)﴿11﴾سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: کافر کی جلد کی موٹائی بیالیس

(42) ہاتھ ہوگی اور اسکی داڑھ احد کی مثل ہوگی اور جہنم میں اسکی پیٹھ کا احاطہ اتنا ہوگا جیسا کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان کا فاصلہ۔ (جامع ترمذی:2577) ﴿12﴾ دوسری کھال اس لیے عطا کی جائے گی کیونکہ بیرونی جلد زیادہ تکلیف محسوس کرتی ہے۔ ﴿13﴾ لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ’’ تاکہ وہ عذاب کا مزہ چکھیں‘‘ ان کو بار بار عذاب کا مزہ اس لیے چکھایا جائے گا تاکہ انہیں پورا پورا بدلہ ملے۔ (تفسیر سعدی:530/1)

سوال3: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ’’یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے‘‘ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات عزیز اور حکیم کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے کھالوں کے جلنے، پکنے اور بدلنے سے اپنے عزیز ہونے کا شعور دلایا ہے کہ یقیناً وہ غلبہ رکھنے والا زبردست ہے۔ وہ اپنے انتقام پر غالب ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اہلِ جہنم کے لیے ہمیشگی کی سزا سے یہ شعور دلایا ہے کہ اس کے فیصلے حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ کفر کی سزا جہنم ہے اور یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کا حکیمانہ فیصلہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا (57)

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے انہیں جلد ہی ہم ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، ہمیشہ رہنے والے ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ، اُن کے لیے اس میں نہایت پاک صاف بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں بہت گھنے سائے میں داخل کریں گے۔ (57)

سوال1: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ’’اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جو شرک اور نافرمانیاں چھوڑ کر ایمان لائے (ایسر التفاسیر:270) ﴿2﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جو محمد ﷺ، قرآن، ساری کتابوں اور رسولوں پر ایمان لائے (تفسیر قاسمی:241/5) ﴿3﴾ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اس سے مراد اطاعت کے کام ہیں جو اخلاص کے ساتھ ان کے اور ان کے رب کے مابین ہیں۔ (تفسیر قاسمی:241/5) ﴿4﴾ وہ واجبات اور مستحبات پر عمل کرتے ہیں۔ (تفسیر سعدی:531/1)

سوال2: ایمان اور اعمالِ صالحہ کا کیا تعلق ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے ساتھ انسان جنت میں داخل ہوسکتا ہے۔ ﴿2﴾ اگر ایمان ہو اور عمل نہ ہو یعنی بے عملی یا

بدعملی ہوتو ایسے ایمان کے ساتھ جنت میں داخلہ ممکن نہ ہوگا۔ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ لازم وملزوم ہیں۔﴿3﴾اگر کوئی شخص ایسے اعمال کرتا ہے جو اعمالِ صالحہ کے زمرے میں آتے ہوں مگر وہ ایمان نہیں رکھتا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں ایسی نیکیوں کی قدر و قیمت نہیں ہے۔ یہ اعمال دنیا میں شہرت اور نیک نامی کا ذریعہ بن سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول نہیں ہوں گے۔

سوال3:اللہ تعالیٰ ایمان کے بغیر اعمالِ صالحہ کو قبول کیوں نہیں کرتے؟

جواب: ایمان کے بغیر اعمالِ صالحہ یا تو دُنیوی مفادات کی وجہ سے ہوتے ہیں یا قومی اَخلاق اور عادات ان کی بنیاد ہوتے ہیں۔ جہاں تک دُنیوی مفادات کا تعلق ہے تو اچھے اَخلاق کی قیمت دنیا میں حاصل کرنا ہے تو دنیا میں اس کا بدلہ مل جائے گا۔ اگر قومی اَخلاق وعادات ہیں تو قوم کی اچھی نمائندگی ہوجائے گی مگر آخرت میں اس کا کوئی اجر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سے بدلہ لینے کی نیت ہوتی تو بدلہ مل جاتا اور نیت کے نہ ہونے کی وجہ سے ہی تو ایمان نہیں ہوتا۔اس لیے ایمان کے بغیر اعمالِ صالحہ قابلِ قبول نہیں ہیں۔

سوال4: سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا'' جلد ہی ہم ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی، ہمیشہ رہنے والے ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ سعادت مندوں کا انجام جنت کی بہاریں اور طرح طرح کی نہریں ہیں جہاں چاہیں لے جائیں، خوش کن نعمتیں، نہ زوال، نہ فنا کا ڈر اور نہ کمی کا اندیشہ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔﴿2﴾ مَثَلُ الۡجَنَّةِ الَّتِیۡ وُعِدَ الۡمُتَّقُوۡنَ ؕ فِیۡهَاۤ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ مَّآءٍ غَیۡرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ لَّبَنٍ لَّمۡ یَتَغَیَّرۡ طَعۡمُهٗ ۚ وَ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ خَمۡرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیۡنَ ۬ۚ وَ اَنۡهٰرٌ مِّنۡ عَسَلٍ مُّصَفًّی ؕ وَ لَهُمۡ فِیۡهَا مِنۡ کُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغۡفِرَةٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ ؕ کَمَنۡ هُوَ خَالِدٌ فِی النَّارِ وَ سُقُوۡا مَآءً حَمِیۡمًا فَقَطَّعَ اَمۡعَآءَهُمۡ جنت کی مثال جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بدلنے والا نہیں اور دودھ کی نہریں ہیں جس کا مزہ تبدیل نہیں ہوا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہیں ورخوب صاف کیے ہوئے شہد کی نہریں ہیں اور اُن کے لیے اس میں ہر طرح کے پھل ہیں اور اُن کے رب کی طرف سے بخشش ہے، کیا وہ اُس کی طرح ہیں جو آگ میں ہمیشہ رہنے والا ہے؟ اور اُن کو گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو وہ اُن کی آنتیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دے گا۔(محمد:15)﴿3﴾ حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں پانی، شہد، دودھ اور شراب کے دریا ہیں جن سے نہریں پھوٹتی ہیں۔(جامع ترمذی:2571)

سوال5: لَهُمۡ فِیۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ'' اُن کے لیے اس میں نہایت پاک صاف بیویاں ہوں گی'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》جنت میں خوب صورت پاکیزہ بیویاں ملیں گی جو بول و براز، حیض ونفاس، بے ہودہ عادات اور گناہوں سے پاک ہوں گی۔《2》اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ فِيۡهِنَّ خَيۡرٰتٌ حِسَانٌ ۚ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ حُوۡرٌ مَّقۡصُوۡرٰتٌ فِى الۡخِيَامِ ۚ فَبِاَىِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۚ لَمۡ يَطۡمِثۡهُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَهُمۡ وَلَا جَآنٌّ ۚ اُن میں کئی خوب سیرت، خوب صورت عورتیں ہیں۔ تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ گوری سیاہ آنکھوں والی عورتیں، خیموں میں روکی ہوئی ہیں تو اے جن وانس! تم دونوں اپنے ربّ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟ ان سے پہلے کسی انسان اور کسی جن نے اُنہیں چھوا تک نہیں۔ (الرحمٰن: 70 تا 74)《3》حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز جنت میں سب سے پہلے داخل ہونے والے گروہ کے چہروں کی چمک چودھویں رات کے چاند کی طرح ہوگی دوسرا گروہ آسمان میں بہت زیادہ چمکنے والے ستاروں کی طرح خوبصورت ہوگا ان میں سے ہر ایک کی دو دو بیویاں ہونگی اور ہر بیوی پر 70 جوڑے ہوں گے اس کے باوجود ان کے پیچھے سے اسکی پنڈلی کا مغز نظر آرہا ہوگا۔'' (جامع ترمذی:2535)

سوال6: وَّنُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِيۡلًا '' اور ہم انہیں بہت گھنے سائے میں داخل کریں گے'' ظِلًّا ظَلِيۡلًا سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》اس سے مراد گھنی چھاؤں، سکون، آرام ہے یعنی کوئی دکھ نہیں، بیماری نہیں، حسرت نہیں۔《2》وَ اَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ ۙ مَاۤ اَصۡحٰبُ الۡيَمِيۡنِ فِىۡ سِدۡرٍ مَّخۡضُوۡدٍ وَّ طَلۡحٍ مَّنۡضُوۡدٍ وَّ ظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ اور دائیں ہاتھ والے، کیا ہی خوب ہیں دائیں ہاتھ والے! وہ بیریوں میں ہوں گے جن کے کانٹے دور کیے گئے ہیں اور تہ بہ تہ لگے ہوئے کیلوں میں ہوں گے اور پھیلی ہوئی چھاؤں میں۔ (الواقعہ:27 تا 30)

《3》حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے میں ایک سوار سو سال تک چل سکے گا اور اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو وَّ ظِلٍّ مَّمۡدُوۡدٍ اور پھیلی ہوئی چھاؤں میں۔ (صحیح بخاری:3252)

سوال7: اس آیت میں ایمان اور اعمالِ صالحہ کی جزا کا منظر دکھایا گیا ہے۔ اس کی وضاحت کریں؟

جواب: مستقبل میں ملنے والی جزا کو اللہ تعالیٰ نے ہماری آنکھوں کے سامنے مجسم منظر کی صورت میں اس طرح پیش کیا ہے۔
《1》ایمان اور عملِ صالحہ کی وجہ سے سرسبز وشاداب باغات میں داخلہ ہو رہا ہے۔《2》باغات میں نہریں رواں ہیں《3》یہ مقام دائمی اور اطمینان بخش ہے۔《4》باغات میں پاکیزہ بیویوں کا ساتھ ہے۔《5》باغات میں گھنی چھاؤں ہے۔ یہ منظر دل کو اپنی گرفت میں لے کر ایمان کے ساتھ عملِ صالح کے لیے تیار کرتا ہے۔ یاارحم الرحمین! ہم آپ سے جنت کا سوال کرتی ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ۙ وَ اِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِہٖ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا (58)

یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے حق داروں کے سپرد کردو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے ذریعے بہت ہی اچھی نصیحت کرتا ہے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔(58)

سوال1: اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: یہ آیت سیدنا عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہے جن کا خاندان کعبہ کا کلید بردار تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں بلایا اور کعبے کی چابیاں دے کر فرمایا: ''یہ تمہاری چابیاں ہیں۔ آج کا دن وفا اور نیکی کا ہے۔'' (ابن کثیر) اس آیت کے شان نزول میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا اور اطمینان کے ساتھ بیت اللہ شریف میں آئے تو اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا۔ حجر اسود کو اپنی لکڑی سے چھوتے تھے اس کے بعد عثمان بن طلحہ کو جو کعبہ کی کنجی بردار تھے بلایا ان سے کنجی طلب کی انہوں نے دینا چاہی اتنے میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! اب یہ مجھے سونپ دیں تا کہ میرے گھرانے میں زمزم کا پانی پلانا اور کعبہ کی کنجی رکھنا دونوں ہی باتیں رہیں یہ سنتے ہی عثمان بن طلحہ نے اپنا ہاتھ روک لیا نبی ﷺ نے سہ بارہ طلب کی تو عثمان بن طلحہ نے یہ کہہ کر دے دی کہ اللہ کی امانت آپ کو دیتا ہوں۔ (ابن کثیر: 597/1)

سوال2: اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَہۡلِہَا ''یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے حق داروں کے سپرد کردو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کلمہ ''امانت'' تمام قسم کی امانتوں کو شامل ہے، چاہے وہ اللہ کے حقوق ہوں، جیسے نماز، زکاۃ اور روزہ وغیرہ، اور چاہے بندوں کے آپس میں حقوق ہوں۔ جو انہیں دنیا میں ادا نہیں کرے گا تو مسلم و احمد کی روایت کردہ ایک صحیح حدیث کے مطابق انہیں قیامت میں ادا کرے گا یہاں تک کہ بے سینگ کی بکری کا قصاص سینگ والی بکری سے لیا جائے گا۔ (تیسیر الرحمٰن)

سوال3: امانت سے کیا مراد ہے۔ کون کون سی امانتیں ہیں جو انسان کے سپرد ہیں؟

جواب:﴿1﴾ ہر وہ چیز جس پر انسان کو امین بنایا جائے اور اس کے انتظام کی ذمہ داری اس کے سپرد کی جائے ،امانت کہلاتی ہے فقہاء کہتے ہیں کہ جس کسی کے پاس کوئی امانت رکھی جائے اس پر اس کی حفاظت کرنا واجب ہے کیونکہ امانت کی حفاظت کیے بغیر واپس ادا کرنا ممکن نہیں اس لیے حفاظت واجب ہے۔(تفسیر سعدی:531/1)﴿2﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اے لوگو جو ایمان لائے ہو!تم اللہ تعالیٰ اور رسول کی خیانت نہ کرو اور اپنی امانتوں میں بھی خیانت نہ کرو، حالانکہ تم جانتے ہو۔(سورہ الانفال:27)﴿3﴾ وَ الَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں۔(سورہ معارج:32)﴿4﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: بہت کم ایسا ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم سے خطاب فرمایا ہو اور یہ نہ ارشاد فرمایا ہو کہ اس کا کوئی ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پابند نہیں۔(مشکوۃ المصابیح،شعب الایمان:15)﴿5﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ منافق کی علامتیں تین ہیں جب بات کرے جھوٹ بولے جب وہ وعدہ کرے اس کے خلاف کرے اور جب اس کو امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔(بخاری:33)﴿6﴾ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تیرے اندر چار خصلتیں ہوں تو تجھے اس بات کا کوئی ضرر نہیں کہ دنیا کی باقی چیزیں تیرے پاس نہیں ہیں۔ i:امانت کی حفاظت ii:بات کی سچائی iii:اخلاق کی خوبی iv:لقمے کی پاکیزگی (احمد،بیہقی)﴿7﴾ سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے دو حدیثیں ارشاد فرمائیں۔ایک کا ظہور تو میں دیکھ چکا ہوں اور دوسری کا منتظر ہوں۔نبی ﷺ نے فرمایا کہ امانت لوگوں کے دلوں کی گہرائیوں میں اترتی ہے۔پھر قرآن شریف سے، پھر حدیث شریف سے اس کی مضبوطی ہوتی جاتی ہے۔اور نبی ﷺ نے ہم سے اس کے اٹھ جانے کے متعلق ارشاد فرمایا کہ" آدمی ایک نیند سوئے گا اور (اسی میں) امانت اس کے دل سے ختم ہو جائے گی اور اس بے ایمانی کا ہلکا نشان پڑ جائے گا۔پھر ایک اور نیند لے گا تو اب اس کا نشان چھالے کی طرح ہوگا جیسے تو پاؤں پر ایک چنگاری کا نشان لڑھکائے تو ظاہر میں ایک چھالا پھول آتا ہے اس کو پھولا دیکھتا ہے پر اندر کچھ نہیں ہوتا پھر حال یہ ہو جائے گا کہ صبح اٹھ کر لوگ خرید و فروخت کریں گے اور کوئی شخص امانت دار نہیں ہوگا۔کہا جائے گا کہ بنی فلاں میں ایک امانت دار شخص ہے۔کسی شخص کے متعلق کہا جائے گا کہ کتنا عقل مند ہے۔کتنا بلند حوصلہ ہے۔اور کتنا بہادر ہے۔حالانکہ اس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان (امانت) نہیں ہوگا۔"(صحیح بخاری:6497)﴿8﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ لوگوں میں بیٹھے ہوئے ان سے باتیں کر رہے تھے اتنے میں ایک دیہاتی آپ ﷺ کے پاس آیا اور

پوچھنے لگا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ اپنی گفتگو میں مصروف رہے بعض لوگ (جو مجلس میں تھے) کہنے لگے آپ ﷺ نے دیہاتی کی بات سنی لیکن پسند نہیں کی اور بعض کہنے لگے کہ نہیں بلکہ آپ نے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ جب آپ اپنی باتیں پوری کر چکے تو میں سمجھتا ہوں کہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا وہ قیامت کے بارے میں پوچھنے والا کہاں گیا اس (دیہاتی) نے کہا (حضور) میں موجود ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب امانت (ایمانداری دنیا سے) اٹھ جائے تو قیامت قائم ہونے کا انتظار کر اس نے کہا ایمانداری اٹھنے کا کیا مطلب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب (حکومت کے کاروبار) نالائق لوگوں کو سونپ دیے جائیں تو قیامت کا انتظار کر۔ (صحیح بخاری:59)

سوال4: اس میں امانت کا اِطلاق کن کن اُمور پر ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ امانت میں ایک تو وہ امانتیں شامل ہیں جو کسی کے پاس رکھوائی گئی ہوں۔ ان کے بارے میں یہ حکم ہے کہ مطالبے پر بحفاظت لوٹا دی جائیں۔ ﴿2﴾ عہدے ان لوگوں کو دیئے جائیں جو اہل ہوں یعنی خاندانی، سیاسی، وطنی، نسلی اور لسانی بنیادوں یا کوٹہ سسٹم کی بنیاد پر کسی کو عہدہ دینا اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے خلاف ہے۔ ﴿3﴾ عبدالرحمان بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کبھی تم حکومت کا عہدہ طلب نہ کرنا کیونکہ اگر بلا مانگے تمہیں یہ مل جائے گا تو اس میں تمہاری من جانب اللہ مدد کی جائے گی، لیکن اگر مانگنے پر ملا تو سارا بوجھ تمہی پر ڈال دیا جائے گا اور اگر تم کوئی قسم کھا لو اور اس کے سوا کوئی اور بات بہتر نظر آئے تو وہی کرو جو بہتر ہو اور قسم کا کفارہ ادا کرو۔ (بخاری:6722) ﴿4﴾ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابوذر میں تجھے ضعیف اور ناتواں خیال کرتا ہوں اور میں تیرے لیے وہی پسند کرتا ہوں جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں۔ تم دو آدمیوں پر بھی حاکم نہ بننا اور نہ مالِ یتیم کا والی بننا۔ (مسلم:4720) ﴿5﴾ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا تم حکومت کا لالچ کرو گے اور یہ قیامت کے دن تمہارے لیے باعث ندامت ہوگی پس کیا ہی بہتر ہے دودھ پلانے والی اور کیا ہی بری ہے دودھ چھڑانے والی۔ (بخاری:7148)

سوال5: حقوق و فرائض کے لیے امانت کا لفظ انسان کے ذہن میں کیا تصور پیدا کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یہ سب ذمہ داریاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کی گئی ہیں۔ ﴿2﴾ ساری امانتوں (ذمہ داریوں) کے بارے میں امانت سپرد کرنے والے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوچھ گچھ ہوگی اگر خیانت ہوئی تو کوئی نہیں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچا سکے۔

سوال6: وَ اِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ "اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو"

کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》امانت کا سب سے اہم پہلو انصاف ہے۔حکومت کے استحکام کی پہلی بنیاد امانت ہے اور دوسری بنیاد عدل و انصاف ہے۔لہٰذا کسی قوم کی دشمنی تمہارے عدل و انصاف پر اثر انداز نہ ہو اسی لیے فرمایا: وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔(المائدہ:8)《2》اللہ تعالیٰ نے عدل و انصاف کی تعریف فرمائی ہے اور کہا کہ یہ بڑی اچھی چیز ہے جس کے برتنے کی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تلقین کر رہا ہے، چاہے وہ حکام ہوں یا رعایا، اس لیے کہ پر امن اور شریفانہ زندگی کا دارومدار اسی پر ہے کہ مسلم سوسائٹی میں انصاف کا چلن اور عدل کا دور دورہ ہو۔(تیسیر الرحمٰن)《3》یہ حکم ان کے درمیان قتل کے مقدمات، مالی مقدمات اور عزت و آبرو کے مقدمات، خواہ یہ چھوٹے ہوں یا بڑے، سب کو شامل ہے اور اس کا اطلاق قریب، بعید، صالح، فاجر، دوست اور دشمن سب پر ہوتا ہے۔(تفسیرِ سعدی)《4》سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قاضی کے ساتھ ہوتا ہے جب تک وہ ظلم (بے انصافی) نہ کرے۔ جب وہ ظلم کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے نفس کے سپرد کر دیتا ہے۔(ابن ماجہ:2312)《5》سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سات طرح کے آدمی ہوں گے جن کو اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ان میں سے پہلا شخص انصاف کرنے والا بادشاہ ہے۔(بخاری:660)《6》سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کو سب سے زیادہ پیارا اور اللہ سے سب سے زیادہ قریب مجلس کے اعتبار سے امام عادل ہوگا اور اللہ کو سب سے زیادہ مبغوض اور مجلس کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ دور امام جائر ہوگا۔(الترغیب:167/3)《7》انصاف کرنے والے رحمٰن کے دائیں جانب، اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے منبروں پر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے دونوں دائیں ہاتھ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنی رعایا اور اہل وعیال میں عدل و انصاف کرتے ہوں گے۔(مسلم:4721)《8》حاکم بننا اور فیصلے کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لینا یہ معمولی چیز نہیں یہ ذمہ داری بہت بڑی ہے اور آخرت میں اس کا حساب بہت بڑا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص لوگوں کے درمیان فیصلے کرنے والا مقرر کر دیا گیا تو وہ بغیر چھری کے ذبح کر دیا گیا۔(رواہ احمد والترمذی :324)《9》سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی کوئی حاکم لوگوں کے

درمیان فیصلے کرتا ہے قیامت کے دن اسے لایا جائے گا پھر جہنم کے کنارے پر اسے کھڑا کر دیا جائے گا پھر اگر حکم ہوگا تو اسے دھکا دے دیا جائے تو اس کو دھکیل دیا جائے گا جس کے نتیجے میں وہ ستر سال تک گہرائی میں گرتا چلا جائے گا۔(رواہ البزار کمافی الترغیب:173/3)﴿10﴾ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انصاف کرنے والے قاضی پر قیامت کے دن ضرور ایک ایسی گھڑی آئے گی کہ وہ حساب کی سختی کی وجہ سے یہ تمنا کرے گا کہ میں کبھی کسی ایک کھجور کے بارے میں بھی فیصلہ نہ کرتا تو اچھا تھا۔(الترغیب:157/3)﴿11﴾ سیدہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص عہدہ قضا کا طلب گار رہو اور اس سلسلے میں سفارش کرنے والوں سے سوال کرے(جس پر اسے عہدہ دے دیا جائے)تو وہ اپنے نفس کے حوالے کر دیا جائے گا(یعنی اللہ تعالی کی طرف سے اس کی مدد نہ ہوگی وہ جانے اور اس کا نفس جانے جب ایسا ہوگا تو ظاہر ہے کہ نفس کے موافق فیصلے ہوں گے)اور جس کو قاضی بننے پر مجبور کیا جائے اللہ تعالی اس کے پاس ایک فرشتہ بھیج دیتا ہے جو اسے ٹھیک راستے پر چلاتا رہتا ہے۔(الترغیب:163/3)

سوال7:اسلامی معاشرے کے دو بنیادی اُصول کیا ہیں؟

جواب:﴿1﴾ امانت کو اس کے حق دار تک پہنچانا۔﴿2﴾ انصاف کرنا۔

سوال8:یہاں کن لوگوں کو عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے؟

جواب:یہاں خاص طور پر حکمرانوں کو عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''حاکم جب تک ظلم نہ کرے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ ظلم کا ارتکاب شروع کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔''(ابن ماجہ:2312)﴿1﴾ انصاف ہر انسان کا حق ہے جو اسے انسان ہونے کی حیثیت میں ملتا ہے۔﴿2﴾ انصاف انسان کے لیے ہے اس کا اصول سارے انسانوں کو متحد کرنا ہے۔یہ ذمہ داری اسلامی ریاست نے پوری کرنی ہے۔﴿3﴾ یہ انصاف انسانیت کو مسلمانوں کے دور اول کی حکومت میں ملا اس سے پہلے اور اس کے بعد انسانیت نے گم کر دیا۔

سوال9: اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ''یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے ذریعے بہت ہی اچھی نصیحت کرتا ہے'' اللہ تعالیٰ کس بہتر چیز کی نصیحت کر رہے ہیں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کرنے اور انصاف کرنے کی نصیحت کر رہے ہیں۔﴿2﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے اوامر و نواہی کی مدح و تعریف ہے کیونکہ یہ اوامر و نواہی دنیا و آخرت کے مصالح کے حصول اور دنیا و آخرت کی

مضرتوں کو دور کرنے پر مشتمل ہیں کیونکہ ان اوامر ونواہی کو مشروع کرنے والی ہستی سمیع وبصیر ہے۔ جس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے وہ اپنے بندوں کے مصالح کو جانتا ہے جو وہ خود نہیں جانتے۔ (تفسیر سعدی:532/1)

سوال10: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ’’بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے‘‘ اللہ تعالیٰ نے اپنے سمیع اور بصیر ہونے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے امانتیں ان کے اہل کے سپرد کرنے اور عدل کرنے کے لیے اپنے سمیع اور بصیر ہونے کا شعور دلایا ہے۔ ﴿2﴾ تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سُننے اور دیکھنے کی وجہ سے امانت دار اور عادل بن جائیں اور معاشرہ جنت نشاں ہو جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (59)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے حکم دینے والوں کی اطاعت کرو، پھر اگر کسی چیز پر تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے۔ (59)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ آیت اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اور اپنے میں سے حاکموں کی۔ سیدنا عبداللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں ایک مہم پر بطور افسر کے روانہ کیا تھا۔ (صحیح بخاری:4584)

سوال2: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اللہ تعالیٰ کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے حکم دینے والوں کی اطاعت کرو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کو سننا اور بات ماننا لازم ہے خواہ وہ اسے پسند ہو یا ناپسند ہو جب تک گناہ کا حکم نہ دیا جائے پھر جب گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سنے اور نہ مانے۔ (مختصر ابن کثیر:334) ﴿2﴾ اَطِيْعُوا اللّٰهَ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فیصلے کیے ہیں ان کی اطاعت کریں۔ ﴿3﴾ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ جو کچھ آپ ﷺ اور قرآن وسنت کے مابین ہے

اسکی اطاعت کرو۔(تفسیر قاسمی:255/5)《4》وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کردیں تو اُن کے لیے خود اپنے معاملے میں اختیار رہو اور جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو یقیناً وہ گمراہ ہوگیا، واضح گمراہ ہونا۔(سورۃ الاحزاب:36)《5》أُولِي الْأَمْرِ سے با اختیار حاکم لوگ مراد ہیں۔(بخاری کتاب التفسیر)《6》أُولِي الْأَمْرِ سے مراد حاکم اور اُمراء بھی ہیں، علماء اور فقہاء بھی ہیں۔《7》انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو خواہ تم پر کسی ایسے حبشی غلام کو ہی عامل بنایا جائے جس کا سر منقیٰ کی طرح چھوٹا ہو۔(بخاری:7142)《8》سیدنا حارث اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا حکم دیا ہے۔i۔امیر جماعت کی بات غور سے سننا ii۔اس کے حکم کی اطاعت کرنا۔iii۔جہاد کرنا۔iv۔راہ خدا میں وطن چھوڑنا۔v۔جماعت بن کر رہنا(ترمذی)《9》سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: امام (خلیفہ) ڈھال ہے۔اس کے پیچھے سے لڑا جاتا ہے اور اس کے ذریعہ سے امان دی جاتی ہے اگر اللہ کے تقوی کا حکم کرے اور عدل وانصاف کرے اور اس کی وجہ سے اس کے لیے ثواب ہوگا اور اگر وہ اس کے علاوہ (برائی) کا حکم کرے تو یہ اس پر وبال ہوگا۔(صحیح مسلم:4772)《10》سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی، اس نے میری نافرمانی کی۔امام کی مثال ڈھال جیسی ہے کہ اس کے پیچھے رہ کر اس کی آڑ میں (یعنی اس کے ساتھ ہوکر) جنگ کی جاتی ہے اور اسی کے ذریعہ (دشمن کے حملہ سے) بچا جاتا ہے، پس اگر امام تمہیں اللہ سے ڈرتے رہنے کا حکم دے اور انصاف کرے اس کا ثواب اسے ملے گا، لیکن اگر بے انصافی کرے گا تو اس کا وبال اس پر ہوگا۔(صحیح بخاری:2957)《11》سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی نبی کریم ﷺ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے حاکموں میں سے بہتر وہ ہیں جن سے تم محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت کرتے ہیں اور تمہارے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور تم ان کے لیے دعائے مغفرت کرتے رہو اور تمہارے حاکموں میں سے برے حاکم وہ ہیں جن سے تم دشمنی رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہوں اور تم انہیں لعنت کرو اور وہ تمہیں لعنت کریں۔عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم انہیں تلوار کے ساتھ قتل نہ کردیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! جب تک وہ تم میں نماز قائم کرتے رہیں اور جب تک اپنے

حاکموں میں کوئی ایسی چیز دیکھو جسے تم ناپسند کرتے ہو تو اس کے اس فعل کو ناپسند کرو اور اطاعت وفرمانبرداری سے ہاتھ مت کھینچو۔(صحیح مسلم:4804)《12》سیدنا یحییٰ بن حصین رضی اللہ عنہ نے اپنے دادا کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے حجۃ الوداع میں خطبہ دیتے ہوئے سنا، آپ ﷺ فرمارہے تھے: اگر تم پر کسی غلام کو عامل مقرر کیا جائے اور وہ تمہاری کتاب کے مطابق حکم دے تو اس کی بات سنو اور اطاعت کرو۔(صحیح مسلم:4758)

سوال3: أُولِي الْأَمْرِ سے مراد کون لوگ ہیں؟

جواب:《1》أُولِي الْأَمْرِ سے مراد لوگوں پر مقرر کردہ حکام، امراء اور اصحاب فتویٰ ہیں۔ کیونکہ لوگوں کے دینی اور دنیاوی معاملات اس وقت تک درست نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اولوالامر کی اطاعت نہیں کرتے مگر شرط کے ساتھ کہ اولوالامر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں تو خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری ہرگز جائز نہیں۔ شاید یہی سر نہاں ہے کہ اولوالامر کے حکم کی اطاعت کے وقت فعل کو حذف کر دیا گیا ہے اور اولوالامر کی اطاعت کو رسول کی اطاعت کے ساتھ ذکر فرمایا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں لہٰذا جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے۔ رہے اولوالامر تو ان کی اطاعت کے لیے یہ شرط عائد ہے کہ ان کا حکم معصیت کا نہ ہو۔(تفسیر سعدی:532/1)《2》سیدنا تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دین خیر خواہی کا نام ہے ہم نے عرض کیا: کس چیز کی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی، اس کتاب کی، اس کے رسول کی، مسلمانوں کے ائمہ کی اور تمام مسلمانوں کی۔(صحیح مسلم:196)

سوال3: أُولِي الْأَمْرِ کی خصوصیات کیا ہیں؟

جواب:《1》وہ لوگ جن کے اندر اسلام اور ایمان کی شرائط پائی جاتی ہوں۔《2》جو قانون سازی کا اور اطاعت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو دیتے ہوں۔《3》جو صرف اللہ تعالیٰ سے ہدایات اخذ کرتے ہوں۔《4》جو بصیرت اور اجتہاد کی صلاحیت کے مالک مومنین ہوں۔

سوال4: أُولِي الْأَمْرِ کی اطاعت کی کیا حدود ہیں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے دائرے میں احکامات دیں تو اطاعت ہوگی۔《2》ایسا کوئی حکم نہ دیں جن کے خلاف کوئی نص صریح موجود ہو۔《3》یہ احکامات شریعت کے اصولوں کے خلاف نہ ہوں۔

سوال5: اُولِی الۡاَمۡرِ کی اطاعت کے حکم کے بارے میں وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بادشاہ یا حاکم کی بات سننا اور حکم ماننا ضروری ہے (واجب ہے) جب تک خلافِ شرع نہ ہو۔ اگر شرع کے خلاف حکم دیا جائے تو نہ سننا چاہئے اور نہ ماننا۔ (بخاری:2955) ﴿2﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور جس نے (مسلمان) حاکم کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے حاکم کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ (بخاری:2957) ﴿3﴾ ابوالولید عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی اس بات پر بیعت کی کہ ہم تنگی اور آسانی میں، خوشی اور ناگواری (ہر حالت) میں سمع واطاعت کریں گے اور خواہ ہم پر دوسروں کو ترجیح دی جائے اور اس بات پر کہ ہم اقتدار کے معاملے میں مسلمان حکمرانوں سے نہ لڑیں مگر یہ کہ ان میں کفرِ صریح دیکھیں جس پر ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل ہو اور اس بات پر کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں حق بات کہیں اللہ تعالیٰ کے (دین کے) بارے میں ہم کسی ملامت گر کی ملامت سے نہ ڈریں۔" (صحیح بخاری: 7056) ﴿4﴾ طیبی نے لکھا ہے کہ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ میں فعل کا اعادہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ رسول کی اطاعت مستقل ہے اور اُولِی الۡاَمۡرِ میں فعل کا عدم اعادہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان کی اطاعت مشروط ہے۔ اگر ان کا حکم قرآن وسنت کے مطابق ہوگا تو اطاعت کی جائے گی ورنہ نہیں۔ (تیسیر الرحمٰن) ﴿5﴾ اُولِی الۡاَمۡرِ کی اطاعت مستقل نہیں ہے۔ سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ (مشکوٰۃ:3696) ﴿6﴾ اُولِی الۡاَمۡرِ کی اطاعت معصیت میں نہیں۔ اطاعت صرف معروف میں ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اطاعت نہیں ہے۔ اطاعت تو نیکی میں ہوتی ہے۔" (مسلم:4765) ﴿7﴾ اُولِی الۡاَمۡرِ کی اطاعت رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔ اُولِی الۡاَمۡرِ سے مراد اگر علماء اور فقہاء ہوں تو ان کی اطاعت بھی اس لیے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں لیکن ان کی اطاعت بھی اسی وقت تک کی جائے گی جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق حکم دیں گے۔ ﴿8﴾ اللہ تعالیٰ نے کسی اور شخصیت کو واجب الاطاعت قرار نہیں دیا۔ جو لوگ تیسری اطاعت کو واجب کرتے ہیں وہ قرآنِ مجید کے واضح حکم کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس تیسری اطاعت کی وجہ سے اُمت کا اتحاد ممکن نہیں رہا۔

سوال6: کیا اُولِی الۡاَمۡرِ کی اطاعت بھی مستقل ہے؟

جواب:《1》اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت مستقل نہیں ہے۔سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔''(مشکوٰۃ:3696)《2》اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت معصیت میں نہیں۔ اطاعت صرف معروف میں ہے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:''اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اطاعت نہیں ہے۔اطاعت تو نیکی میں ہوتی ہے۔''(مسلم:4765)《3》اُولِی الْاَمْرِ کی اطاعت رسول کی اطاعت کے ساتھ مشروط ہے۔《4》اُولِی الْاَمْرِ سے مراد اگر علماء اور فقہاء ہوں تو ان کی اطاعت بھی اس لیے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں لیکن ان کی اطاعت بھی اسی وقت تک کی جائے گی جب تک وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کے مطابق حکم دیں گے۔

سوال7: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ''پھر اگر کسی چیز پر تم آپس میں جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اِلَی اللّٰهِ سے مراد کتاب اللہ کی طرف اور وَالرَّسُوْلِ سے مراد سنت نبوی کی طرف (تفسیر جامع البیان: 179/5)《2》اللہ تعالیٰ نے تنازعات اور اختلافات کو ختم کرنے کے لیے یہ اُصول دیا ہے کہ تنازعات یا اختلاف کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹا دیں۔《3》''اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو'' یعنی تمہارے ایمان کا تقاضا ہے کہ آپس کے جھگڑوں کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دیں۔جو شخص باہمی جھگڑوں کو قرآن وسنت کی طرف نہیں لوٹاتا اس کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں۔

سوال8: کیا اس آیت سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کے علاوہ کسی اور کو بھی واجب الاطاعت قرار دیا گیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے کسی اور شخصیت کو واجب الاطاعت قرار نہیں دیا۔جو لوگ تیسری اطاعت کو واجب کرتے ہیں وہ قرآنِ مجید کے واضح حکم کی مخالفت کرتے ہیں۔اس تیسری اطاعت کی وجہ سے اُمت کا اتحاد ممکن نہیں رہا۔

سوال9: ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ''یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب۔《1》''یہ بہتر ہے اور انجام کے لحاظ سے زیادہ اچھا ہے'' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ بہتر ہے، سب سے زیادہ عدل وانصاف کا حامل اور لوگوں کے دین اور دنیا اور ان کی عافیت کی بھلائی کے لیے سب سے اچھا فیصلہ ہے۔

(تفسیر سعدی:533/1) یہ دستور تمہارے لیے اچھا ہے۔《2》ان اصولوں میں دنیا کی بھلائی بھی ہے اور آخرت میں بھی اس کا انجام اچھا ہوگا۔ دنیا میں اسی دستور میں فرد، سوسائٹی اور پوری دنیا کی زندگی کی بہتری ہے

رکوع نمبر6

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّتَحَاكَمُوۡۤا اِلَى الطَّاغُوۡتِ وَقَدۡ اُمِرُوۡۤا اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِهٖ ؕ وَيُرِيۡدُ الشَّيۡطٰنُ اَنۡ يُّضِلَّهُمۡ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا (60)

کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ یقیناً وہ ایمان لائے اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ آپس کے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جائیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اس کا کفر کریں اور شیطان ارادہ رکھتا ہے کہ انہیں بہکا کر گمراہ کردے، بہت دُور کا گمراہ کرنا۔(60)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن اسحاق، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جلاّس بن صامت، مقصب بن قشیر اور رافع بن زید منافقین کو ان کی قوم کے بعض مسلمانوں نے ایک قضیہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس چلنے کو کہا، تو انہوں نے کاہنوں کے پاس جانا پسند کیا، جس کے بعد یہ آیت اِلَّاۤ اِحۡسَانًا وَّتَوۡفِيۡقًا تک نازل ہوئی۔(تیسیر الرحمٰن)

سوال2: اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ يَزۡعُمُوۡنَ اَنَّهُمۡ اٰمَنُوۡا بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِكَ " کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ یقیناً وہ ایمان لائے اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کیا گیا" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》ایسے عجیب ایمان والوں کو دیکھا ہے جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ اس کتاب پر ایمان لائے اور پہلی کتابوں پر بھی ایمان لائے لیکن فیصلے اس کتاب کے مطابق نہیں لیتے۔《2》ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ انسان اس قانون کے مطابق فیصلے لے جس پر ایمان ہے، اپنے فیصلے اس عدالت سے لے جس پر وہ ایمان لایا ہے۔《3》تعجب کا اظہار اس بات پر ہے کہ یہ لوگ ایمان اور کفر کو جمع کرنا چاہتے ہیں۔

سوال3: یہ آیت کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی؟

جواب:《1》یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنا فیصلہ یہودیوں کے یا قریش کے سرداروں کی طرف لے جانا چاہتے تھے۔《2》یہ عام حکم ہے۔اس میں وہ سب لوگ شامل ہیں جو کتاب وسنت سے منہ موڑ کر فیصلوں کے لیے کسی اور کی طرف جاتے ہیں۔《3》اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ سے مراد منافق ہیں وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ سے مراد یہودی ہیں۔(قرطبی:182/3)

سوال4: مدینہ کے ابتدائی زمانے میں اختلافی معاملات کے لیے فیصلوں کا کیا نظام موجود تھا؟

جواب: مدینہ کے ابتدائی زمانے میں اختلافی معاملات کے فیصلوں کے لیے دوعدالتیں پائی جاتی تھیں:

《1》یہ عدالتیں یہودی سرداروں کی تھیں جو پہلے سے چلی آرہی تھی۔《2》رسول اللہ ﷺ کی عدالت جو ہجرت کے بعد قائم ہوئی تھی۔

سوال5: کیا مسلمان یہودیوں سے فیصلے کروایا کرتے تھے؟

جواب: مسلمانوں میں سے کمزور ایمان والے(منافق)جب اپنے مقدمے کو کمزور پاتے اور وہ محسوس کرتے کہ رسول اللہ ﷺ کی عدالت سے وہ اپنی مرضی کا فیصلہ نہ کرواسکیں گے تو وہ کعب بن اشرف یہودی کی عدالت میں چلے جاتے۔

سوال6: یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَی الطَّاغُوْتِ ''وہ ارادہ رکھتے ہیں کہ آپس کے فیصلے غیراللہ کی طرف لے جائیں'' کا مفہوم واضح کریں؟

جواب:《1》تَحَاكُمُ اِلَی الْحَاكِمُ کے معنی ہیں: اپنا معاملہ حاکم کے آگے پیش کرنا۔《2》طاغوت سے مراد ہر وہ شخص جو شریعت الٰہی کے بغیر فیصلے کرتا ہے طاغوت ہے۔(تفسیر سعدی:534/1)《3》یہاں طاغوت سے مراد شیطان ہے۔《4》طاغوت سے مراد ہر وہ شخص ،عدالت یا نظام ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مقابلے میں اپنا فیصلہ لوگوں پر مسلط کرنا چاہے۔《5》منافق ان لوگوں کے پاس فیصلے کروانے لے جاتے تھے جو کتاب وسنت کی مخالفت کرتے تھے یہاں طاغوت سے یہی مراد ہے۔(الاساس فی التفسیر:1105/2)《6》یُرِیْدُوْنَ سے مراد منافق ہیں جو جان بوجھ کر اپنے فیصلے طاغوت سے کرواتے ہیں حالانکہ انہیں اس سے کفر کا حکم دیا گیا تھا۔

سوال7: وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ یَّكْفُرُوْا بِهٖ '' حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اس کا کفر کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ اس کا کفر کریں'' اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں اور تمام معاملات میں

شریعت کی پیروی کریں۔ جو ایمان کے دعوے کے بعد طاغوت کے فیصلے کو قبول کرتا ہے اس کا ایمان کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

سوال8: کسی طاغوت سے فیصلہ لینے والے کا کیا معاملہ ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فیصلے پر راضی نہ ہونا اور کسی طاغوت سے فیصلہ لینا کفر ہے۔

سوال9: جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فیصلے کا انکار کردیتا ہے اس کی کیا حیثیت ہے؟

جواب: جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے فیصلے کا انکار کردیتا ہے ایسا شخص اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

سوال10: وَيُرِيدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ''اور شیطان ارادہ رکھتا ہے کہ انہیں بہکا کر گمراہ کردے، بہت دُور کا گمراہ کرنا'' اس فیصلے کے پیچھے شیطان کا اصل مقصد کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ شیطان یہ چاہتا ہے کہ ان کے اور حق کے درمیان دور کی مسافت ہو جائے۔ ﴿2﴾ شیطان یہ چاہتا ہے کہ لوگ ایمان کی حدود اور شرائط سے نکل جائیں اسی لیے اللہ تعالیٰ اس چھپی ہوئی حقیقت کو کھول رہے ہیں تاکہ یہ لوگ باز آجائیں۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا(61)

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو آپ منافقوں کو دیکھیں گے وہ تم سے منہ موڑتے ہیں، صاف منہ موڑنا۔(61)

سوال1: وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور رسول کی طرف آؤ'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف آؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے اور رسول کی طرف آؤ'' اس سے مراد یہ ہے کہ جب منافقوں کو مقدمات کا فیصلہ کروانے کے لیے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف آئیں یعنی ان سے فیصلہ لیں تو وہ آپ ﷺ کے پاس مقدمات لانے سے گریز کرتے ہیں۔ ﴿2﴾ منافق اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول ﷺ کو دل سے نہیں مانتے۔ ﴿3﴾ منافق اپنے دل کی مرضی کے مطابق فیصلہ چاہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں جس مقدمے میں انہیں توقع ہوتی کہ فیصلہ ان کے خلاف ہوگا اس کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لانے سے گریز کرتے۔ یہی نفاق کی علامت ہے۔ ﴿4﴾ رب العزت نے اسی حقیقت کو واضح فرمایا: وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا

ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور رسول پر ایمان لائے اور ہم نے اطاعت کی پھر اس کے بعد ان میں سے ایک گروہ پھر جاتا ہے اور یہ لوگ ہرگز ایمان لانے والے نہیں ہیں۔اور جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو اچانک ان میں سے ایک گروہ منہ موڑنے والا ہوتا ہے۔(النور:47,48)

سوال2: منافق اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ سے فیصلہ لینے سے کیوں کتراتے ہیں؟

جواب:《1》منافق اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول ﷺ کو دل سے نہیں مانتے۔《2》منافق اپنے دل کی مرضی کے مطابق فیصلہ چاہتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں جس مقدمے میں انہیں توقع ہوتی کہ فیصلہ ان کے خلاف ہوگا اس کو رسول اللہ ﷺ کے پاس لانے سے گریز کرتے۔یہی نفاق کی علامت ہے۔

سوال3: آج کے اس دور میں جو لوگ شریعت کے نفاذ کے مخالف ہیں اپنے مؤقف کے لیے وہ کیا دلائل دیتے ہیں؟

جواب:《1》آج کے اس دور میں جو لوگ شریعت کے نفاذ کے مخالف ہیں اپنے مؤقف کے لیے یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ ہوا تو لوگوں کے درمیان مخالفت پیدا ہو جائے گی۔《2》یہ دلیل دیتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ ہوا تو لوگ مصیبت میں مبتلا ہو جائیں گے۔《3》یہ دلیل دیتے ہیں کہ شریعت کے قانون میں انسان کے لیے مشکلات ہیں۔

سوال4: یَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ''وہ تم سے منہ موڑتے ہیں، صاف منہ موڑنا'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''وہ تم سے منہ موڑتے ہیں، صاف منہ موڑنا''یعنی جب منافقوں کو قرآن وحدیث کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ اس سے منہ موڑتے ہیں اور تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔《2》نبی ﷺ سے منہ موڑنا، قرآن وسنت سے منہ موڑنا دراصل اللہ تعالیٰ ہی سے منہ موڑنا ہے اس شخص کی بدنصیبی کا کیا ٹھکانہ ہے جو اپنے پیدا کرنے والے سے، اپنے ہادی اور رہنما سے، اپنی ہدایت سے اور اپنی فلاح سے منہ موڑ کر ہمیشہ کی بربادی، بدبختی اور ہلاکت کا سودا کرلے۔

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا (62)

پھر کیا حال ہوتا ہے جب ان کو اس وجہ سے مصیبت پہنچتی ہے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا؟ پھر وہ آپ کے پاس

اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہم نے تو محض بھلائی اور آپس میں ملانے کے سوا کچھ نہیں چاہا تھا۔(62)

سوال1:اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب:ضحاک اور مقاتل کہتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے مسجد ضرار بنائی پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کا نفاق ظاہر کر دیا اور اس مسجد کو گرانے کا حکم دیا انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس معاملے سے اپنے آپ کو الگ کرنے کے لیے قسمیں کھائیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور کتاب کی موافقت کے سوا مسجد بنانے کا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔ (تفسیر سمرقندی:314/1)

سوال2: فَكَيْفَ إِذَآ أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ ۖ بِاللّٰهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَانًا وَّتَوْفِيقًا ’’ پھر کیا حال ہوتا ہے جب ان کو اس وجہ سے مصیبت پہنچتی ہے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا پھر وہ آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہم نے تو محض بھلائی اور آپس میں ملانے کے سوا کچھ نہیں چاہا تھا‘‘ منافق کس مصیبت میں پڑ جاتے تھے؟

جواب:﴿1﴾ منافقوں پر یہ مصیبت آتی تھی کہ تمام لوگوں پر اُن کی اصلیت کھل جاتی تھی۔﴿2﴾ اسلامی معاشرے میں منافقوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔﴿3﴾ اسلامی معاشرے میں منافقوں کا سوشل بائیکاٹ ہو جاتا تھا۔اس طرح وہ مصیبت میں پھنس جاتے تھے لوگوں میں انہیں قبولیت حاصل نہیں ہوتی تھی۔﴿4﴾ بعض اوقات طاغوتی عدالت میں ظلم ہوتا تو انہیں افسوس ہوتا کہ اسلامی عدالت میں جاتے تو انصاف ملتا۔﴿5﴾ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسی آزمائشیں آتیں کہ یہ غور وفکر کریں اور سچے ایمان کے راستے پر آجائیں۔﴿6﴾ منافقوں پر یہ مصیبت ان کے نفاق کی وجہ سے آتی تھی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے نفرت کی تھی۔(ابن ابی حاتم:992/3)

سوال3: ثُمَّ جَآءُوكَ يَحْلِفُونَ ۖ بِاللّٰهِ إِنْ أَرَدْنَآ إِلَّآ إِحْسَانًا وَّتَوْفِيقًا ’’ پھر وہ آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں کہ ہم نے تو محض بھلائی اور آپس میں ملانے کے سوا کچھ نہیں چاہا تھا‘‘ منافق قسمیں کھا کر کیا ثابت کرنا چاہتے تھے؟

جواب:﴿1﴾ وہ قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ ہم طاغوت کی عدالت میں جانا نہیں چاہتے تھے مگر رواج کے مطابق فیصلے کروا کے صلح صفائی چاہتے تھے۔ایک یہودی اور ایک منافق کا کسی معاملے میں جھگڑا ہو گیا۔یہودی نے کہا: چلو فیصلہ تمہارے رسول سے لے لیتے ہیں۔رسول اللہ ﷺ نے فیصلہ یہودی کے حق میں دے دیا تو منافق نے کہا کہ یہ فیصلہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بھی لے

لیتے ہیں۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ان دنوں رسول اللہ ﷺ کے نائب کی حیثیت سے مدینہ میں مقدمات کا فیصلہ کرتے تھے۔یہودی اور منافق نے جا کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ہم یہ مقدمہ تمہارے نبی کے پاس لے گئے تھے۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اندر گئے اور واپس آ کر منافق کا سر قلم کر دیا۔اس کے بعد منافق کے وارث رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کا مقدمہ کر دیا اور بنیاد یہ بنائی کہ ہمارا ارادہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کے خلاف فیصلہ لینا نہ تھا بلکہ یہ ارادہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ دونوں فریقوں میں صلح کروا دیں گے۔اپنے اس بیان پر وہ قسمیں کھانے لگے۔ان قسموں سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ ہم تو باہمی موافقت چاہتے ہیں۔(ابنِ ابی حاتم) ﴿2﴾ وہ اپنے اندرونی ارادوں کو چھپانا چاہتے تھے کہ شاید اس کشمکش کا نتیجہ کفار کی فتح کی شکل میں نکلے اور ان کی منافقت کی پالیسی کامیاب ہو جائے۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا(63)

یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے چنانچہ آپ ان سے منہ موڑ لیں اور انہیں وعظ ونصیحت کریں اور ان کے لیے ان کے دلوں میں بہت اثر کرنے والی بات کریں۔(63)

سوال1: أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ "یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے" اس کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ أُولَٰٓئِكَ میں منافقین کی طرف اشارہ ہے۔﴿2﴾ مَا فِي قُلُوبِهِمْ "جو کچھ ان کے دلوں میں ہے" باطل کی طرف جھکاؤ اور اپنے اسلام کا اظہار کرنا اور اپنے عذر پر قسمیں کھانا یہ سب ان کے دلوں کے نفاق میں سے ہے۔(تفسیر قاسمی:270/5)
﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نفاق اور حق دشمنی کو جانتا ہے۔﴿4﴾ زجاج نے کہا: اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ منافق ہیں۔(فتح القدیر:616/1)

سوال2: فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ "چنانچہ آپ ان سے منہ موڑ لیں اور انہیں وعظ ونصیحت کریں" اللہ تعالیٰ نے ایسے منافقین کے لیے کیا تلقین کی ہے؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کے حال کو جانتا ہے اگرچہ وہ اپنی نیتوں اور ارادوں کو چھپانا چاہتے ہیں ﴿2﴾ پہلی سٹیج پہ ان منافقین سے چشم پوشی کرو۔﴿3﴾ ان کے ساتھ نرمی برتو۔﴿4﴾ ان کو نصیحت کرو اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراؤ۔﴿5﴾ ان کی تعلیم وتربیت کرو۔﴿6﴾ ان کو ایسے انداز میں سمجھاؤ کہ بات ان کے دل میں اتر جائے۔﴿7﴾ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ

آپ ابھی انہیں کوئی سزا نہ دیں، اورصرف اشارے کے ذریعے دھمکی اور نصیحت پر ہی اکتفا کریں اورانہیں کوئی ایسی بات کہہ جائیں جوان کے دلوں پر اثر انداز ہو جوانہیں مغموم بنادے اوران کے دلوں میں خوف سا جائے، مثلاً یہ کہیے کہ نفاق کا انجام بہت برا ہوتاہے اورکبھی قتل تک کی نوبت آجاتی ہے، اور یہ کہ ان کے اور مشرکین کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔(تیسیر الرحمٰن)﴿8﴾اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ گار کے ساتھ اگراعراض کیا جائے تو پوشیدہ طور پر اس کے لیے خیر خواہی کا اہتمام ضرور کیا جائے اوراس کو نصیحت کرنے میں پوری کوشش سے کام لیا جائے، جس سے وہ اپنا مقصد حاصل کر سکے۔(تفسیر سعدی:535/1)

سوال3: دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے کیسی کوشش کرنے کا حکم دیا گیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حکم دیا کہ ان سے درگزر کریں، وعظ و نصیحت اور قولِ بلیغ کے ذریعے ایمان والوں کی اصلاح کی کوششوں کو جاری رکھیں۔ سازشوں سے بچانے کے لیے یہ عمل مستقل جاری رہے گا۔

سوال4: وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا "اوران کے لیےان کے دلوں میں بہت اثر کرنے والی بات کریں" اس کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ قولِ بلیغ سے مراد پہنچنے والی بات ہے، دل لگتی بات، دل کے اندر اُترنے والی بات ہے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انہیں ایسی نصیحت کیجئے کہ بات ان کے دل کے اندر رکھی جائے۔﴿3﴾ ان کے ساتھ ایسی بات کیجئے جو دلوں میں گھر کرنے والی ہو، یعنی اپنے درمیان اوران کے درمیان معاملے کو راز رکھتے ہوئے انہیں نصیحت کیجئے۔ حصول مقصد کے لیے یہ طریقہ زیادہ مفید ہے اوران کو برائیوں سے روکنے اور زجر و توبیخ میں پوری کوشش سے کام لیجئے۔

سوال5: کسی کے دل کے اندر بات اُتارنے کے لیے ایک مبلغ کو کس کس چیز کا علم ہونا ضروری ہے؟

جواب:﴿1﴾ انسانی فطرت کا علم، معاشی و معاشرتی پس منظر۔﴿2﴾ جس طبقے میں تبلیغ کی جا رہی ہے اس کے حالات کا علم، ان کی سوچ، ان کی مصروفیات، ان کی دل چسپیوں کا علم۔﴿3﴾ جس فرد سے بات کی جا رہی ہو اس کی ذہنی سطح کا علم۔﴿4﴾ اسلام کے اُصولوں کی حکمت کا علم۔﴿5﴾ مبلغ کو موقع پر بات کرنے کا ڈھنگ آنا چاہئے۔﴿6﴾ مبلغ کو پیغام دیتے ہوئے ان ساری چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے موقع کی مناسبت سے بات کرنی چاہیے۔

سوال6: دل کے اندر بات کب اترتی ہے؟

جواب:﴿1﴾ موقع کی مناسبت سے کہی جانے والی بات دل میں اترتی ہے مثلاً کوئی تکلیف میں ہے تو اس موقع پر انسان کو کیا کرنا چاہیے۔ اسلام کی تعلیم کو مخاطب کے سامنے رکھنا چاہئے کہ اس موقع پر کیا کرنا ہے۔ پھر اس کے فوائد کو حکمت کے ساتھ

سامنے رکھنا چاہئے۔﴿2﴾اسی طرح جب کوئی غلطی ہوتو وہ موقع تنقید کانہیں اصلاح کا ہوتا ہے۔اس موقع کوضائع نہیں کرنا چاہیے۔﴿3﴾خوشی کا موقع ہوتو وہ بھی بات پہنچانے کا وقت ہوتا ہے۔اس کوضائع نہیں کرنا چاہیے۔

سوال6:نصیحت کی بات کب دل کے اندر نہیں اُترتی ؟

جواب:﴿1﴾جب بے موقع بات کی جائے۔﴿2﴾جب حالات اور مخاطب کی ذہنی کیفیات کونظر انداز کر کے اپنی بات کہنے کی کوشش کی جائے۔﴿3﴾جب موقع پر خاموش رہا جائے اور بعد میں سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

سوال7:اللہ تعالیٰ نصیحت کے ذریعے توبہ پر کیوں مائل کرنا چاہتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾اس لیے کہ منافقین سیدھے راستے پر آجائیں۔﴿2﴾تا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی پناہ میں امن کی زندگی گزاریں۔﴿3﴾اگر چہ انہوں نے طاغوت سے فیصلے لیے لیکن توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ابھی وقت ہے پلٹ سکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ رسول ﷺ کی اطاعت کریں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا(64)

اور ہم نے ہر رسول کومحض اس لیے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور بلاشبہ اگر وہ آپ کے پاس آجاتے جنہوں نے خود پر ظلم کیا تھا، پھر وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے اور رسول ان کے لیے بخشش مانگتا تو وہ اللہ تعالیٰ کو یقیناً بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا پاتے۔(64)

سوال1:وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللهِ ''اور ہم نے ہر رسول کومحض اس لیے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾رسول اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔﴿2﴾رسول اس لیے بھیجے جاتے ہیں تا کہ تمام انسان ان سے اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ طریقہ زندگی سیکھیں اور اس پر عمل کریں۔﴿3﴾رسول دائمی اطاعت کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔﴿4﴾اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال ضائع نہ کرو۔(محمد:33)

﴿5﴾وَاَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور رسول کی

اطاعت کرو اگر تم پھر جاؤ تو ہمارے رسول پر محض صاف صاف پہنچا دینا ہے۔(التغابن:12)《6》عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا سب سے اچھی بات کتاب اللہ ہے اور سب سے اچھا طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے اور سب سے بُری (دین میں) نئی بات (بدعت) پیدا کرنا ہے اور بلاشبہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ آکر رہے گی اور تم پروردگار سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتے۔(صحیح بخاری:7277)《7》حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے قرآن وحدیث پڑھنے والو! تم اگر قرآن وحدیث پر نہ جموگے، ادھر ادھر دائیں بائیں راستہ لوگے تو بھی گمراہ ہوگے بہت ہی بڑے گمراہ۔(صحیح بخاری:7282)《8》اس آیت میں عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا اثبات ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے، حکم دینے اور منع کرنے میں ہر لغزش سے پاک ہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے لوگوں کو انبیاء کرام علیہم السلام کی مطلق اطاعت کا حکم دیا ہے۔اگر وہ منصبِ تشریع میں خطا سے پاک نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی مطلق اطاعت کا حکم نہ دیتا۔(تفسیرِ سعدی)

سوال2: رسولوں کے بارے میں کیا غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں؟

جواب: رسولوں کے بارے میں یہ غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں《1》ان سے ایک روحانی تعلق قائم ہو جس کے لیے اطاعت غیر ضروری ہے۔《2》رسولوں سے صرف عبادت کے طریقے سیکھے جاتے ہیں۔《3》رسول بگڑی بنا دیتے ہیں۔《4》رسول غیب کا علم رکھتے ہیں۔《5》رسول کی سفارش سے بڑے سے بڑے مجرم بھی معاف کر دیئے جائیں گے۔《6》رسول کو جب چاہیں اپنے پاس حاضر کر سکتے ہیں اور ان سے جو دُعائیں مانگی جائیں مثلاً رزق، اولاد، مصائب کو دور کرنے کی، وہ پوری کر دیتے ہیں۔《7》رسول کے عقیدت مند بن جائیں اور الفاظ کے گلدستے پیش کرتے رہیں۔

سوال3: لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللهِ ''اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر رسول کی اطاعت کی جائے۔اس سے یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا رسول اسی لیے بھیجتا ہے کہ اس کے حکم کی اطاعت کی جائے، اسے دل سے تسلیم کیا جائے۔

سوال4: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ ''اور بلاشبہ اگر وہ آپ کے پاس آجاتے جنہوں نے خود پر ظلم کیا تھا''، نفس پر ظلم کر بیٹھنے سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》ان منافقین نے رسول اللہ ﷺ کی بجائے کاہنوں اور طاغوتوں کو اپنا فیصلہ کرنے والا مان کر اپنے آپ پر بڑا ظلم کیا کہ نفاق کے عذاب کے ساتھ ایک اور عذابِ الٰہی کے مستحق بنے۔(تیسیر الرحمن)《2》نفس پر ظلم کرنے سے مراد رسول

کا طریقہ چھوڑ دینا۔ ﴿3﴾ مصلحت پر چلنا۔ ﴿4﴾ خواہشات پر چلنا۔ ﴿5﴾ شیطان کے پیچھے چل پڑنا۔

سوال5: خواہش پرستی اور مصلحت کوشی کی زندگی اختیار کرنے میں انسان کیا چیز کھو بیٹھتا ہے؟

جواب: خواہش پرستی اور مصلحت کوشی کی زندگی اختیار کرکے۔ ﴿1﴾ صراطِ مستقیم کھو بیٹھتا ہے۔ ﴿2﴾ وہ راستہ جس پر چل کر انسان اپنے رب تک جا پہنچتا ہے، کھو بیٹھتا ہے۔

سوال6: انسان پر اگر صراطِ مستقیم واضح ہو یعنی وہ علم رکھتا ہو، پھر وہ کیسے گمراہ ہو جاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جب انسان اپنی سوچ کو کچھ تحفظات کا پابند کر لیتا ہے تو وضاحت کے باوجود صراط مستقیم نہیں دیکھتا۔ ﴿2﴾ جب انسان دین کو اپنی خواہشات اور مصلحتوں کے مطابق پڑھتا ہے۔ ﴿3﴾ جب انسان کے ذہن میں دین کا خودساختہ تصور قائم ہوتا ہے۔ ﴿4﴾ جب انسان ایمان چاہتا ہو لیکن وہ خواہشات اور مصلحتوں سے باہر نہ آسکے تب وہ ایمان سے محروم ہو جاتا ہے اور صراط مستقیم اس سے گم ہو جاتا ہے۔

سوال7: فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ ”پھر وہ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے اور رسول ان کے لیے بخشش مانگتا“ اللہ تعالیٰ سے استغفار کے ساتھ رسول ﷺ سے استغفار کروانے کا حکم دیا گیا اس کی حکمت واضح کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا انسان کے لیے کافی ہے لیکن چونکہ اُن لوگوں نے جھگڑوں کے فیصلے دوسروں کے پاس لے جا کر آپ ﷺ کے مقام اور مرتبے میں کمی کی تھی اس لیے اس کے ازالے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے کی تاکید کی گئی ہے۔ ﴿2﴾ آیت کا تعلق منافقین کے ایک خاص واقعے سے ہے جس کا بیان ہو چکا کہ نفاق کی بیماری میں مبتلا ہونے کی وجہ سے، رسول اللہ ﷺ کی بجائے کاہنوں کو اپنا فیصل مانا، ورنہ عام حالات میں توبہ کے لیے یہ شرط نہیں تھی کہ مسلمان رسول اللہ ﷺ کے پاس آتے اور ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لیے دُعائے مغفرت کرتے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ایسا اور کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ (تیسیر الرحمٰن)

سوال8: کیا اس آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ آج بھی استغفار کے لیے روضۂ رسول ﷺ پر حاضری دینا اسی طرح ضروری ہے جس طرح سے آپ ﷺ کی زندگی میں تھا؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں حاضری کا مقصد یہ تھا کہ آپ ﷺ کے حق میں کمی کی گئی تھی اور آپ ﷺ حیات تھے۔ اب جب کہ آپ ﷺ حیات نہیں ہیں لہٰذا آپ ﷺ کے پاس اس مقصد کے لیے جانا جائز نہیں۔

سوال9: لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا '' تو وہ اللہ تعالیٰ کو یقیناً بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ، نہایت رحم والا پاتے '' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ ﴿1﴾ کوئی کسی وقت بھی توبہ کرے اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے۔ ﴿2﴾ کوئی کسی وقت بھی لوٹے اللہ تعالیٰ رحم کرنے والا ہے۔ ﴿3﴾ توبہ ومغفرت کا دروازہ کھلا ہے۔ جس شخص کا ارادہ ہو آگے بڑھے اور توبہ کا دروازہ کھول لے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے ان صفات کا شعور اس لیے دلایا ہے کیونکہ لوگوں نے اپنے فیصلے طاغوت سے کروا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔

سوال10: اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات توّاب اور رحیم کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان صفات کا شعور اس لیے دلایا ہے کیونکہ لوگوں نے اپنے فیصلے طاغوت سے کروا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِىۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا (65)

پس تیرے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ آپ کو اس معاملے میں فیصلہ کرنے والا مان لیں، جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے پھر آپ جو فیصلہ کر دیں اس پر وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور وہ اسے تسلیم کر لیں، پوری طرح تسلیم کرنا۔ (65)

سوال1: اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا ایک انصاری (ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ) سے مقامِ حرّہ کی ایک نالی کے بارے میں جھگڑا ہو گیا (کہ اس سے کون اپنے باغ کو پہلے سینچنے کا حق رکھتا ہے)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: '' زبیر! پہلے تم اپنا باغ سینچ لو، پھر اپنے پڑوسی کو جلدی پانی دے دینا۔ '' اس پر ان انصاری صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ ﷺ! اس لیے کہ یہ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں؟ یہ سن کر آنحضور ﷺ کے چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا: '' زبیر! اپنے باغ کو سینچو اور پانی اس وقت تک روکے رکھو کہ منڈیر تک بھر جائے۔ پھر اپنے پڑوس کے لیے چھوڑ دو۔ '' (پہلے آنحضور ﷺ نے انصاری کے ساتھ اپنے فیصلے میں رعایت رکھی تھی) لیکن اس مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو صاف طور پر ان کا پورا حق دے

دیا کیونکہ انصاری نے ایسی بات کہی تھی جس سے آپ ﷺ کا غصے میں آنا قدرتی تھا۔زبیر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میرا خیال ہے کہ یہ آیات اسی سلسلے میں نازل ہوئی تھیں: تیرے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک وہ اپنے باہمی جھگڑوں میں آپ سے فیصلہ نہ کروائیں۔ پھر آپ جو فیصلہ کر دیں اس پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور اسے دل و جان سے تسلیم کریں۔(بخاری:4585)

سوال2: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ’’پس تیرے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ آپ کو اس معاملے میں فیصلہ کرنے والا مان لیں، جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے پھر آپ جو فیصلہ کر دیں اس پر وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور وہ اسے تسلیم کر لیں، پوری طرح تسلیم کرنا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے جھگڑوں میں اس کے رسول کو حکم تسلیم نہ کریں۔یعنی ہر اس معاملے میں رسول اللہ ﷺ کو حکم اور فیصل تسلیم کریں جس میں اجتماعی مسائل کے برعکس ان کے درمیان کسی قسم کا کوئی اختلاف واقع ہو۔کیونکہ اجماعی مسائل کتاب وسنت کی دلیل پر مبنی ہوتے ہیں۔پھر اس تحکیم کو تسلیم کرنا ہی کافی قرار نہیں دیا بلکہ یہ شرط بھی عائد کی کہ آپ کو حکم تسلیم کرنا محض اغماض کے پہلو سے نہ ہو بلکہ ان کے دلوں میں کسی قسم کی تنگی اور حرج نہ ہو اور اس تحکیم کو ہی کافی قرار نہیں دیا جب تک کہ وہ شرح صدر، اطمینان نفس ،ظاہری اور باطنی اطاعت کے ساتھ آپ کو فیصل تسلیم نہ کر لیں۔پس آپ کو حکم تسلیم کرنا اسلام کے مقام میں ہے،اس تحکیم میں تنگی محسوس نہ کرنا،ایمان کے مقام میں ہے اور آپ کے فیصلے پر تسلیم و رضا احسان کے مقام میں ہے۔جس کسی نے ان مراتب کو مکمل کر لیا اس نے دین کے تمام مراتب کی تکمیل کر لی اور جس نے اسکا التزام کیے بغیر اس تحکیم کو ترک کر دیا وہ کافر ہے اور جس نے التزام کرنے کے باوجود اس تحکیم کو ترک کر دیا وہ دیگر گناہ گاروں کی مانند ہے(تفسیر سعدی:536/1)﴿2﴾ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن ،سنت اور اجماع کے ذریعہ یہ ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اللہ نے بندوں پر اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کو فرض کیا ہے۔اوامر و نواہی میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ اس امت پر کسی کی اطاعت کو فرض نہیں کیا ہے۔اسی لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (جو نبی ﷺ کے بعد امت کے سب سے افضل انسان تھے) کہا کرتے تھے

کہ میں جب تک اللہ کی اطاعت کروں، تم لوگ میری اطاعت کرو، اور میں اللہ کی نافرمانی کروں تو تم لوگ میری اطاعت نہ کرو۔ تمام علمائے امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کوئی معصوم نہیں، اسی لیے بہت سے ائمہ کرام نے کہا ہے کہ ہر آدمی کی کوئی بات لی جائے گی اور کوئی چھوڑ دی جائے گی، سوائے رسول اللہ ﷺ کے، یہی وجہ ہے کہ فقہی مذاہب کے چاروں مشہور ائمہ نے لوگوں کو ہر بات میں اپنی تقلید کرنے سے منع فرمایا تھا۔ (تیسیر الرحمٰن: 273)

سوال3: رسول ﷺ کی اطاعت کس شکل میں ہوتی ہے؟

جواب: رسول ﷺ کی اطاعت نظامِ زندگی کی شکل میں ہوگی یعنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو میں اطاعت ہوگی۔

سوال4: فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ''پس! تیرے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے یہاں تک کہ وہ آپ کو اس معاملے میں فیصلہ کرنے والا مان لیں، جو ان کے درمیان جھگڑا پڑ جائے'' آپس کے جھگڑے کے موقع پر ایک مسلمان کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب: ﴿1﴾ اپنے نفس کو کنٹرول کرے۔ ﴿2﴾ ارادتاً اپنے آپ کو رسول ﷺ کے طریقے کا پابند بنائے۔ ﴿3﴾ نازک مواقع پر بھی رسول ﷺ کی اطاعت سے نہ ہٹے۔ ﴿4﴾ اسلامی شریعت کے فیصلوں پر دل سے راضی ہو۔ ﴿5﴾ ان فیصلوں کو دل سے قبول کرے۔

سوال5: رسول ﷺ کو ماننے والا کون ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اگر رسول ﷺ کا طریقہ مزاج کے خلاف ہو تب بھی دل کی رضامندی سے اُسے قبول کرے۔ ﴿2﴾ اگر رسول ﷺ کا طریقہ مصلحت کے خلاف ہو تب بھی خوشی سے اُسے قبول کرے۔ ﴿3﴾ جھگڑے کے موقع پر بھی رسول ﷺ کی راہ نمائی کو قبول کرے۔ ﴿4﴾ اپنے آپ کو رسول ﷺ کے طریقے کا پابند بنائے۔ ﴿5﴾ رسول ﷺ کی اطاعت پر جم جائے۔ ﴿6﴾ فخر الدین رازی کہتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھا کر کہا ہے کہ کوئی آدمی مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کے اندر مندرجہ ذیل شرطیں نہ پائی جائیں: (1) رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ سے راضی ہونا۔ (2) دل میں اس بات کا یقین رکھنا کہ رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ ہی برحق ہے (3) رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو قبول کرنے میں ذرا سا بھی تردد سے کام نہ لینا۔ اس کے بعد لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر صحیح حدیث اس آیت کے ضمن میں آتی ہے، اور وہ شخص جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان رکھتا ہے، اس پر واجب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر صحیح حدیث کو قبول کرے، اور مذہبی تعصب کی وجہ سے کسی حدیث

کوردنہ کرے، ورنہ اس آیت میں مذکور وعید اس کو بھی شامل ہوگی۔(تیسر الرحمٰن:272)

سوال6: ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ ’’پھرآپ جوفیصلہ کردیں اس پر وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ وہ ربانی فیصلہ ہے جس کے برحق ہونے کا دل میں اعتقاد رکھنا ضروری ہے اور عمل کے ذریعے بھی اس پر ایمان رکھنے کا ثبوت فراہم کرنا ضروری ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ لوگوں کا ظاہر و باطن اسے تسلیم کرلے اور اس کی حقانیت کے بارے میں دل کے کسی گوشے میں بھی شبہ باقی نہ رہے۔(تیسیر الرحمٰن)

سوال7: منافقین کے دلوں کی تنگی کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ منافقین پچھلے رابطوں اور تعلقات سے آزاد نہیں ہوئے۔خاندان، برادری، قوم، وطن اور سرزمین کی وابستگیاں انہیں جکڑے ہوئے ہیں۔اس وجہ سے وہ دل سے رسول اللہ ﷺ کے فیصلوں کو قبول نہیں کر پا رہے۔﴿2﴾ آیت کا مطلب یہ ہے کہ نبی ﷺ کے کسی فیصلے سے اختلاف کرنا تو دور کی بات ہے اس پر دل میں گھٹن محسوس کرنا بھی ایمان کے خلاف ہے۔﴿3﴾ یہ آیت منکرینِ حدیث کے علاوہ ان لوگوں کے لیے بھی لمحہ فکریہ ہے جن کے امام یا پیر کے خلاف کوئی آیت یا حدیث آجائے تو وہ صرف دل میں ہی تنگی محسوس نہیں کرتے بلکہ ماننے سے بھی صاف انکار کردیتے ہیں کہ کیا ہمارے امام کو اس آیت وحدیث کا علم نہ تھا؟ یا پھر اس کی تاویل کرنے، اسے ضعیف بنانے یا اسے منسوخ قرار دینے کے لیے اپنی ساری قوت صرف کردیتے ہیں۔(دعوۃ القرآن) ﴿4﴾ سالم بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تمہاری خواتین تم سے مساجد میں جانے کی اجازت طلب کریں تو تم انہیں مساجد میں جانے سے منع نہ کیا کرو۔ یہ حدیث سن کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیٹے بلال بن عبداللہ کہنے لگے: ’’اللہ کی قسم! ہم تو انہیں ضرور منع کریں گے۔‘‘ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما ان کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں شدید برا بھلا کہا، اتنا برا بھلا کہا کہ میں نے آج تک انہیں کسی کو اتنا برا بھلا کہتے ہوئے نہیں دیکھا اور انہوں نے فرمایا: ’’میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں اور تم کہتے ہو: اللہ کی قسم! ہم انہیں ضرور منع کریں گے۔‘‘(مسلم) ﴿5﴾ عبداللہ بن بریدہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک شخص (رشتہ دار) کو دیکھا کہ وہ پتھر یا کنکریاں اٹھا اٹھا کر پھینک رہا ہے تو انہوں نے کہا

ایسا مت کرو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے یا انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ اسے ناپسند فرماتے تھے اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''اس سے نہ شکار کیا جا سکتا ہے اور نہ اس سے دشمن کا خون بہایا جا سکتا ہے، ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ یہ کسی کا دانت توڑ دیں اور کسی کی آنکھ پھوڑ دیں۔'' اس کے بعد عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے اسی آدمی کو پھر دیکھا کہ وہ اسی طرح کنکریاں یا پتھر اٹھا اٹھا کر پھینک رہا ہے تو وہ کہنے لگے، میں تمہیں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کرتا ہوں کہ آپ ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہے یا اسے ناپسند کیا ہے اور تم پھر بھی اسی طرح کنکریاں پھینک رہے ہو! میں تم سے اتنا عرصہ بات نہیں کروں گا۔ ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں تم سے کبھی بات نہیں کروں گا۔ (بخاری:5479)

سوال8: وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا'' اور وہ اسے تسلیم کرلیں، پوری طرح تسلیم کرنا'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ وہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر سرِ تسلیم خم کر دیں۔ (تفسیر سعدی:536/1) ﴿2﴾ خاندان، برادریوں، قوموں وطن اور زمین کی وابستگیوں سے اُوپر اُٹھ کر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ سے وابستگی کا ثبوت دیں۔ ﴿3﴾ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے دونوں جہانوں کی سعادت رسول اللہ ﷺ کی متابعت میں رکھ دی اور دونوں جہانوں کی بدبختی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں ہے۔ ﴿4﴾ سیدنا انس سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (پورا) مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کو میری محبت اپنے باپ اور اپنی اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو۔ (بخاری:14) ﴿5﴾ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں تو اُن کے لیے خود اپنے معاملے میں اختیار ہو اور جو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو یقیناً وہ گمراہ ہو گیا، واضح گمراہ ہونا۔ (الاحزاب:36) ﴿6﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''میری امت کے لوگ سارے جنت میں جائیں گے' سوائے ان لوگوں کے جنھوں نے انکار کیا'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کس نے انکار کیا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی (اس نے انکار کیا)'' (صحیح بخاری:7280) آپ ﷺ کی اتباع میں امن، فلاح، عزت، کفایت، نصرت، ولایت، تائید دنیا و آخرت میں اچھی زندگی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں ذلت، پستی، خوف، گمراہی، رسوائی، دنیا و آخرت کی

بدبختی ہے۔(بخاری)

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا(66)

اگر واقعتاً ہم ان پر فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو وہ ایسا نہ کرتے مگر ان میں سے بہت تھوڑے لوگ اور اگر واقعتاً وہ اس پر عمل کرتے جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً ان کے لیے بہت بہتر اور زیادہ ثابت قدم رکھنے والا ہوتا۔(66)

سوال1: وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ ''اگر واقعتاً ہم ان پر فرض کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کرو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو وہ ایسا نہ کرتے''قتلِ نفس اور جلاوطنی ایسے احکامات ہیں جو بہت مشکل ہیں'' وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اگر یہ حکم دیا جاتا کہ ایک دوسرے کو قتل کر دو یا گھروں سے نکل جاؤ تو یہ احکامات فرائض کے طور پر نافذ ہو جاتے پھر عمل نہیں کیا جا سکتا تھا۔﴿2﴾ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہ احکامات عائد نہیں کیے۔

سوال2: اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ''مگر ان میں سے بہت تھوڑے لوگ'' اس میں رسول اللہ ﷺ نے کس کی طرف اشارہ کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾ قلیل کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔﴿2﴾ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ فرائض عائد کرتا تو یہ ان قلیل لوگوں میں ہوتے۔﴿3﴾ اگر یہ حکم نازل ہوتا تو ابن اُم عبد رضی اللہ عنہ بھی ان میں سے ہوتا۔(ابن کثیر)﴿4﴾ قلیل سے مراد وہ لوگ ہیں جو ان میں سے اخلاص والے ہیں۔(الاساس فی التفسیر:1108/2)

سوال3: ہجرت اور جہاد سے انسان کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ انسان کو ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے۔﴿2﴾ انسان کو اجرِ عظیم نصیب ہوتا ہے۔﴿3﴾ انسان کو صحیح راستے کی طرف راہ نمائی نصیب ہوتی ہے۔

سوال4: وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ ''اور اگر واقعتاً وہ اس پر عمل کرتے جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ انہیں شریعت کی اتباع اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی نصیحت کی جاتی ہے۔(تفسیر

فتح القدیر:619/1)﴿2﴾ مَایُوْعَظُوْنَ بِهٖ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اس کے نواہی میں جس سے نصیحت کی جاتی ہے۔

سوال5: لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ”تو یقیناً ان کے لیے بہت بہتر اور زیادہ ثابت قدم رکھنے والا ہوتا“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ دنیا اور آخرت میں ان کے لیے بہتر ہوتا۔(تفسیر قرطبی:187/3)﴿2﴾ تَثْبِيْتًا اس کے معنی یقین اور تصدیق کے ہیں۔(تفسیر ثعالبی:259/2)﴿3﴾ جو حکم ہم نے انہیں دیئے ہیں وہ نہایت آسان اور ان کی خیر خواہی کے لیے آسان اور محض ان کی خیر خواہی کے لیے ہیں نصیحت مانیں اور ان احکام پر چلیں نفاق جاتا رہے گا ایمان کامل نصیب ہوگا۔اس امر کو غنیمت سمجھیں۔(اشرف الحواشی:107/1)﴿4﴾ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر انہوں نے اس چیز پر عمل کیا ہوتا جس کی انہیں نصیحت کی گئی ہے یعنی تمام اوقات کے مطابق ان کے لیے جو اعمال پیش کیے گئے ہیں، ان کے لیے اپنی ہمتیں صرف کرتے ان کے انتظام اور ان کی تکمیل کے لیے ان کے نفوس پوری کوشش کرتے اور جو چیز انہیں حاصل نہ ہوسکتی اس کے لیے کوشش نہ کرتے اور اس کے درپے نہ ہوتے اور بندے کے لیے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنے حال پر غور کرے، جس کو قائم کرنا لازم ہے اس کی تکمیل میں جدوجہد کرے پھر بتدریج تھوڑا تھوڑا آگے بڑھتا رہے یہاں تک کہ جو دینی اور دنیاوی علم و عمل اس کے لیے مقدر کیا گیا ہے اسے حاصل کرلے۔ یہ اس شخص کے برعکس ہے جو اس معاملے پر ہی نظریں جمائے رکھتا ہے جہاں تک وہ نہ پہنچ سکا۔ اور نہ اس کو اس کا حکم دیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ تفریق ہمت، سستی اور غم و نشاط کی بنا پر اس منزل تک نہیں پہنچ سکا۔ پھر ان کو جو نصیحت کی گئی ہے اس پر عمل کرنے سے جو نتائج نکلتے ہیں ان کے چار مراتب ہیں: اول: بھلائی کا حصول۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ثانی: ثابت قدمی اور اس کے اضافے کا حصول۔ ثالث: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا رابع: صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی۔(تفسیر سعدی:535-538/1)

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا(67)

اور تب ہم انہیں یقیناً اپنی جانب سے اجرِ عظیم عطا کرتے۔(67)

سوال1: اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن جریر نے سدی سے روایت کیا ہے کہ جس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو ثابت بن قیس بن شماس انصاری اور ایک یہودی نے آپس میں فخر کیا۔ یہودی کہنے لگا اللہ کی قسم! جب اللہ تعالیٰ نے ہم پر خودکشی فرض کی تو ہم نے خودکشی کرلی، ثابت بولے

اللہ کی قسم! اگر ہم پر بھی خودکشی فرض کی جاتی تو ہم ایسا کر لیتے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ (تفسیر ابن عباس: 276/1)

سوال 2: وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا '' اور تب ہم انہیں یقیناً اپنی جانب سے اجرِ عظیم عطا کرتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اجرِ عظیم سے مراد آخرت کا اجر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے کام کرنے کی صورت میں جس کی نصیحت کی جاتی ہے ثابت قدمی اور بہتری کے ساتھ اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ ﴿2﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ جنت میں سو درجے ہیں جن کو اللہ نے ان لوگوں کے لیے تیار فرمایا ہے جو اس کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ہے سو جب تم اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کرو کیونکہ وہ جنت کا سب سے زیادہ بہتر اور بلند درجہ ہے اور اس کے اوپر رحمٰن کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی نہریں جاری ہیں۔ (رواہ البخاری: 1104/2) ﴿3﴾ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بلاشبہ (عام) جنتی بالا خانوں کے رہنے والوں کو اپنے اوپر اس طرح دیکھیں گے جیسے تم (دنیا میں) چمکدار ستارہ کو دیکھتے ہو جو آسمان کے کناروں میں مشرق یا مغرب کی جانب دور نظر آ رہا ہو اور یہ ان کے آپس کے فرق مراتب کی وجہ سے ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ تو انبیاء کرام کے رہنے کی جگہیں ہوں گی جہاں اور کوئی نہ پہنچے گا۔ آپ نے فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے انبیاء کرام کے علاوہ وہ لوگ ان میں رہیں گے جو اللہ پر ایمان لائے اور پیغمبروں کی تصدیق کی۔ (بخاری: 461/1)

وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا (68)

اور لازماً ہم انہیں سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت دیتے۔ (68)

سوال 1: وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا '' اور لازماً ہم انہیں سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت دیتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ '' اور لازماً ہم انہیں سیدھے راستے پر چلنے کی ہدایت دیتے'' ہم انہیں دین حق پر ثبات عطا کرتے اور ان کے دلوں کو ہدایت عطا کرتے۔ ﴿2﴾ صراط مستقیم سے مراد اسلام ہے جو کمال کا راستہ ہے اور دونوں زندگیوں کی سعادت ہے اور ہدایت سے مراد توفیق ہے۔

سوال 2: اللہ تعالیٰ نے سیدھے راستے پر گامزن کرنے کا وعدہ کس صورت میں کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے نصیحت پر عمل کرنے کی صورت میں سیدھے راستے پر گامزن کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓـئِكَ رَفِيۡقًا(69)

اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا، نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین میں سے! اور یہی بہترین ساتھی ہیں۔(69)

سوال1: اس آیت کا شانِ نزول بتائیں؟

جواب: ابن جریر میں ہے کہ ایک انصاری نبی ﷺ کے پاس آئے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ سخت مغموم ہیں۔ سبب دریافت کیا تو جواب ملا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہاں تو صبح شام ہم لوگ آپ کی خدمت میں آبیٹھتے ہیں دیدار بھی ہو جاتا ہے اور دو گھڑی صحبت بھی میسر ہو جاتی ہے لیکن کل قیامت کے دن تو آپ ﷺ نبیوں کی اعلیٰ مجلس میں ہوں گے۔ ہم تو آپ ﷺ تک پہنچ بھی نہ سکیں گے۔ حضور ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا اس پر سیدنا جبرئیل علیہ السلام یہ آیت لائے تو آپ ﷺ نے آدمی بھیج کر انہیں یہ خوشخبری سنادی۔ (تفسیر ابن کثیر) معالم التنزیل لکھتے ہیں کہ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ جو رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے ان کو رسول اللہ ﷺ سے بہت محبت تھی اور آپ کی زیارت کے بغیر صبر نہیں کر سکتے تھے۔ ایک دن حاضر خدمت ہوئے تو ان کے چہرے کا رنگ بدلا ہوا تھا جس کی وجہ سے رنج وغم کا اثر ظاہر ہو رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تمہارا رنگ کس چیز نے بدل دیا؟ عرض کیا یا رسول اللہ نہ مجھے کوئی مرض ہے نہ کوئی تکلیف ہے صرف اتنی بات ہے کہ مجھے آپ کی ملاقات کا بہت زیادہ شوق ہوا اور اس کے بغیر مجھے چین نہ آیا اور اپنے اندر بہت سخت وحشت محسوس کرتا رہا پھر مجھے آخرت یاد آگئی اس پر یہ خیال آیا کہ میں وہاں آپ کو نہ دیکھ سکوں گا اور اگر جنت میں داخلہ نہ ملا تو کبھی بھی آپ کو نہ دیکھ سکوں گا اس پر آیت بالا نازل ہوئی۔ معلوم ہوا کہ باوجود درجات مختلف ہونے کے اہل جنت کی آپس میں معیت اور ملاقات ہوگی۔ (معالم التنزیل:450/1)

سوال2: وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ ''اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا'' یعنی فرائض ادا کریں اور نواہی سے اجتناب کریں۔ (تفسیر خازن:397/1)

سوال3: فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ''تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے جو انعام کیا وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کی معرفت، اس کی محبت اور ناراضگی کی معرفت اور اس کے پسند کے کاموں کی توفیق اور اس کی ناراضگی کے کاموں کو چھوڑنے کی توفیق اور جہاں تک آخرت کے انعامات کا تعلق ہے تو وہ نعمتوں والے گھر میں جگہ پانا ہے۔ (ایسر التفاسیر:276) ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کا انعام جنت میں داخلہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیے گئے وعدوں کا پالینا ہے۔ (تفسیر فتح القدیر:619/1) ﴿3﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر دو بندوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے آپس میں محبت کی اگر ان میں سے ایک شخص مشرق میں تھا اور دوسرا مغرب میں تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان دونوں کو جمع فرمائیں گے اور ارشاد ہوگا کہ یہ ہے وہ شخص جس سے تو میرے لیے محبت کرتا تھا۔ (مشکوۃ المصابیح:427) ﴿4﴾ سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص کے بارے میں کیا ارشاد ہے جو ایک جماعت سے محبت رکھتا ہے لیکن ان سے میل نہیں ہو سکا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ ''انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔'' (بخاری:6169) ﴿5﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر ہم اتنا خوش ہوئے کہ اس طرح کسی بات پر ہم خوش نہیں ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس محبت کی وجہ سے ان کے ساتھ ہوں گا اگرچہ میں ان کے (نیک) اعمال کی طرح (نیک) اعمال نہ کر سکا۔ (بخاری:3688)

سوال4: مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ ''نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین میں سے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اس آیت میں چار قسم کے انعام یافتہ لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے: ﴿1﴾ **انبیاء:** جو اپنی اُمت کے افضل ترین افراد تھے۔ ﴿2﴾ **صدیق:** جو ہمیشہ سچ بولنے والا، حق کی گواہی دینے والا، حق کا ساتھ دینے والا ہو۔ صدیقین وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس وحی کی کامل تصدیق کی جو رسول لے کر آئے تھے۔ اور انہوں نے حق کو جان لیا اور یقین کامل کے ساتھ اس کی تصدیق کی اور پھر اپنے قول و فعل، حال اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے کر اس حق کو قائم کیا۔ (تفسیر سعدی: 539/1) رب العزت کا ارشاد ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَالشُّهَدَآءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ اور جو اللہ تعالیٰ پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے، وہی لوگ بہت سچے ہیں

اور وہی اللہ تعالیٰ کے پاس گواہی دینے والے ہیں، اُن کے لیے ان کا اجر اور اُن کا نور ہے اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا یہی لوگ دوزخی ہیں۔(الحدید:19) رسول اللہ ﷺ نے اپنے سفرِ معراج کے بارے میں قریش کو اطلاع دی تو اکثر لوگوں نے کہا کہ واللہ یہ تو صاف نا قابلِ قبول ہے۔ بہت سے لوگ جنہوں نے اسلام اختیار کر لیا تھا مرتد ہو گئے۔ لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے کہا: اے ابو بکر! کیا تمہیں اپنے دوست کے متعلق اب بھی حسنِ ظن ہے؟ وہ تو دعویٰ کرتا ہے کہ آج کی رات وہ بیت المقدس پہنچا، وہاں نماز پڑھی اور مکہ واپس آیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: واللہ! اگر انہوں نے ایسا کہا تو سچ کہا۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ سے تفصیلات سنیں۔ کہتے جاتے تھے: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اے ابو بکر! تم صدیق ہو۔'' غرض اسی دن آپ ﷺ نے انہیں ''صدیق'' کا لقب عطا فرمایا۔ (سیرت ابنِ ہشام) ﴿3﴾ **شہید:** جو اپنی جان دے کر یہ ثابت کرتا ہے کہ جس چیز پر وہ ایمان لایا تھا وہ سچ ہے۔ ﴿4﴾ صالح: وہ انسان جس کے ہر عمل سے نیکی ظاہر ہوتی ہے اور جو ساری زندگی میں نیک رویہ رکھے۔

سوال5: وَالصِّدِّيقِينَ ''اور صدیقوں'' صدیقیت سے کیا مراد ہے؟

جواب: صدیقیت سے مراد ایمان اور اطاعت کا کمال ہے۔

سوال6: وَالصّٰلِحِينَ ''اور صالحین'' صالح کون ہے؟

جواب: جو اللہ تعالیٰ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کا مکمل طور پر خیال رکھے اور ان میں کسی قسم کی سستی اور کوتاہی نہ کرے۔

سوال7: وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيقًا ''اور یہی بہترین ساتھی ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس سے مراد جنت کے اچھے رفیق ہیں۔ ﴿2﴾ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو نبی مرض الموت میں بیمار ہوتا ہے تو اسے دنیا اور آخرت کا اختیار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ مرض الموت میں جب آنحضرت ﷺ کی آواز گلے میں پھنسنے لگی تو میں نے سنا کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے: ''ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ'' اس لیے میں سمجھ گئی کہ آپ ﷺ کو اختیار دیا گیا ہے (اور آپ ﷺ نے **اللّٰھم بالرفیق الاعلیٰ** کہہ کر آخرت کو پسند فرمایا۔) (بخاری:4586) ﴿3﴾ سیدنا ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں رات رسول اللہ ﷺ کے پاس گزارتا تھا اور آپ ﷺ کے استنجاء اور وضو کے لیے پانی لایا کرتا تھا۔ آپ ﷺ نے ایک رات فرمایا: ''مانگو!'' میں نے کہا: ''میں جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت کا

سوال کرتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس کے علاوہ اور کچھ؟'' میں نے عرض کیا: ''بس یہی۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اپنے معاملے میں سجود کی کثرت کے ساتھ میری مدد کرو۔'' (مسلم:1094) ﴿4﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے تو رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے، ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے بھی محبت ہے لہٰذا مجھے یہی امید ہے کہ ان کے ساتھ محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان کے ساتھ ہی اٹھائے گا گو کہ میں ان جیسے عمل نہ کرسکا۔ (بخاری:3688) ﴿5﴾ **اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ اِیۡمَانًا لَّایَرۡتَدُّ وَنَعِیۡمًا لَّایَنۡفَدُ وَمُرَافَقَۃَ مُحَمَّدٍ ﷺ فِیۡ اَعۡلَی جَنَّۃِ الۡخُلۡدِ** ''اے اللہ! میں تجھ سے کبھی نہ پھرنے والے ایمان کا سوال کرتا ہوں اور ایسی نعمت کا جو کبھی ختم نہ ہو اور جنتِ خلد کے اعلیٰ درجوں میں محمد ﷺ کی رفاقت کا۔'' (ابن حبان:604/2436)

ذٰلِكَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيۡمًا (70)

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے، سب کچھ جاننے والا ہے۔ (70)

سوال 1: ذٰلِكَ الۡفَضۡلُ مِنَ اللّٰهِ ''یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے'' اللہ تعالیٰ کے فضل سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جنت میں انبیاء، صدیقین اور شہداء کی رفاقت اللہ کے فضل وکرم سے ملے گی، عبادتوں کی وجہ سے نہیں۔ عبادتیں تو ایک بہانہ ہوں گی۔ (تیسیر الرحمٰن)

سوال 2: وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيۡمًا'' اور اللہ تعالیٰ کافی ہے، سب کچھ جاننے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال کا علم رکھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ ان میں سے کون ان اعمال صالحہ کے ذریعے سے جن پر ان کے دل اور اعضاء متفق ہوں، ثواب جزئل (زیادہ اجر) کا مستحق ہے۔ (تفسیر سعدی:539/1)

رکوع نمبر 7

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا خُذُوۡا حِذۡرَكُمۡ فَانۡفِرُوۡا ثُبَاتٍ اَوِ انۡفِرُوۡا جَمِيۡعًا (71)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے بچاؤ کا سامان لے لو، چنانچہ تم دستوں میں نکلو یا اکٹھے ہی نکل پڑو۔ (71)

سوال 1: ان آیات کا سبب نزول کیا ہے؟

جواب: یہ آیات غزوۂ احد کے بعد اور غزوۂ احزاب سے پہلے نازل ہوئیں۔ احد کی شکست کے بعد ارد گرد کے قبائل کی ہمتیں

بلند ہوگئی تھیں۔مسلمان ہرطرف سے خطرات میں گھرے ہوئے تھے۔آئے دن یہ پتہ چلتا تھا کہ فلاں قبیلے نے بغاوت کردی ہے،فلاں قبیلے نے مسلمان مبلغین کو مارڈالا ہے۔ان حالات میں مسلمانوں کی طرف سے ہمہ وقت تیاری کی ضرورت تھی تا کہ اسلام کا دفاع کیا جاسکےاس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔(تیسیر القرآن:425/1)

سوال2: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے بچاؤ کا سامان لے لو'' سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》اس آیت میں محمد ﷺ کی امت کے مخلص لوگوں سے خطاب ہے،انہیں جہاد کا،فی سبیل اللہ نکلنے کا اور اسلام کی حمایت کا حکم دیا گیا ہے(تفسیر فتح القدیر:620/1)《2》یہ حکم ان تمام اسباب کو شامل ہے جو دشمن کے خلاف جنگ میں مدد دیتے ہیں۔جن کے ذریعے سے دشمن کی چالوں اور سازشوں کو ناکام بنایا جاتا اور اس کی قوت کو توڑا جاتا ہے مثلاً قلعہ بندیوں اور خندقوں کا استعمال،تیراندازی اور گھڑسواری سیکھنا،ان تمام صنعتوں کا علم حاصل کرنا جو دشمن کے خلاف جنگ میں مدد دیتا ہے،وہ علوم سیکھنا جن کے ذریعے سے دشمن کے خارجی اور داخلی حالات اور ان کی سازشوں سے باخبر رہا جاسکے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لیے نکلنا۔(تفسیر سعدی:540/1)《3》اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ اپنے لیے ساز وسامان بھی تیار کرو تا کہ دشمن کا مقابلہ کرسکو اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لیے بھی زیادہ سے زیادہ لوگوں کو تیار رکھو۔《4》اسی بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ اٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ یَعْلَمُهُمْ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ اور جو تم استطاعت رکھتے ہو ان کے (مقابلے) کے لیے قوت سے اور گھوڑے باندھنے سے تیاری کرو،تم اس سے اللہ تعالیٰ کے دشمن کو اور اپنے دشمن کو اور ان کے علاوہ دوسروں کو خوف زدہ کروگے،جنہیں تم نہیں جانتے،اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو چیز بھی تم خرچ کروگے وہ پوری پوری تمہاری طرف لوٹادی جائے گی اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔(الانفال:60)《5》سہیل نے کہا: جو شخص یہ کہتا ہے کہ توکل اسباب کو چھوڑ کر ہوتا ہے وہ سنت رسول پر طعن کرتا ہے کیونکہ اللہ عزوجل نے فرمایا: فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ سو جو مالِ غنیمت تم نے حاصل کیا ہے اُس میں سے کھاؤ،حلال اور پاک ہے۔اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو،بلاشبہ اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا،نہایت رحم والا ہے۔(الانفال:69)《6》رب العزت کا فرمان ہے: اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلو ہلکے ہو یا بوجھل اور اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو،یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔(التوبہ:41)《7》ابوسعید

خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ عرض کیا گیا: یارسول اللہ ﷺ! کون شخص سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ مومن جو اللہ کے راستے میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اور اس کے بعد کون؟ فرمایا: وہ مومن جو پہاڑ کی کسی گھاٹی میں رہنا اختیار کرے، اللہ تعالیٰ کا خوف رکھتا ہو اور لوگوں کو چھوڑ کر اپنی برائی سے ان کو محفوظ رکھے۔ (صحیح بخاری :2786) ﴿8﴾ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کی موت واقع ہوگئی اور اس نے جہاد نہ کیا اور نہ اس کے دل میں اس کی تمنا ہوئی تو وہ نفاق کے شعبہ پر مرا۔ (صحیح مسلم :4931) ﴿9﴾ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس سال تبوک کی لڑائی ہوئی، اس سال رسول اللہ ﷺ اپنی سواری سے پیٹھ لگائے ہوئے لوگوں کو خطبہ سنا رہے تھے۔ پھر فرمایا: سنو میں تم کو خبر دیتا ہوں بھلے آدمی کی اور برے آدمی کی، بہتر اور بھلا آدمی لوگوں میں وہ شخص ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی پیٹھ یا اونٹ پر سوار ہو کر یا اپنے پاؤں سے چل کر کام کیا یہاں تک کہ اس کو موت نے آلیا یعنی اسی کام میں مر گیا اور سب سے بدتر اور شریر وہ شخص ہے جو بدکار ہے کہ کتاب اللہ کو پڑھتا ہے اور اس کتاب کے مضمون میں سے کسی چیز کا خیال نہیں کرتا۔ (سنن نسائی :3108) ﴿10﴾ بعض مفسرین نے کہا یہ آیت جہاد کے واجب ہونے اور بچاؤ کا سامان ساتھ لینے کے واجب ہونے پر دلیل ہے۔ (تفسیر قاسمی :304/5)

سوال3: فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِانْفِرُوْا جَمِیْعًا ''چنانچہ تم دستوں میں نکلو یا اکٹھے ہی نکل پڑو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ثُبَاتٍ سے مراد ٹکڑیاں، دستے اور سواروں کی جماعت ہے۔ ﴿2﴾ اَوِانْفِرُوْا جَمِیْعًا ''چنانچہ تم دستوں میں نکلو یا اکٹھے ہی نکل پڑو'' یعنی سب نکل پڑو۔ ﴿3﴾ اسلام اور مسلمانوں کے وجود کے لیے جنگ ناگزیر تھی کیونکہ اردگرد بے شمار مخالفتیں تھیں جن میں وہ گھرے ہوئے تھے۔ ﴿4﴾ مدینہ کی اسلامی ریاست کے اندر منافقین اور یہودی مسلمانوں کے خلاف گہری سازشیں کر رہے تھے اس لیے حکم دیا گیا کہ چھوٹے دستوں کی شکل میں نکلو یا بڑے لشکر (فوج) کی صورت میں جیسے ضرورت پیش آئے۔

سوال4: عرب میں جنگ کے کون سے طریقے معروف تھے؟

جواب: ﴿1﴾ گوریلا جنگ جو ٹکڑیوں اور دستوں کی صورت میں دشمن پر چھاپا مارتی تھی۔ ﴿2﴾ منظّم فوج کی صورت میں لشکر کشی۔ نبی ﷺ نے دونوں طرح سے جنگیں لڑی ہیں۔

سوال5: اس آیت میں اہلِ ایمان کو کیا ہدایات دی گئی ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے مقابلے میں ہر وقت چوکنا رہیں۔ ﴿2﴾ پُر امن تدبیروں اور جنگی تیاریوں سے اپنے

بچاؤ کا انتظام کریں۔﴿3﴾ متفرق طور پر بھی اور مل کر بھی دشمن کا مقابلہ کریں۔

وَ اِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَکُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا (72)

اور بلاشبہ تم میں یقیناً وہ بھی ہے جو نکلنے میں ضرور بہ ضرور دیر لگائے گا، چنانچہ اگر تمہیں کوئی مصیبت آ پہنچے تو کہے گا: ’’یقیناً اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعام کیا جب کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا۔ (72)

سوال1: وَ اِنَّ مِنْکُمْ لَمَنْ لَّیُبَطِّئَنَّ ’’اور بلاشبہ تم میں یقیناً وہ بھی ہے جو نکلنے میں ضرور بہ ضرور دیر لگائے گا‘‘ لڑائی کے لیے نکلنے میں دیر لگانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ لڑائی کے لیے نکلنے میں دیر لگانے سے مراد یہ ہے کہ جنگ کے لیے نکلنے میں نقصان کا اندیشہ نظر آئے تو عذر تلاش کرنا، دوسروں کی ہمت توڑنا اور ایسی باتیں کرنا جس سے خود بھی رُکیں اور دوسروں کو بھی روکیں۔﴿2﴾ یہ خطاب منافقوں کے لیے ہے جنگ کے دوران ان کا جو کردار ہوتا ہے اسے بے نقاب کیا گیا ہے۔﴿3﴾ عبداللہ بن ابی نے غزوہ احد کے موقع پر لوگوں کو بھڑکایا تھا اور منافقوں کو ساتھ لے کر راستے سے واپس چلا گیا تھا۔﴿4﴾ رب العزت نے اسی رویے کی ایک اور جگہ وضاحت فرمائی ہے۔ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَ اِنْ تُصِبْكَ مُصِیْبَةٌ یَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَاۤ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ یَتَوَلَّوْا وَّ هُمْ فَرِحُوْنَ اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے تو ان کو بُری لگتی ہے اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں کہ بلاشبہ ہم نے اپنے معاملے میں پہلے ہی احتیاط اختیار کر لی تھی اور اس حال میں پلٹتے ہیں کہ وہ خوش ہوتے ہیں۔ (التوبہ:50)

سوال2: فَاِنْ اَصَابَتْکُمْ مُّصِیْبَةٌ ’’چنانچہ اگر تمہیں کوئی مصیبت آ پہنچے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: مقاتل نے کہا: اس دشمن سے پہنچے والی مصیبت اور زندگی کی سختیاں اور تنگیاں ہیں۔﴿2﴾ دشمن سے مصیبت یا تو شکست کی صورت میں پہنچتی ہے یا تو قتل کی صورت میں اور زندگی میں۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ سے کون جی چراتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ سے وہ جی چراتا ہے جو دنیا کے نقصان کا خطرہ مول لیے بغیر آخرت کا سودا کرنا چاہتا ہے۔ ﴿2﴾ جو اسلام قبول کرنے کے باوجود موجودہ دنیا کے مفادات میں جی رہا ہو۔﴿3﴾ جن کو آخرت کی اہمیت کا احساس نہ ہو۔

سوال4: قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَکُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا ’’تو کہے گا یقیناً اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعام کیا جب کہ میں ان کے ساتھ

موجود نہ تھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اس آیت کریمہ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب منافقوں نے سنا کہ مسلمانوں کو یہ مصیبت آئی کہ دشمنوں نے قتل کیا یاانہیں زخم پہنچے تو وہ اپنی جنگ سے عدم موجودگی کو نعمت سمجھتے ہیں۔《2》اپنی ضعف عقل اور ضعف ایمان کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ جہاد سے جی چرا کر پیچھے بیٹھ رہنا نعمت ہے۔حالانکہ یہی تو مصیبت ہے۔وہ نہیں جانتا کہ حقیقی نعمت تو اس بڑی نیکی کی توفیق ہے جس کے ذریعے سے ایمان قوی ہوتا ہے اوراس کی وجہ سے بندہ عذاب وخسران سے محفوظ ہوتا ہے اوراس جہاد میں ثواب اوررب کریم ووہاب کی رضا حاصل ہوتی ہے۔رہا جہاد چھوڑ کر بیٹھ رہنا تو اگر چہ پیچھے رہنے والاتھوڑا سا آرام تو کر لیتا ہے مگر اس آرام کے بعد طویل دکھ اور بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ اس عظیم اجروثواب سے بھی محروم ہو جاتا ہے جو مجاہدین کو حاصل ہوتا ہے۔(تفسیر سعدی:541/1)

سوال5: جولوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلنے سے جی چراتے ہیں وہ جنگ سے اپنی غیر حاضری کو نعمت کیوں محسوس کرتے ہیں؟

جواب:《1》جولوگ اپنا مقصدِ تخلیق نہیں سمجھتے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرنا چاہتے اس لیے اس کی راہ میں نکلنے سے جی چراتے ہیں۔ان کے نزدیک نہ نکلنا بچنا ہے۔اس بچنے کو وہ نعمت سمجھتے ہیں۔《2》جولوگ زندگی کا مقصد نہیں رکھتے،اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لیے راستے کی مشکلات کو برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتے،دراصل وہ اس دین کو نہ اپنی ضرورت خیال کرتے ہیں نہ اس کی خاطر مشکلات برداشت کرنے کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔وہ بچ نکلتے ہیں اور بچ نکلنے کو نعمت محسوس کرتے ہیں۔《3》اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت اور جہاد کے لیے مواقع اس وجہ سے دیتے ہیں تا کہ انسان اپنی بشری کمزوریوں پر قابو پائیں اوردنیا کی قید سے آزاد ہو جائیں لیکن اطاعت سے جی چرانے والے ان مواقع سے بچ نکلنے میں عافیت سمجھتے ہیں حالانکہ اپنی کمزوریوں سے نجات حاصل کرنے میں عافیت ہے۔

سوال6: اللہ تعالیٰ کی راہ کا مجاہد کون ہے؟

جواب:《1》مجاہد فی سبیل اللہ وہ ہے جوصرف آخرت کا طلب گار ہو۔《2》جو دنیا کے فائدے اور دنیا کی مصلحتیں قربان کر کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں آگے بڑھنے والا ہو۔

وَلَىِٕنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا(73)

اور یقیناً اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے (فتح یا غنیمت) مل جائے تو وہ ضرور کہے گا گویا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی ہے ہی نہیں، اے کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا کہ میں بھی عظیم کامیابی حاصل کرتا۔(73)

سوال1: وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ ''اور یقیناً اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے (فتح یا غنیمت) مل جائے'' منافق کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا فضل کیا ہے؟

جواب: مقاتل بن حیان نے کہا: منافق کے نزدیک فضل ملنے سے مراد فتح، غنیمت اور رزق میں وسعت ہے۔(ابن ابی حاتم:1000/3)

سوال2: لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ ''تو وہ ضرور کہے گا گویا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی ہے ہی نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》لَيَقُوْلَنَّ ''تو وہ ضرور کہے گا'' منافق اپنے بیٹھ رہنے پر ندامت محسوس کرتے ہوئے، دنیا کے مفادات چکنا چور ہوتے دیکھ کر اور مال غنیمت کے چھوٹ جانے پر حسرت محسوس کرتے ہوئے کہے گا۔《2》مَوَدَّةٌ یہاں اس سے مراد دینی تعلق اور اس تعلق کی معرفت ہے۔《3》منافق دینی تعلق کی سمجھ نہیں رکھتے اسی وجہ سے انہوں نے مال غنیمت کی محبت میں کہا: اے کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو عظیم کامیابی حاصل کرتا۔

سوال3: اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدین کامیاب ہو جائیں تو منافقوں کا طرزِ عمل کیا ہوتا ہے؟

جواب:《1》اگر مالِ غنیمت نصیب ہو تو سخت پشیمان ہوتے ہیں کہ کیوں نہ اس نفع بخش جنگ میں شریک ہوئے۔《2》منافق کا طرزِ عمل گھٹیا ہوتا ہے اور معیار خالص دنیاوی ہوتا ہے۔

سوال4: يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ''اے کاش! میں بھی ان کے ساتھ ہوتا کہ میں بھی عظیم کامیابی حاصل کرتا'' منافق بڑی کامیابی کسے سمجھتا ہے؟

جواب:《1》منافق مالِ غنیمت کے حصول کو بڑی کامیابی سمجھتا ہے۔《2》مقاتل بن حیان نے کہا: یہ منافق کا قول ہے جو پیچھے رہ جانے پر نادم ہے اور تمنا کرتا ہے اے کاش! میں ان کے ساتھ ہوتا۔(ابن ابی حاتم:1000/3)《3》قتادہ کہتے ہیں کہ یہ قول حاسد کا ہے۔(تفسیر جامع البیان:196/5)

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ

فَسَوۡفَ نُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا(74)

چنانچہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ لڑیں جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی بیچ دیتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑے پھر قتل کیا جائے یا غالب آ جائے تو جلد ہی ہم اسے اجرِ عظیم عطا کریں گے۔(74)

سوال1: فَلۡيُقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ الَّذِيۡنَ يَشۡرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ'' چنانچہ لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ لڑیں جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی بیچ دیتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی راہ میں کون لڑتا ہے؟

جواب: جہاد کی تیاری کا حکم دینے کے بعد مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دلائی جا رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔لڑتا وہی ہے جو دنیا فروخت کر کے آخرت کا خریدار بنتا ہے۔

سوال2: الَّذِيۡنَ يَشۡرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ''جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی بیچ دیتے ہیں' دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچ ڈالنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:﴿1﴾ دنیا کی زندگی کے فوائد کے مقابلے میں آخرت کے فوائد کو ترجیح دینا۔﴿2﴾ دنیا کے مالِ غنیمت کے حصول کو مقصد بنانے کی بجائے آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے حصول کے لیے جہاد کرنا دراصل دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے میں بیچ ڈالنا ہے۔

سوال3: وَمَنۡ يُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ''اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑے' فی سبیل اللہ لڑنے کا اجر کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾ قتال فی سبیل اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے کلمے کی بلندی کے لیے کی جانے والی جنگ ہے۔نبی ﷺ نے فرمایا: جو اس لیے جنگ کرے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو تو وہ فی سبیل اللہ ہے(تفسیر منیر:165/3)﴿2﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مجاہدین فی سبیل اللہ کے لیے تیار کیا ہے اور ہر درجے میں اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین و آسمان کے درمیان فاصلہ ہے۔(بخاری:2790)﴿3﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں خالصتاً جہاد کرنے کی نیت سے اپنے گھر سے نکلے اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات کا اسے یقین ہو تو اللہ تعالیٰ اسے یا تو شہادت کا درجہ دے کر جنت میں داخل کرے گا یا ثواب اور مالِ غنیمت دِلا کر بخیر وعافیت اسے اس کے گھر لوٹائے گا۔(بخاری:7457)﴿4﴾ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ ﷺ! کون شخص سب سے

افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ مومن جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرے۔ (بخاری:2786)

سوال4: وَ مَنۡ یُّقَاتِلۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ فَیُقۡتَلۡ اَوۡ یَغۡلِبۡ فَسَوۡفَ نُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ''اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑے پھر قتل کیا جائے یا غالب آجائے تو جلد ہی ہم اسے اجرِ عظیم عطا کریں گے'' اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینا انسان کے لیے کیسے آسان ہوجاتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس شخص کے لیے جان دینا آسان ہوتا ہے جو شخص دنیا کی زندگی کی حقیقت کو پالے اور جسے آخرت کا یقین آجائے۔ ﴿2﴾ جو دنیا فروخت کرکے آخرت خریدنا چاہے۔ ﴿3﴾ جس کو اللہ تعالیٰ کے اجرِ عظیم کی اُمید ہو جائے۔ ﴿4﴾ اس آیت میں مسلمانوں کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اسلام کی سربلندی کی خاطر لڑنے کی ترغیب دی جارہی ہے اور بتایا گیا ہے کہ مسلمان خواہ لڑائی میں شہید ہوجائے یا بچ کر گھر واپس آجائے اسے دونوں صورتوں میں فائدہ ہی فائدہ ہے۔ (تیسیر القرآن:426/1) ﴿5﴾ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس حال میں مرے کہ نہ اس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ کی اور نہ ہی کبھی اس کے دل میں اس کا خیال گزرا ہوتو اس کی موت نفاق کی ایک شاخ پر ہوگی۔ (مسلم، کتاب الامارۃ) ﴿6﴾ آپ ﷺ نے فرمایا: جس بندے کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوں تو یہ نہیں ہوسکتا کہ پھر اسے آگ چھوئے۔ (بخاری، کتاب الجہاد) ﴿7﴾ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام نکلنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ (بخاری، کتاب الجہاد)

وَ مَا لَکُمۡ لَا تُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الۡوِلۡدَانِ الَّذِیۡنَ یَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡ ہٰذِہِ الۡقَرۡیَۃِ الظَّالِمِ اَہۡلُہَا ۚ وَ اجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ وَلِیًّا ۚۙ وَّ اجۡعَلۡ لَّنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ نَصِیۡرًا (75)

اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لیے نہیں لڑتے جو کہتے ہیں: ''اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں۔ اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی بنادے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار بنادے (75)

سوال1: وَ مَا لَکُمۡ لَا تُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَ الۡوِلۡدَانِ ''اور تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لیے لڑتے نہیں ہو'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اس آیت میں مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ پر اکسایا جارہا ہے تاکہ مکہ میں موجود ان کمزور مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو قریش کے ظلم وستم سے نجات دلائی جاسکے جنہیں مشرکین سے ہجرت کرنے سے روک دیا تھا۔(تیسیر الرحمٰن) ﴿2﴾دو وجوہ کی بناء پر تمہارا کفار سے لڑنا ضروری ہے۔اول۔اعلائے کلمۃ اللہ یعنی اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے۔دوم ان مظلوم مسلمانوں کو نجات دلانے کے لیے جو کفار کے چنگل میں بےبس پڑے ہیں۔(دعوۃ القرآن)﴿3﴾اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ کمزور مسلمانوں کی مدد کرنے کے لیے جہاد کریں۔﴿4﴾عبیداللہ نے بیان کیا کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا انہوں نے کہا کہ میں اور میری والدہ "مستضعفین" (کمزوروں) میں سے تھے۔(صحیح بخاری:4587)﴿5﴾رسول اللہ ﷺ ان کے لیے یوں دُعا فرماتے تھے:"اے اللہ! ولید بن سلمہ،سلمہ بن ہشام،عیاش بن ابی ربیعہ اور مکہ کے دیگر کمزور مسلمانوں کو نجات عطا فرما۔"(بخاری:6200)﴿6﴾جہاد کی اگرچہ بہت بڑی فضیلت ہے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کے لیے اس سے بڑھ کر ملامت ہے۔تاہم وہ جہاد جس کے ذریعے سے اہلِ ایمان مستضعفین کو کفار سے نجات دلائی جاتی ہے اجروثواب کے اعتبار سے سب سے عظیم اور فائدے کے لحاظ سے سب سے بڑا جہاد ہے کیونکہ یہ دشمنوں سے دفاع کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔(تفسیرِ سعدی)

سوال2:اسلام کن لوگوں کی مدد کے لیے جہاد پر آمادہ کرتا ہے؟

جواب:﴿1﴾بےبس مرد،عورتیں اور بچے جو کمزور پاکر دبا لیے جائیں۔﴿2﴾ایسے افراد جن پر محض ان کے نظریات کی وجہ سے ظلم کیا جارہا ہو۔﴿3﴾ایسے افراد جن کو دین کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا کیا جارہا ہو۔﴿4﴾جو ایسے علاقے سے تعلق رکھتے ہوں جس کے لوگ ظالم ہوں۔

سوال3:الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا" جو کہتے ہیں:"اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں" اس کی وضاحت کریں؟

جواب:"اے ہمارے رب! ہمیں اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں"﴿1﴾اس سے مراد کمزور مسلمان،عورتیں اور بچے ہیں جو مکہ اور ارد گرد کے قبیلوں میں آباد تھے مگر ہجرت پر قدرت نہیں رکھتے تھے۔﴿2﴾اَلْقَرْيَةِ سے مراد مکہ ہے۔﴿3﴾ الظَّالِمِ اَهْلُهَا سے مراد وہاں کے مشرکین ہیں۔

سوال4:کمزور مسلمان یہ دُعا کیوں کرتے تھے کہ ہمیں ظالم بستی سے نکال دے؟

جواب: کمزور مسلمان کافروں کے ظلم کو برداشت کرنے کے لیے مجبور تھے اس لیے ظالم بستی سے نکلنے کے لیے دُعا کرتے تھے۔

سوال5: وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ''اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی حمایتی بنا دے اور ہمارے لیے اپنے پاس سے کوئی مددگار بنا دے'' کمزور مسلمانوں کی دُعا کو اللہ تعالیٰ نے کیسے پورا فرمایا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے کمزور مسلمانوں کی دعا کو (پورا کرنے کے لیے) اپنے نبی ﷺ سے اُن کے حق میں دُعائیں کروائیں۔ ''اولیا'' میں 'ولی' سے مراد اللہ کا ایسا بندہ جس کے ذریعہ ان کمزور مسلمانوں کے دین کی حفاظت ہو۔ نَصِيْرًا سے مراد کوئی ایسا آدمی جو دشمنوں سے انہیں نجات دلا سکے۔ (تیسیر الرحمٰن:276)

سوال6: رسول اللہ ﷺ کمزور مسلمانوں کے لیے کیا دُعا کرتے تھے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ یوں دُعا فرماتے تھے: ''اے اللہ! ولید بن سلمہ، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور مکہ کے دیگر کمزور مسلمانوں کو نجات عطا فرما۔'' (بخاری:6200)

سوال7: اسلام کے نزدیک کون سا علاقہ دارُ الحرب قرار پاتا ہے؟

جواب: اسلامی نقطۂ نظر سے دار الحرب وہ علاقہ ہے جس کے لوگ ظالم ہوں، جو مسلمانوں کو کمزور پا کر دبا لیں۔

سوال8: مسلمان کس جھنڈے اور کس وطن کے لیے لڑتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ مسلمان کا جھنڈا عقیدے کا جھنڈا ہوتا ہے۔ ﴿2﴾ مسلمان اس وطن کے لیے لڑتا ہے جس میں اسلامی نظام نافذ ہو۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا (76)

جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ غیر اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں چنانچہ تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو، بلاشبہ شیطان کی چال ہمیشہ سے بہت ہی کمزور رہی ہے۔ (76)

سوال1: اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ''جو لوگ ایمان والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ایمان والے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں کیونکہ اس کے وعدوں اور وعیدوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ (ایسر التفاسیر:279)

سوال2: مومنوں اور کافروں کے مقاصدِ جنگ میں کیا فرق ہے؟

جواب: ﴿1﴾ مومن اللہ تعالیٰ کے لیے لڑتا ہے اور کافر دنیا اور اس کے مفاد کے لیے لڑتا ہے۔ ﴿2﴾ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صحابی (لاحق بن ضمرہ) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایک شخص جنگ میں شرکت کرتا ہے غنیمت حاصل کرنے کے لیے، ایک شخص جنگ میں شرکت کرتا ہے ناموری کے لیے، ایک شخص جنگ میں شرکت کرتا ہے تاکہ اس کی بہادری کی دھاک بیٹھ جائے تو ان میں سے اللہ کے راستے میں کون لڑتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس ارادہ سے جنگ میں شریک ہوتا کہ اللہ ہی کا کلمہ بلند رہے صرف وہی اللہ کے راستہ میں لڑتا ہے۔ (صحیح بخاری:3138) ﴿3﴾ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص جہاد کرے اللہ کی راہ میں اور نیت نہ رکھے مگر رسی لینے کی بس اس کو وہی چیز ملے گی جو اس کی نیت میں ہے۔ (سنن نسائی:3140) ﴿4﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی راہ میں ایک صبح یا ایک شام چلنا (یا گزارنا) دنیا اور اس میں جو کچھ ہے اس سے بہتر ہے۔ (صحیح مسلم:4873) ﴿5﴾ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی جنگ احد کے روز بولا یارسول اللہ ﷺ فرمائیے اگر میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارا جاؤں تو میرا ٹھکانہ کہاں ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں پھر اس نے ہاتھ کی کھجوریں (جن کو وہ کھا رہا تھا جنت میں جانے کے اشتیاق میں) ڈال دیں پھر لڑا اور مارا گیا۔ (سنن نسائی:3156) ﴿6﴾ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص میری راہ میں اس طرح نکلا کہ میری راہ میں جہاد، مجھ پر ایمان اور میرے رسولوں کی تصدیق نے ہی اسے نکلنے پر مجبور کیا تو میری یہ ذمہ داری ہے کہ میں اسے جنت میں داخل کروں یا اسے اس کے مسکن تک جہاں سے وہ نکلا ہے اس طرح واپس لاؤں کہ وہ اجر یا غنیمت سے مالا مال ہو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اللہ کی راہ میں کسی شخص کو جو بھی زخم آئے گا وہ قیامت کے دن اسی زخمی حالت میں اللہ کے حضور پیش ہوگا اس زخم کا رنگ تو خون کا ہوگا لیکن اس کی خوشبو مشک کی ہوگی اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر میری امت کے لیے تکلیف دہ نہ ہوتا تو میں اللہ کی راہ میں لڑی جانے والی کسی بھی جنگ میں پیچھے نہ رہتا لیکن نہ تو میرے پاس اتنی وسعت ہے کہ میں ان سب کو سامان جنگ مہیا کرسکوں اور نہ ان کو خود ہی اس قدر وسعت حاصل ہے مسلمانوں کو یہ بھی ناگوار گزرتا ہے کہ میں کسی مہم کے لیے نکلوں اور وہ پیچھے رہ جائیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے میری خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں لڑوں اور مارا جاؤں پھر لڑوں پھر مارا جاؤں پھر لڑوں پھر مارا جاؤں۔ (صحیح مسلم:4859)

سوال3:اسلام کس جنگ کی اجازت دیتا ہے؟

جواب: زمین پر اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے تاکہ زمین پر تمام انسانوں کی زندگی اسلامی نظام کے کنٹرول میں ہو۔سب انسان اسلامی نظام کی برکات سے فائدہ اُٹھائیں اور اسلامی نظام کے تحت سب انسانوں کو بے لاگ انصاف ملے تاکہ ہر انسان کو اپنے عقیدے اور نظریے کی پوری آزادی ہو۔

سوال4:اسلام کن مقاصد کے تحت جنگ کی اجازت نہیں دیتا؟

جواب: اسلام ان مقاصد کے تحت جنگ کی اجازت نہیں دیتا:﴿1﴾ کسی قوم،کسی نسل،کسی خاندان،کسی طبقے اور کسی حکومت کی برتری کے لیے۔﴿2﴾اقتدار کے حصول کے لیے۔﴿3﴾ملکوں کو ختم کرنے کے لیے۔﴿4﴾مالِ غنیمت کے لیے۔﴿5﴾مصنوعات کے لیے خام مال فراہم کرنے کے لیے۔﴿6﴾لوگوں کو غلام بنانے کے لیے۔﴿7﴾منڈیوں کے حصول کے لیے۔﴿8﴾مفتوح ممالک میں سرمایہ لگا کر مفادات حاصل کرنے کے لیے۔

سوال5:اگر ایک مسلمان زمین پر اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کی بجائے کسی اور مقصد کی خاطر لڑتا ہے اور جان دے دیتا ہے تو کیا وہ شہادت کے مرتبے کو پہنچتا ہے؟

جواب: اگر وہ اس مقصد کے علاوہ کسی اور مقصد کے تحت لڑتا ہے تو کسی صورت میں بھی شہید نہیں ہوتا۔سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صحابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم میں سے ایک شخص جنگ میں شرکت کرتا ہے غنیمت حاصل کرنے کے لیے،ایک شخص جنگ میں شرکت کرتا ہے ناموری کے لیے،ایک شخص جنگ میں شرکت کرتا ہے تاکہ اس کی بہادری کی دھاک بیٹھ جائے تو ان میں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں کون لڑتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا: (بخاری:123) ''جو شخص اس ارادے سے جنگ میں شریک ہوتا کہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلمہ بلند رہے،صرف وہی اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑتا ہے۔''

سوال6:وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ الطَّاغُوۡتِ فَقَاتِلُوۡۤا اَوۡلِیَآءَ الشَّیۡطٰنِ ''اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ غیر اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں، چنانچہ تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو'' جہاد فی سبیل اللہ اور طاغوت کی راہ میں جنگ میں کیا فرق ہے موازنہ کریں؟

جواب:

جہاد فی سبیل اللہ	طاغوت کی راہ میں جنگ
1۔مومنین اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں۔	1۔کافر طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔

2۔مومنین اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا اسلامی نظامِ زندگی نافذ کرنا چاہتے ہیں۔	2۔کافر مختلف طاغوت نظاموں کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔
3۔مومنین اللہ تعالیٰ کی شریعت کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔	3۔کافر شریعت کے خلاف قانون نافذ کرنا چاہتے ہیں۔
4۔مومنین لوگوں میں قیامِ عدل چاہتے ہیں۔	4۔کافر اپنا دل پسند اور اپنے مفادات کی نگرانی کرنے والا نظام عدل نافذ کرنا چاہتے ہیں۔
5۔مومنین ایسی اَقدار رائج کرنا چاہتے ہیں جو انسانوں کے حق میں سراسر مفید ہیں۔	5۔کافر ایسی اقدار کو رائج کرنا چاہتے ہیں جو انسانوں کو تباہی تک پہنچانے والی ہوں۔
6۔مومنین اللہ تعالیٰ کی حمایت اور نگرانی پر بھروسہ کرتے ہیں۔	6۔کافر طاغوت سے مدد لیتے ہیں۔
7۔مومنوں کا حامی و مددگار اللہ تعالیٰ ہے۔	7۔کافروں کا مددگار شیطان ہوتا ہے۔
8۔مؤمنین اللہ تعالیٰ کے جھنڈے تلے لڑتے ہیں۔	8۔کافر شیطان کے جھنڈے تلے لڑتے ہیں اور اس کے طریقے، قوانین اور اَقدار مختلف ہوتے ہیں۔
9۔مومنوں کا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہوتا، نہ خاندان، نسل، قوم کا کوئی مفاد ہوتا ہے۔	9۔کافر بسا اوقات ذاتی یا پھر قومی مفادات کے لیے لڑتے ہیں۔
10۔مومنین حق کو باطل پر غالب کرنا چاہتے ہیں۔	10۔کافر باطل کو حق پر غالب کرنا چاہتے ہیں۔

سوال7: فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ’’ چنانچہ تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: کافروں کو اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ کہا گیا ہے گویا یہ اشارہ ہے کہ مسلمان اولیاء اللہ ہیں، اور اس میں ایک قسم کی مسلمانوں کی ہمت افزائی بھی ہے۔ (تیسیر الرحمٰن)

سوال8: اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ’’بلاشبہ شیطان کی چال ہمیشہ سے بہت ہی کمزور رہی ہے‘‘ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:’’ بلاشبہ شیطان کی چال بہت ہی کمزور رہی ہے۔‘‘اس سے مراد مسلمانوں کے خلاف اسلام دشمنوں کے اتحاد کا کمزور ہونا ہے کیونکہ اس اتحاد میں شامل قوموں کے درمیان بدستور اختلافات موجود تھے۔مومنوں کوترغیب دی جارہی ہے کہ طاغوتی مقاصد کے لیے حیلے اور مکر کمزور ہوتے ہیں۔ان کے ظاہری اسباب کی فراوانی اور کثرتِ تعداد سے مت ڈرو،تمہاری ایمانی قوت اور عزمِ جہاد کے مقابلے میں شیطان کے یہ چیلے نہیں ٹھہر سکتے۔(دعوۃ القرآن)

سوال9: شیطان کی چال سے کیا مراد ہے؟

جواب: شیطان کی چال سے یہاں مراد شیطان کے دوستوں کا وقتی اتحاد ہے’’ بلاشبہ شیطان کی چال ہمیشہ سے بہت ہی کمزور رہی ہے‘‘اس سے مراد مسلمانوں کے خلاف اسلام دشمنوں کے اتحاد کا کمزور ہونا ہے کیونکہ اس اتحاد میں شامل قوموں کے درمیان بدستور اختلافات موجود تھے۔شیطان کی چال سے مراد اس کے وسوسے ہیں۔(الاساس فی التفسیر:1129/2)

رکوع نمبر8

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا(77)

کیا آپ نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، پھر جب اُن پر قتال لکھ دیا گیا تب اُن میں سے ایک گروہ انسانوں سے ایسے ڈرنے لگا جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو یا اس سے بھی زیادہ ڈرنا اور انہوں نے کہا:’’ اے ہمارے رب! تو نے ہم پر قتال کیوں لکھ دیا؟ کیوں نہیں ہمیں قریب کے وقت تک مہلت دی؟‘‘ آپ کہہ دیں کہ دنیا کا سامان بہت ہی کم ہے اور آخرت اس کے لیے بہت ہی بہتر ہے جو متقی بنے اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔(77)

سوال1: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ ’’ کیا آپ نے ان لوگوں کونہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ تم اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو‘‘ مسلمانوں کو کن حالات میں جنگ کرنے سے روکا گیا؟

جواب: آغاز اسلام میں جب مسلمان مکہ میں تھے ان پر نماز فرض تھی، مال میں زکوٰۃ دینے کا حکم تھا خواہ مال حد نصاب تک پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو، فقراء کے ساتھ احسان وسلوک کرنے کا، مشرکوں سے درگزر کرنے کا، انہیں معاف کردینے کا اور ایک وقت تک صبر کرنے کا حکم تھا۔ مسلمان دل میں کڑھتے تھے اور جنگ کے حکم کے آرزومند تھے تاکہ دشمنوں سے بدلہ لے کر دل کی بھڑاس نکالیں اس موقع محل کے لحاظ سے اس وقت جنگ بہت سے اسباب کی وجہ سے مناسب نہ تھی مثلاً مسلمانوں کی تعداد انتہائی کم تھی جب کہ دشمن چاروں طرف کثرت سے پھیلے ہوئے تھے یہ لوگ اپنے وطن میں حرمت والی جگہ پر مقیم تھے۔ اس وقت جنگ کی ابتداء کرنے کا حکم نہ تھا۔ مسلمانوں کو مدینہ آ کر ہی جہاد کا حکم ملا۔ (مختصر ابن کثیر: 342/1)

سوال2: مسلمانوں پر کیسے حالات بیت رہے تھے جن میں جہاد کرنے سے روکا گیا؟

جواب: مسلمانوں پر اس وقت تشدد کیا جا رہا تھا اس میں تمام حربے شامل تھے مثلاً ﴿1﴾ مارنا پیٹنا ﴿2﴾ ستانا ﴿3﴾ کاروبار تباہ کرنا ﴿4﴾ مسجد حرام میں عبادت سے روکنا ﴿5﴾ گھر بار چھوڑنے پر مجبور کرنا ﴿6﴾ مسلمانوں کو تبلیغ کی اجازت نہ دینا ﴿7﴾ اسلام چھوڑنے پر مجبور کرنا اس ظلم وزیادتی پر مسلمان نبی ﷺ سے بار بار جنگ کی اجازت مانگتے مگر آپ ﷺ ہمیشہ یہ کہتے کہ مجھے جنگ کا حکم نہیں دیا گیا۔

سوال3: كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ ''تم اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''تم اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو'' یعنی قتال نہ کرو، یہ جہاد کا حکم فرض ہونے سے پہلے کا حکم تھا۔ (ایسر التفاسیر: 279)

سوال4: مکہ میں رسول اللہ ﷺ نے جہاد کیوں نہیں کیا؟

جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مکہ میں نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم عزت والے تھے جب کہ ہم مشرک تھے۔ پھر جب ایمان لائے تو ذلیل ہو گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی مجھے جنگ کی اجازت نہیں دی گئی لہٰذا تم مصائب کو صبر سے برداشت کیے جاؤ۔ (نسائی: 3088)

سوال5: مکہ کے تیرہ سالہ طویل دور میں جہاد مدینہ میں جا کر فرض ہوا، اس کے کیا فوائد حاصل ہوئے؟

جواب: مسلمانوں نے مکہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ظلم وستم برداشت کیے اس سے کئی فوائد حاصل ہوئے ﴿1﴾ مکہ کا دور تربیت کا دور تھا۔ مسلمان اس مرحلے میں اگر مقابلہ شروع کر دیتے تو قریش جو قوت میں مسلمانوں سے کہیں بڑھ کر تھے اسلام کی قوت کو کچل کر رکھ دیتے۔ صبر کرنے کے نتیجے میں تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا۔ ﴿2﴾ مسلمانوں کو نبی ﷺ کی اطاعت کرنے اور

ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی فیصلوں پر راضی رہنے کی تربیت دی گئی۔《3》 مکہ میں صبر کرنے کا یہ فائدہ ہوا کہ غیر جانبدار لوگوں کی ہمدردیاں مسلمانوں کے حق میں ہوگئیں۔

سوال6: وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوۃَ ''اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》جب مسلمان مکہ مکرمہ میں تھے تو انہیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا تھا یعنی محتاجوں کی غم گساری کرنا۔《2》اس سے مراد وہ معروف زکوٰۃ نہیں جو ایک مخصوص نصاب کے مطابق اور مخصوص شرائط کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ یہ زکوٰۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تھی اسی طرح اس وقت تک متعدد فوائد کی بنا پر جہاد کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔《3》اللہ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے بندوں پر شریعت کے احکامات اس طرح فرض کرے کہ وہ ان پر شاق نہ گزریں، سب سے پہلے اہم ترین امر کا حکم دے، پھر آسان امور سے ابتداء کر کے بتدریج مشکل امور کا حکم دے۔《4》اگر اہل ایمان پر ان کی قلت تعداد، قلت سامان اور کثرت اعداء کے باوجود قتال فرض کر دیا جاتا تو یہ چیز اسلام کو مضمحل کر دیتی۔ اس لیے چھوٹی مصلحت کو نظر انداز کر کے بڑی مصلحت کی رعایت رکھی گئی اور اس میں اس قسم کی دیگر حکمتیں تھیں۔ بعض اہل ایمان چاہتے تھے کہ اس حال میں بھی ان پر قتال فرض کر دیا جاتا مگر ان حالات میں ان پر جہاد فرض کیا جانا مناسب نہ تھا۔ اس وقت ان لوگوں کے لیے مناسب یہی تھا کہ وہ توحید، نماز، زکوٰۃ اور اس نوع کے دیگر احکام پر عمل کرتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک اور جگہ ارشاد ہے: وَ لَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا یُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِیْتًا اور اگر واقعتاً وہ اس پر عمل کرتے جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً ان کے لیے بہت بہتر اور زیادہ ثابت قدم رکھنے والا ہوتا۔ (النساء:66) (تفسیر سعدی:545/1)

سوال7: جہاد، نماز اور زکوٰۃ کے احکامات میں گہری مناسبت ہے، وضاحت کریں؟

جواب:《1》جہاد میں اِخلاص، تنظیم، اطاعت اور رضائے الٰہی کا حصول مطلوب ہے جس کی بہترین تربیت نماز سے ہوتی ہے۔《2》جہاد کے لیے مال چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی تربیت زکوٰۃ سے ہوتی ہے۔《3》ان صفات کے بغیر اگر کوئی جنگ کے لیے اُٹھے تو اصلاح نہیں ہو سکتی۔

سوال8: فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ ''پھر جب اُن پر قتال لکھ دیا گیا'' قتال کب فرض کیا گیا؟

جواب: قتال مدینہ میں فرض ہوا۔ ''اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (ایسر التفاسیر:279)

سوال9: اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً '' تب اُن میں سے ایک گروہ انسانوں سے ایسے ڈرنے لگا

جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو یا اس سے بھی زیادہ ڈرنا‘‘ جب یہ آیت نازل ہوئی تو کون سا گروہ جنگ سے خوف کھا رہا تھا؟

جواب:《1》خوف کھانے والے منافق نہیں تھے، کمزور دل مومن تھے۔《2》یَخْشَوْنَ النَّاسَ وہ اہل مکہ سے اور کافروں سے ڈر رہے تھے کہ انہیں قتل نہ کر دیں (تفسیر قاسمی:311/5)《3》یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ وہ کافروں سے ایسے ڈر رہے تھے جیسے اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو کہ کہیں وہ عذاب نہ نازل کر دے۔ (تفسیر بیضاوی:220/2)《4》اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ان کا کافروں سے خوف اللہ تعالیٰ کے خوف سے زیادہ تھا۔

سوال10: وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ’’اور انہوں نے کہا: ’’اے ہمارے رب! تو نے ہم پر قتال کیوں لکھ دیا؟ کیوں نہیں ہمیں قریب کے وقت تک مہلت دی‘‘ اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ان الفاظ سے تنگ دلی اور اللہ پر اعتراض کا احساس ہو رہا ہے حالانکہ ان کے لیے مناسب حال نہ تھا کہ وہ اس متضاد رویہ کا اظہار کرتے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور اس کے اوامر پر صبر کرنا مگر جو کچھ ان سے مطلوب تھا انہوں نے اس کے برعکس کیا۔ (تفسیر سعدی:545/1)《2》اَجَلٍ قَرِيْبٍ سے مراد موت یا جہاد کی مدت ہے۔《3》یعنی قتل کی مہلت کچھ عرصہ اور مؤخر کیوں نہ کر دی گئی۔ غالب طور پر اس قسم کی صورت ان لوگوں کو پیش آتی ہے جو غیر سنجیدہ ہوتے ہیں اور تمام امور میں عجلت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ ان امور کے نازل ہونے پر یہ لوگ صبر نہیں کر سکتے۔ یہ امور ان کے لیے بوجھل تو نہیں مگر یہ لوگ بہت ہی کم صبر سے بہرہ ور ہیں۔ (تفسیر سعدی:545/1)

سوال11: جنگ سے مسلمانوں کے خوف کھانے کی وجہ کیا تھی؟

جواب: جنگ سے خوف کھانے کی وجہ کچھ لوگوں کی کم ہمتی اور ناتوانی تھی ایمان لانے کے باوجود ہر ایک کی ہمت اور طاقت ایک جیسی نہیں ہوتی۔

سوال12: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے خوف کھانے پر اصلاح کا کیا طریقہ اختیار کیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے خوف کھانے پر ان کی ڈھارس بندھائی اور ان پر واضح کیا کہ دنیا کی زندگی کے فائدے قلیل ہیں جب کہ آخرت میں تھوڑے اعمال پر بھی پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ لہٰذا اجرِ آخرت پر نظر رکھیں جو ہر لحاظ سے بہتر ہے اور اس کے لیے تقویٰ اختیار کرنا ضروری ہے۔

سوال13: قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ’’آپ کہہ دیں کہ دنیا کا سامان بہت ہی کم ہے‘‘ اس کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》 کہہ دو کہ دنیا کی زندگی کا فائدہ تھوڑا ہے۔زندگی کی حقیقت کیا ہے؟ چند گھنٹے، چند ماہ یا چند سال۔اگر مہلت مل جائے تب بھی زندگی تھوڑی ہے اور زندگی کا سامان بہت ہی تھوڑا ہے۔انسان زندگی کی خواہش رکھتا ہے تو جان لڑانے سے ڈرتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے موت اور زندگی کی حقیقت کو واضح کر کے اس جذبے کی جڑ کاٹ دی ہے۔《2》قَلِيْلٌ سے مراد جلد زوال پذیر ہونے والی ہے《3》میمون بن مہران نے کہا: دنیا قلیل ہے اور قلیل کا اکثر حصہ گزر چکا اور قلیل میں سے بہت ہی قلیل باقی ہے۔(تفسیر الدر المنثور:329/2)

سوال14: وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى "اور آخرت اس کے لیے بہت ہی بہتر ہے جو متقی بنے" اس کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》 تقویٰ اختیار کرنے والے کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچتا ہے آخرت بہتر ہے اس لیے کہ انسان کا معاملہ اس دنیا میں ختم نہیں ہو جاتا۔《2》 آخرت کے لیے جمع کیا جانے والا سرمایہ ہی تقویٰ اختیار کرنے والے کے لیے بہتر ہے۔《3》 اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تھوڑی سی مدت کے لیے بھاری بوجھ اٹھانا انسانی نفوس کے لیے آسان اور ہلکا ہوتا ہے کیونکہ جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشقت جو وہ برداشت کر رہا ہے طویل عرصے کے لیے نہیں ہے تو اس کے لیے برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے تب کیا کیفیت ہوگی جب تو دنیا اور آخرت کا موازنہ کرے اور معلوم ہو کہ آخرت اپنی ذات اور لذات میں اور زمان کے اعتبار سے دنیا سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔جنت کے بارے میں ایک صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ دنیا اور اس کی موجودات سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔(جامع ترمذی:546/1)《4》رہی دنیا کی لذتیں تو یہ مختلف قسم کی کدورتوں کے شائبے سے پاک نہیں ہوتیں۔اگر ان لذات کا ان آلام و مصائب اور غم و ہموم سے مقابلہ کیا جائے جو ان لذات کے ساتھ ملے ہوتے ہیں تو جنت کی لذتوں کے ساتھ کسی بھی لحاظ سے ان کی کوئی نسبت ہی نہیں۔ رہا ان لذتوں کا زمانہ تو دنیا آخر کار ختم ہو جائے گی اور انسان کی عمر، دنیا کی نسبت سے نہایت ہی معمولی سا عرصہ ہے۔آخرت کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی ہیں اور وہاں کے رہنے والوں کے لیے ہمیشہ کی زندگی ہے۔جب عقلمند شخص ان دو گھروں کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے اور ان کی حقیقت کا تصور کرتا ہے جیسا کہ تصور کرنے کا حق ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون سا گھر ترجیح کا مستحق ہے؟ کس گھر کے لیے کوشش کرنی چاہیے؟ اور کس کی طلب میں جدوجہد کرنی چاہیے؟(تفسیر سعدی:546/1)

《5》رب العزت کا فرمان ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہیں کیا ہے کہ جب تم سے کہا

جا تا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلوتو تم زمین کی طرف نہایت بوجھل ہو جاتے ہو؟ کیا تم آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو؟ تو دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں بہت ہی تھوڑا ہے۔(التوبہ:38)﴿6﴾ بَلۡ تُؤۡثِرُوۡنَ الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہت بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے(سورہ اعلیٰ:16,17)﴿7﴾ نبی ﷺ نے فرمایا اگر تم نے جہاد کو چھوڑ دیا اور بیلوں کی دموں کو پکڑ لیا اور عینہ کا کاروبار کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری گردنوں میں ذلت کا طوق ڈالے گا اور یہ ذلت تم سے چمٹی رہے گی الا یہ کہ تم اللہ کی طرف رجوع کرو اور اس راہ پر لوٹ آؤ جس پر تم پہلے تھے۔(مسند احمد:5007)

سوال15: وَلَا تُظۡلَمُوۡنَ فَتِيۡلًا ''اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ''اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا'' تمہارے اعمال میں کمی نہیں کی جائے گی۔(تفسیر منیر:3/168) ﴿2﴾ فَتِيۡلًا: فتیل اس دھاگے کو کہتے ہیں جو کھجور کی گٹھلی کے درمیان میں ہوتا ہے۔﴿3﴾ آخرت میں کسی کے ساتھ ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ دنیا کی کمی وہاں پوری کر دی جائے گی۔

اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا يُدۡرِكْكُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ بُرُوۡجٍ مُّشَيَّدَةٍ‌ ؕ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ حَسَنَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ‌ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّقُوۡلُوۡا هٰذِهٖ مِنۡ عِنۡدِكَ‌ ؕ قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ‌ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۤءِ الۡقَوۡمِ لَا يَكَادُوۡنَ يَفۡقَهُوۡنَ حَدِيۡثًا(78)

تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمہیں پہنچ ہی جائے گی اور اگر چہ تم مضبوط قلعوں میں ہو اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تمہاری طرف سے ہے۔آپ کہہ دیں سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے پھر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ قریب نہیں ہیں کہ کوئی بات سمجھیں۔(78)

سوال1: اَيۡنَ مَا تَكُوۡنُوۡا يُدۡرِكْكُّمُ الۡمَوۡتُ وَلَوۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ بُرُوۡجٍ مُّشَيَّدَةٍ ''تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمہیں پہنچ ہی جائے گی اور اگر چہ تم مضبوط قلعوں میں ہو'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ موت جس کے ڈر سے تم جہاد سے کترا رہے ہو، جب اس کا وقت آجائے گا تو وہ کہیں بھی تمہیں آدبوچے گی۔(تیسیر الرحمٰن)﴿2﴾ موت کا وقت مقرر ہے جب موت آتی ہے تو اسباب

پیدا ہوجاتے ہیں موت مضبوط قلعوں میں بھی آجاتی ہے اس لیے قتال کے مؤخر ہونے یا نہ ہونے سے فرق پڑنے والا نہیں۔ ﴿3﴾ رب العزت کا فرمان ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ہر جان دار موت کو چکھنے والا ہے اور یقیناً تم قیامت کے دن ہی اپنے پورے اجر دیئے جاؤ گے چنانچہ جو آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کردیا گیا تو وہ کامیاب ہوگیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کے سامان کے سوا کچھ نہیں۔ (آل عمران:185) ﴿4﴾ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس وقت جبکہ آپ رضی اللہ عنہ بسترِ مرگ پر تھے فرمایا: اللہ کی قسم! میں فلاں فلاں جگہ غرض بیسیوں سینکڑوں معرکوں میں گیا، ثابت قدمی پامردی کے ساتھ دلیرانہ جہاد کئے، آؤ دیکھ لو میرے جسم کا کوئی عضو ایسا نہ پاؤ گے جہاں کوئی نہ کوئی نشان نیزے یا برچھے یا تیر یا بھالے کا تلوار اور ہتھیار کا نہ ہو لیکن چونکہ میدانِ جنگ میں موت نہ لکھی تھی اب دیکھو اپنے بستر پر اپنی موت مر رہا ہوں، کہاں ہیں لڑائی سے جی چرانے والے نامرد؟ میری ذات سے سبق سیکھیں۔ (تفسیر ابنِ کثیر:612/1) ﴿5﴾ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کی ترغیب کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی تو جہاد کی فضیلت اور اس کا ثواب بیان کرکے اس کی ترغیب دیتا ہے اور کبھی جہاد کو ترک کرنے کی سزا سے ڈرا کر جہاد پر آمادہ کرتا ہے۔ کبھی اس بارے میں آگاہ کرکے جہاد کے لیے ابھارتا ہے کہ جہاد سے جی چرا کر گھروں میں بیٹھ رہنے والوں کا بیٹھنا کسی کام نہیں آتا اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ جہاد کے راستے کو ان کے لیے آسان کردیتا ہے۔ (تفسیرِ سعدی:547/1)

سوال2: موت کا تذکرہ انسان کے احساس وشعور میں کیا تبدیلی پیدا کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسان کے اندر سے موت کا خوف دور ہوجاتا ہے۔ ﴿2﴾ انسان جنگ سے خوف نہیں کھاتا۔

سوال3: وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ " اور اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تمہاری طرف سے ہے" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ مصیبت کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنے والے منافق اور یہودی تھے۔ ﴿2﴾ یہود بھلائی کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور برائی کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ ﴿3﴾ دکھ یا مصیبت پر منافق اور یہودی رسول اللہ ﷺ پر الزام لگاتے تھے کہ نعوذ باللہ یہ آپ ﷺ کی کم فہمی اور غلط تدابیر اختیار کرنے کا نتیجہ ہے۔ اُحد کے موقع پر بھی انہوں نے یوں کہا تھا۔ ﴿4﴾ ان سے پہلے کفار اللہ تعالیٰ اور رسولوں سے براشگون لیتے رہے۔ رب العزت کا فرمان ہے فَاِذَا

جَآءَتۡهُمُ الۡحَسَنَةُ قَالُوۡا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوۡا بِمُوۡسٰى وَمَنۡ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ تو جب ان پرخوشحالی آتی تو وہ کہتے کہ یہ ہمارے ہی لیے ہے اور اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ اور ان کی نحوست ٹھہراتے جو اس کے ساتھ تھے۔سن لو! یقیناًان کی نحوست اللہ تعالیٰ کے پاس ہے لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (الاعراف:131) قَالُوا اطَّيَّرۡنَا بِكَ وَبِمَنۡ مَّعَكَ ؕ قَالَ طٰٓئِرُكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ بَلۡ اَنۡتُمۡ قَوۡمٌ تُفۡتَنُوۡنَ انہوں نے کہا: ہم تمہیں اور تمہارے ساتھیوں کو منحوس سمجھتے ہیں۔صالح نے کہا: تمہاری نحوست تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہی سے ہے۔ بلکہ تم لوگ فتنے میں مبتلا کر دیے گئے ہو۔(النمل:47)

سوال4: قُلۡ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ’’ آپ کہہ دیں سب اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے‘‘اس دنیا میں کسی کو فائدہ یا نقصان ہونا کیسے ممکن ہوتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ دنیا میں کسی کو فائدہ ہو یا نقصان سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہ مسلمانوں کے عقیدے کا اہم حصہ ہے۔رب العزت کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ خَلَقَكُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی پیدا کیا ہے اور اُنہیں بھی جو اعمال تم کرتے ہو۔(الصّافات:96) لہٰذا نفع یا نقصان اگر اعمال کے نتیجے میں بھی ہو تب بھی افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس لیے نفع ونقصان اسی کی جانب سے ہے۔﴿2﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: حسنہ اور سیءہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔الحسنہ سے مراد جو اللہ تعالیٰ نے انعام کیا۔السیءہ سے مراد جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں مصیبت میں مبتلا کیا۔(تفسیر فتح القدیر:626/1)﴿3﴾ نفع یا نقصان اگر اعمال کے نتیجے میں بھی ہو تب بھی افعال کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس لیے نفع ونقصان اسی کی جانب سے ہے۔﴿4﴾ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مسلمان جب بھی کسی پریشانی' بیماری' رنج وملال' تکلیف' اور غم میں مبتلا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگر اسے کوئی کانٹا بھی چبھ جائے تو اللہ تعالیٰ اسے اسکے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔(بخاری:5642)﴿5﴾ سعید بن یسار سے سنا، انھوں نے کہا کہ میں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے اسے بیماری کی تکالیف اور دیگر مصیبتوں میں مبتلا کر دیتا ہے۔(بخاری:5645)﴿6﴾ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ جب اپنے بندے کے لیے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے جلد ہی دنیا میں سزا دے دیتا ہے۔ اور جب بندے سے برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے گناہ کی سزا اسے روکے رکھتا ہے حتیٰ کہ قیامت کے دن اسے پوری سزا دے گا اس سند کے ساتھ یہ بھی مروی ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا: بڑا ثواب بری آزمائش کے ساتھ ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ جب

کسی قوم کے ساتھ محبت کرتا ہے تو ان کو کسی آزمائش میں ڈال دیتا ہے جو اس آزمائش پر راضی ہوا تو اس کے لیے رضا ہے۔ جو اس آزمائش پر ناراض ہوا تو اسکے لیے ناراضگی ہے۔(ترمذی:2396)《7》ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایماندار مرد اور عورت اپنے نفس، اولاد اور مال کی آزمائش میں ہمیشہ رہتے ہیں حتیٰ کہ اسکی ملاقات اپنے رب سے ایسے حال میں ہوتی ہے کہ اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔(ترمذی:2399)

سوال 5: فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ''پھر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ قریب نہیں ہیں کہ کوئی بات سمجھیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》الفقہ سے مراد شریعت کا فہم ہے۔فہم دینی امور کی سمجھ ہے۔(تفسیر ثعالبی:266/2)《2》اس آیت کریمہ میں ضمناً ان لوگوں کی مدح کا پہلو نکلتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کا فہم رکھتے ہیں۔ نیز اس فہم اور اس کے اسباب کے حصول کی ترغیب ہے۔ یہ فہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کلام میں تدبر اور تفکر اور اس منزل تک پہنچانے والے راستوں پر گامزن ہونے ہی سے حاصل ہوتا ہے اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو سمجھا ہوتا، تو معلوم ہو جاتا کہ نیکی اور برائی خیر اور شر سب اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے کوئی چیز باہر نہیں، نیز انبیاء و رسل اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات کبھی بھی شر کا باعث نہیں ہوتیں۔ کیونکہ وہ تو دین و دنیا اور آخرت کی بھلائی سے مبعوث کیے جاتے ہیں۔(تفسیر سعدی:548/1)

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا(79)

جو بھی بھلائی تجھے پہنچے سو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو کوئی برائی تجھے پہنچے تو وہ تمہاری اپنی طرف سے ہے اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے۔(79)

سوال 1: مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ''جو بھی بھلائی تجھے پہنچے سو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے''ہر بھلائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔اس سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》حسنہ سے مراد وسعت، کامیابی اور غنیمت ہے(تفسیر منیر:168/3)《2》اس سے مراد یہ ہے کہ بھلائی کسی نیکی یا اطاعت کا صلہ نہیں کیونکہ ایک انسان کو نیکی کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ یہ اس کا خاص فضل اور احسان ہے۔《3》انسان

کی اطاعت اور نیکیاں اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کے مقابلے میں کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا: کوئی بھی اپنے عمل کی وجہ سے جنت میں نہیں جائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپ ﷺ بھی نہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں جب تک مجھے بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نہیں ڈھانپ لے گا میں بھی جنت میں نہیں جاؤں گا۔ (بخاری:6467)

سوال2: وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ''برائی تیرے نفس کی طرف سے ہے'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سَيِّئَةٍ سے مراد برائی ہے جیسے سختی، آزمائش، شکست، زخم اور قتل وغیرہ (تفسیر منیر:168/3) ﴿2﴾ اس سے مراد ہے کہ برائی انسان کی اپنی غلطیوں اور گناہوں کا نتیجہ ہوتی ہے۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ اور جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے تو تمہارے اُن اعمال کی وجہ سے جو تمہارے ہاتھوں نے کمائے ہیں اور وہ بہت سے قصوروں سے درگزر کرتا ہے۔ (الشوریٰ:30) ﴿3﴾ سلف صالحین کا عام طور پر یہ دستور تھا کہ جب کوئی اجتہادی رائے پیش کرتے تو کہتے اگر یہ صحیح ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اسی کی توفیق سے ہے اور اگر غلط ہے تو ہماری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے۔ (دعوۃ القرآن)

سوال3: وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ''اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے'' اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو کن لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے'' اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ساری انسانیت کے لیے، قیامت تک کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ ﴿2﴾ رب العزت نے فرمایا: قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ آپ کہہ دیں: اے لوگو! یقیناً میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، وہ ذات جس کے لیے بادشاہت ہے تمام آسمانوں اور زمین کی، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے، سو تم اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پر جو اُمی نبی ہے ایمان لے آؤ جو اللہ تعالیٰ اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور اُس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ (اعراف:158) ﴿3﴾ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء کو نہیں دی گئی تھیں۔ الف۔ ایک مہینے کی راہ سے میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی۔ ب۔

میرے لیے تمام زمین میں نماز پڑھنے اور پاکی حاصل کرنے کی اجازت ہے۔اس لیے میری امت کے جس آدمی کی نماز کا وقت (جہاں بھی) آجائے اسے (وہیں) نماز پڑھ لینی چاہیے۔ج۔ میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا۔و۔ پہلے انبیاء خاص اپنی قوموں کی ہدایت کے لیے بھیجے جاتے تھے۔لیکن مجھے دنیا کے تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے۔ ی۔ مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔(صحیح بخاری:438)《4》پہلے ایک نبی خاص طور پر اپنی ہی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں عام طور پر تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔(بخاری،مسلم)《5》میں ساری خلقت کی طرف بھیجا گیا ہوں اور میری آمد پر انبیاء ختم کر دیے گئے۔(مسلم)《6》میں عمومیت کے ساتھ تمام انسانوں کی طرف بھیجا گیا ہوں حالانکہ مجھ سے پہلے جو نبی بھی گزرا ہے وہ اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا۔(مسند احمد)《7》میری بعثت اور قیامت اس طرح ہیں یہ فرماتے ہوئے نبی ﷺ نے اپنی دونوں انگلیاں اُٹھائیں (بخاری،مسلم)

سوال4:وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ''اور اللہ تعالیٰ ہی گواہ کافی ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے شہید ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے انسان کو پہنچنے والی برائیوں اور بھلائیوں کی وجہ سے اپنے شہیــــــد یعنی گواہ ہونے کا شعور دلایا ہے۔《2》رب العزت نے فرمایا: قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۫ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ آپ ان سے پوچھیں کون سی چیز گواہی میں سب سے بڑی ہے؟ آپ کہہ دیں اللہ تعالیٰ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ساتھ تمہیں بھی خبردار کروں اور اُنہیں بھی جن تک یہ پہنچے، کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ واقعتاً دوسرے معبود بھی ہیں؟ آپ کہہ دیں: میں تو گواہی نہیں دیتا، آپ کہہ دیں: وہ تو بس ایک ہی معبود ہے اور بلاشبہ میں اُن سے بے تعلق ہوں جو تم شریک بناتے ہو۔(الانعام:19)

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا(80)

اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے ان پر آپ کو نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے۔(80)

سوال1: مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ''اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی'' وضاحت کریں؟

جواب:《1》''اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے حقیقتاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی''رسول کی اطاعت کے ماسوا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا کوئی راستہ نہیں۔الف۔اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ہر طریقے کو رسول ہی واضح کرتا ہے۔ب۔وہی اپنی زندگی سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے عملی نمونے کو پیش کرتا ہے۔ج۔اگر رسول کی اطاعت کو نکال دیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوئی دلیل نہیں۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بیان کرتے ہوئے سنا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔(بخاری:7137)《2》جس نے اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور اس کے لیے وہی ثواب ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مترتب ہوتا ہے۔(تفسیر سعدی:549,550/1)

سوال 2: وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ''اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے ان پر آپ کو نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے''اس کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے ان پر آپ کو نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ہے''اس سے مراد ہے کہ اگر کوئی رسول کے احکامات سے منہ موڑتا ہے تو زبردستی اطاعت کروانا رسول کی ذمہ داری نہیں ہے۔《2》منافق رسول اللہ ﷺ کے سامنے اطاعت کا اظہار کرتے تھے لیکن راتوں کو آپ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف خفیہ مشورے کرتے تھے۔《3》جس نے نبی ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑا وہ نامراد و ناکام رہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے شخص کے معاملے کی ذمہ داری آپ ﷺ پر نہیں ہے اور آپ ﷺ جو چاہتے ہیں اس کے لیے اس کو مجبور نہیں کریں گے۔آپ ﷺ کے ذمے تو پہنچا دینا ہے آپ ﷺ ان پر کوئی داروغہ نہیں ہیں ایسے شخص نے خسارہ پایا جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہی ہدایت یافتہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ اپنے سوا کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔(تفسیر منیر:178/3)《4》حَفِيْظًا سے مراد ان کے اعمال کا محافظ اور حساب لینے والا ہے۔(ایسر التفاسیر:281)

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ؗ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (81)

اور وہ کہتے ہیں اطاعت ہوگی، پھر جب وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کو آپ کی بات

کے خلاف مشورہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے جو وہ رات کو مشورے کرتے ہیں چنانچہ آپ ان سے منہ موڑ لیں اور اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور اللہ تعالیٰ ہی وکیل کافی ہے۔(81)

سوال1: وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ ''اور وہ کہتے ہیں اطاعت ہوگی، پھر جب وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کو آپ کی بات کے خلاف مشورہ کرتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ''اور وہ کہتے ہیں اطاعت ہوگی'' منافق رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔﴿2﴾ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ ''پھر جب وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کو آپ کی بات کے خلاف مشورہ کرتا ہے'' منافق یہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کی قوت کمزور پڑے اور ہم کسی طرح ان سے پیچھا چھڑا لیں یا انہیں مدینہ سے باہر نکال دیں اس مقصد کے لیے یہودیوں سے مل کر سازشیں کرتے تھے۔﴿3﴾ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ وہ اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ کیے گئے عہد کو بدل ڈالتے تھے۔(تفسیر جامع البیان:208/5)

سوال2: رسول اللہ ﷺ کے سامنے اطاعت کا دم بھرنے والے آپ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیوں کرتے تھے؟

جواب: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت تو ظاہر اور باطن، خلوت اور جلوت میں ہونی چاہیے، جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو لوگوں کے سامنے اطاعت کے دعوے کرتے ہیں اپنے ہم نواؤں کے ساتھ ہوتے ہیں یا تنہا ہوتے ہیں تو مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے ہیں تو وہ منافق ہیں جن کی اطاعت ان کے لیے نفع مند نہیں ہوتی۔

سوال3: وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ''اور اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے جو وہ رات کو مشورے کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''اور اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے جو وہ رات کو مشورے کرتے ہیں'' اللہ تعالیٰ ان کاموں کو ان کے اعمال نامے میں ثبت کر رہا ہیں تاکہ ان پر انہیں جزا دے۔(تفسیر فتح القدیر:625/1)

سوال4: اللہ تعالیٰ نے سازشوں کا مقابلہ کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کو کیا تلقین کی؟

جواب﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے یہ اطمینان دلایا ہے کہ اس کی نظروں سے یہ سازشیں اوجھل نہیں ہیں۔ یہ لوگ ان سازشوں میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ ان کی سرگوشیاں لکھ رہا ہے۔﴿3﴾ آپ ﷺ نے ان سے اعراض کرنا ہے۔ان کی

سازشوں کی ہرگز پرواہ نہیں کرنی۔《4》آپ ﷺ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔《5》اللہ تعالیٰ خود ان سے نمٹ لے گا۔

سوال5: فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ''چنانچہ آپ ان سے منہ موڑ لیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》آپ ان سے منہ موڑ لیں، انہیں چھوڑ دیں یہاں تک کہ ان سے انتقام لینا ممکن ہو جائے اور یہ بھی کہا گیا کہ آپ ان کا پیچھا نہ کریں۔(تفسیر فتح القدیر:625/1)《2》ان سے درگزر کریں، ان سے بردباری سے پیش آئیں، ان کا مؤاخذہ نہ کریں، انہیں اپنے کاموں کی ذمہ داری نہ سونپیں، ان کے معاملات کو لوگوں کے سامنے نہ کھولیں اور ان سے خوف نہ کھائیں۔(تفسیر منیر:178/3)

سوال6: وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ '' اور اللہ تعالیٰ پر توکل کریں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》'' اور اللہ تعالیٰ پر توکل کریں'' اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں۔(تفسیر منیر:178/3)《2》ان کے عمل کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان سے منہ موڑ لیں اور اللہ تعالیٰ پر توکل کریں پھر ان کی بیماری کا سبب بیان کیا ہے اور وہ ہے کتاب اللہ پر تدبر نہ کرنا۔(الاساس فی التفسیر:1132/2)

سوال7: وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ''اور اللہ تعالیٰ ہی وکیل کافی ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے وکیل ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب:《1》''اور اللہ تعالیٰ ہی وکیل کافی ہے'' اللہ تعالیٰ ان کے شر کے مقابلے میں آپ ﷺ کے لیے کافی ہے۔《2》اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اقوال سے کہ سامنے اطاعت کے دعوے کرتے ہیں اور باہر آ کر آپ ﷺ کے خلاف مشورے کرتے ہیں اور پھر ان کی بات چیت کو لکھ لینے سے اپنے وکیل ہونے کا شعور دلایا ہے کہ جو آپ ﷺ کے دشمنوں کے اندر اور باہر کو جانتا ہے، جو ان کا حساب کتاب رکھتا ہے، وہ ان سے بدلہ لینے کی قدرت رکھتا ہے، غالب ہے لہٰذا یقیناً وہی وکیل ہے اور کارساز ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (82)

تو کیا وہ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے؟ اور اگر وہ غیر اللہ کے پاس سے ہوتا تو اس میں وہ یقیناً بہت زیادہ اختلاف پاتے۔(82)

سوال1: اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ''تو کیا وہ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے'' اس آیت کے مخاطب کون ہیں؟

جواب: اس آیت کے مخاطب منافق ہیں۔ انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی جانب سے ہوتا تو اس میں وہ بہت زیادہ اختلاف پاتے۔

سوال2: اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ''تو کیا وہ قرآن مجید میں غور وفکر نہیں کرتے'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب: قرآنِ حکیم پر غور وفکر کرنے سے یہ حقائق واضح ہوتے ہیں: ﴿1﴾ قرآنِ مجید میں کوئی ایسی چیز نہیں جو انسان کی فطرت کے خلاف ہو۔ ﴿2﴾ اس میں کوئی ایسا بیان نہیں جو پچھلی کتابوں کی حقیقت سے ٹکراتا ہو۔ ﴿3﴾ قرآنِ حکیم کا کوئی بیان کسی تسلیم شدہ حقیقت کے خلاف نہیں۔ ﴿4﴾ اس میں ایسا کوئی اشارہ نہیں جو تجرباتی علوم سے دریافت شدہ کسی واقعے کے خلاف ہو۔ ﴿5﴾ قرآنِ حکیم کے کلام میں پختگی اور ہم آہنگی ہے۔

سوال3: وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ''اور اگر وہ غیراللہ کے پاس سے ہوتا تو اس میں وہ یقیناً بہت زیادہ اختلاف پاتے'' کا مفہوم واضح کریں؟

جواب: ﴿1﴾ منافقوں کی جن باتوں پر انہیں تنبیہ کی گئی ہے ان کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہیں قرآن کے منزل من اللہ ہونے میں بھی شک تھا۔ اس آیت میں اس شک کو دور کرنے کی عقلی دلیل پیش کی گئی ہے جو یہ ہے کہ انسان کی حالت یہ ہے کہ بچپن میں اس کی عقل ناپختہ ہوتی ہے، جوانی میں قدرے ترقی کی جاتی ہے اور پختہ عمر میں عقل بھی پختہ ہوجاتی ہے اور اس کے ان تینوں ادوار کے کلام میں نمایاں فرق ہوتا ہے پھر زندگی بھر اس کے نظریات بدلتے رہتے ہیں۔ انسان جس شہر یا ملک میں جاتا ہے تو وہاں کے معاشرتی ماحول کا اثر قبول کرلیتا ہے پھر کبھی انسان غصہ کی حالت میں ہوتا ہے تو سب مخاطبوں کو دہشت زدہ بنا دیتا ہے۔ یہی افراط وتفریط کی کیفیت اس کے ہر قسم کے جذبات میں نمایاں طور پر پائی جاتی ہے۔ گویا اگر کسی بھی ایک انسان کے زندگی بھر کے کلام کا مجموعہ تیار کیا جائے تو اس میں سینکڑوں اختلافات اور تضادات آپ کو مل جائیں گے اس کے برعکس اب اللہ کے کلام پر نظر ڈالیے جو 23 سال تک مختلف اوقات اور مختلف مناظر اور مختلف مواقع پر نازل ہوتا رہا جو آخر میں ترتیب پاکر ایک مجموعہ بن گیا۔ اب دیکھئے ادبی لحاظ سے اس کی فصاحت وبلاغت میں کہیں کوئی فرق ہے؟ یا اس کے نظریات میں، اس کی اخلاقی اقدار کی تعیین میں کوئی اختلاف آپ دیکھتے ہیں؟ یا ایسی صورت ہے کہ مثلاً اگر یہود پر عتاب نازل ہوا ہو تو سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکا گیا ہو اور اس میں سے ان کے اچھے لوگوں کو مستثنیٰ نہ کیا گیا ہو اور ان کی خوبیاں الگ بیان نہ کردی گئی ہوں؟ غرض جتنے بھی پہلو آپ سامنے لائیں گے آپ اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہ انسان کا کلام نہیں ہوسکتا اور اس کو نازل کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوسکتا ہے۔ (تیسیر القرآن: 437/1) ﴿2﴾ اگر وہ لوگ قرآن کریم کو غور سے سنتے، اس کے معانی ومضامین میں تدبر کرتے تو انہیں معرفت تامہ حاصل ہوجاتی کہ رسول اللہ ﷺ برحق ہیں اور جو دین لے کر آئے ہیں وہ بھی برحق ہے،

اوراس نفاق سے نجات مل جاتی جس نے ان کے دلوں کوفاسداوران کے افکارکومتعفّن بنارکھا ہے۔(تیسر الرحمٰن: 279)
《3》رب العزت کافرمان ہے: كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ یہ ایک بابرکت کتاب ہے جس کوہم نے آپ کی طرف نازل کیاہے تاکہ لوگ اُس کی آیات پرغوروفکرکریں اورتاکہ عقل والے اس سے نصیحت حاصل کریں۔(ص:29)《4》اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا توکیاوہ لوگ قرآن میں غورنہیں کرتے یاکچھ دلوں پراُن کے تالے ہیں؟(محمد:24)《5》اگرقرآنِ حکیم غیراللہ تعالیٰ کاکلام ہوتاتواس میں بہت سے اختلافات ہوتے لیکن یہ اس کودکھائی دے گاجوقرآنِ حکیم میں تدبرکرے گااورسنجیدگی سے اسے سمجھنے کی کوشش کرے گا۔یہ اس بات کاثبوت ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیاہواکلام ہے۔

سوال4:قرآنِ حکیم میں تدبرکیسے کیاجاسکتاہے؟

جواب:《1》تدبرکے معنی ہیں:غوروفکرکرنا،کسی چیزکاپیچھاکرنا۔جوانسان قرآنِ حکیم میں تدبرکرناچاہے وہ اس کتاب میں دیئے جانے والے کامل علم پرغوروفکرکرے،اس کی جامعیت کودیکھے۔وہ بات جوبیسیوں صفحات میں نہیں کہی جاسکتی قرآنِ حکیم کیسے چندالفاظ میں اس کوکامل طورپرواضح کردیتاہے!اللہ تعالیٰ کی کاریگری اوراس کی صفات پرغوروفکرکرے۔آخرت کے حالات وواقعات پرغوروفکرکرے۔اگروہ لوگ قرآن کریم کوغورسے سنتے ،اس کے معانی ومضامین میں تدبرکرتے،تو انہیں معرفت تامہ حاصل ہوجاتی کہ رسول اللہ ﷺ برحق ہیں،اوردین لے کرآئے ہیں وہ بھی برحق ہے۔(تیسر الرحمٰن)
یہاں تدبرسے مرادکتاب اللہ کے معانی میں غوروفکر،اس کے مبادی،نتائج،عواقب اوراس کے لوازم میں گہری نظرسے سوچنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تدبرتمام علوم ومعارف کی کنجی ہے۔ہربھلائی اسی کے ذریعے سے حاصل کی جاتی ہےاورتمام علوم کااستخراج اسی سے کیاجاتاہے۔کتاب اللہ ہی سے قلب میں ایمان کااضافہ ہوتاہےاورشجرۂ ایمان جڑپکڑتاہے۔کتاب اللہ ہی رب معبودکی معرفت عطاکرتی ہے،اس معرفت سے نوازتی ہے کہ رب معبودکی صفات کمال کیاہیں اوروہ کون سی صفاتِ نقص سے منزہ ہے،کتاب اللہ اس راستے کی معرفت عطاکرتی ہے جورب معبودتک پہنچاتاہے نیزاس راستے پرچلنے والےلوگوں کی معرفت سے نوازتی ہےاوران نعمتوں کاذکرکرتی ہے جورب رحیم کی خدمت میں حاضرہونے پرعطاہونگی۔کتاب اللہ بندے کواس کے دشمن کی معرفت عطاکرتی ہے،ایسادشمن جوحقیقی دشمن ہےاوران راہوں کی نشاندہی کرتی ہے جوانسان کوعذاب کی منزل تک پہنچاتی ہیں،ان راہوں پرچلنے والےلوگوں کی معرفت عطاکرتی ہے نیزآگاہ کرتی ہے کہ اسباب عقاب کے وجود

پران کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔بندہ مومن کتاب اللہ میں جتنا زیادہ غور کرتے گا اتنا ہی زیادہ اس کے علم وعمل اور بصیرت میں اضافہ ہوگا۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ میں تدبر کا حکم اور اس کی ترغیب دی ہے۔اور آگاہ فرمایا ہے کہ قرآن عظیم کو نازل کرنے کا مقصد بھی یہی ہے۔

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّیْطٰنَ اِلَّا قَلِیْلًا(83)

اور جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے تو اسے مشہور کردیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول تک یا اپنے میں سے حکم دینے والوں کی طرف لوٹاتے تو وہ لوگ ضرور جان لیتے اس کو جو ان میں سے اس کا اصل مطلب نکالتے ہیں اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو بہت ہی کم لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے۔(83)

سوال1:اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ نے ازواجِ مطہرات سے کنارہ کشی اختیار کی تھی تو لوگوں نے مدینہ میں چرچا کردیا کہ نبی ﷺ نے سب ازواج کو طلاق دے دی، میں اس چرچا کو برداشت نہ کرسکا اور میں نے جاکر رسول ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ نے سب ازواج کو طلاق دے دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں۔پھر عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے ہوکر بآواز بلند یہ پکارا کہ آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہرات کو طلاق نہیں دی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(صحیح مسلم:480/1)

سوال2: وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ''اور جب ان کے پاس امن یا خوف کا کوئی معاملہ آتا ہے تو اسے مشہور کردیتے ہیں''امن کی خبر سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》وَ اِذَا جَآءَهُمْ اس سے مراد اہل نفاق ہیں(فتح القدیر:627/1)《2》اَذَاعُوْا بِهٖ کے معنی مشہور کردینے کے ہیں۔(بخاری کتاب التفسیر)《3》اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ جب ان کے پاس جہاد کی نصرت یا شکست کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں جب نصرت کا معاملہ ہوتا یعنی امن ہوتا تو وہ حسد کرتے اور طمع رکھتے اور جب شکست ہوتی تو وہ لوگوں کو خوف زدہ کرتے تھے، یہ ان کا معاشرے میں کردار تھا۔《4》امن کی خبر سے مراد مسلمانوں کی کامیابی کی خبر ہے۔اس سے

مراد دشمنوں کی ہلاکت اور شکست کی خبر ہے جس کو سننے کے بعد مسلمانوں کو اطمینان ہوتا ہے اور ان کے اندر ضرورت سے زیادہ اعتماد پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے نقصان ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔﴿5﴾ خوف کی خبر سے مراد مسلمانوں کی ہلاکت اور شکست کی خبر ہے جس کی وجہ سے حوصلے ٹوٹنے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔

سوال3: وہ کون لوگ تھے جو اطمینان بخش یا خوفناک خبر سن لیتے تو پھیلا دیتے تھے؟

جواب: خوف اور امن کی خبریں سن کر پھیلانے والے صرف یہودی اور منافق ہی نہیں تھے بلکہ مسلمانوں میں سے بھی کچھ لوگ دل چسپی کی خاطر افواہوں کو پھیلانے میں حصہ لے لیتے تھے۔

سوال4: نبی ﷺ نے افواہوں کی حقیقت کو کیسے واضح کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾ حفص بن عاصم سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ جو سنے اسے (بغیر تحقیق کیے) بیان کردے۔(صحیح مسلم:7)﴿2﴾ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص میری طرف منسوب کر کے کوئی بات بیان کرے وہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹ ہے پس وہ بھی جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے۔(صحیح مسلم)

سوال5: غیر ذمہ دارانہ گفتگو کے کیا نتائج نکل سکتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾ فساد﴿2﴾ جنگ﴿3﴾ غفلت اور سستی﴿4﴾ بے یقینی﴿5﴾ خوف و ہراس۔

سوال6: وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ''اور اگر وہ اسے رسول تک یا اپنے میں سے حکم دینے والوں کی طرف لوٹاتے تو وہ لوگ ضرور جان لیتے اس کو جو ان میں سے اس کا اصل مطلب نکالتے ہیں'' افواہوں کے بارے میں صحیح طرز عمل کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾ ایک مسلمان کا یہ فرض ہے کہ کوئی ایسی خبر سنے تو اپنے ذمہ دار افراد تک پہنچادے اور ذمہ داران اس کی تحقیق کریں۔﴿2﴾ اولی الامر سے مراد اکابر صحابہ، علماء اور صاحب الرائے کے افراد ہیں۔﴿3﴾ قتادہ نے کہا: وہ اپنے علماء تک پہنچاتے تاکہ وہ اس کا اصل مطلب نکالتے۔(تفسیر جامع البیان:5/212)﴿4﴾ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ کا معنی نکال لیتے ہیں (بخاری کتاب التفسیر)﴿5﴾ وہ صحیح معنی نکال لیتے ہیں۔(ایسر التفاسیر:281)

سوال7: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ''اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو بہت ہی کم لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیچھے لگ جاتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اگر نبی کریم ﷺ کی بعثت اور قرآن کے نزول کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم نہ ہوتا۔ (تیسیر الرحمٰن) 《2》لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ ان افواہوں کو قبول کرنے اور پھیلانے میں مسلمان شیطان کے پیچھے لگ جائے۔ اِلَّا قَلِيْلًا جن کی رائے صائب ہے عقل مستحکم ہے جیسے انصار اور مہاجرین میں سے کبار صحابہ تھے۔ (ایسر التفاسیر:282)《3》یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے اور اگر نہ ہوتا تو تم سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے۔《4》اللہ تعالیٰ کا فضل یہ ہے کہ اس نے سنبھل جانے کا موقع دیا ہے کہ اس نے مسلمانوں کو شیطان کے پیچھے چلنے کے لیے کھلا نہیں چھوڑ دیا۔《5》حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی شیطان مردود کے شر سے بچاتا ہے۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا (84)

چنانچہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرو، تمہیں تمہاری ذات کے سوا کسی کی تکلیف نہیں دی جاتی اور مومنوں کو آپ رغبت دلائیں، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی لڑائی روک دے جنہوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ بہت سخت لڑائی کرنے والا اور بہت سخت سزا دینے والا ہے۔(84)

سوال1:''فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ'' چنانچہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرو، تمہیں تمہاری ذات کے سوا کسی کی تکلیف نہیں دی جاتی اور مومنوں کو آپ رغبت دلائیں''، کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》لوگوں کو جہاد پر اُبھارنے اور جوش دلانے کے لیے نبی ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ لوگ جہاد کریں یا نہ کریں، آپ اکیلے ہوں تو آپ اپنے نفس کے ذمہ دار ہیں۔ ہاں دوسروں کو آپ ابھاریں گے۔ یہ اسلام کا بنیادی اُصول ہے کہ ہر شخص اپنی ذات کا ذمہ دار ہے۔ دوسروں کو جنگ پر ابھارنے کی ذمہ داری بھی دراصل اُن ذمہ داریوں میں سے ہے جو اجتماعی ذمہ داری ہونے کے باوجود ایک لحاظ سے ذاتی ذمہ داری ہے۔《2》بغوی نے لکھا ہے کہ غزوہ احد کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیان سے وعدہ کر لیا تھا کہ ماہ ذیقعدہ میں بدر صغریٰ پر دونوں فریقوں کا پھر مقابلہ ہوگا۔ جب وقت مقرر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی مگر بعض لوگوں نے اس دعوت کو قبول نہیں کیا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (مظہری:116/3:3)《3》لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ ''تمہیں تمہاری ذات کے سوا کسی کی تکلیف نہیں دی جاتی''

نبی ﷺ کوتسلی دی گئی کہ لوگوں کا بیٹھ رہنا اوران کی مخالفت آپ ﷺ کونقصان نہیں دے گی۔آپ جہاد کریں خواہ اکیلے جائیں ،لشکر نہیں اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا(بیضاوی:227/2:2)﴿4﴾ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ یہ ترغیب ان تمام امور کو بھی شامل ہے جس سے اہلِ ایمان کونشاط،ان کے دلوں کو قوت اوران کوطاقت حاصل ہوتی ہو۔نیز یہ ترغیب اس بات کو بھی شامل ہے کہ دشمنوں کے ضعف اور کمزوری سے مومنوں کو آگاہ کیا جائے اور یہ ترغیب اس بات کوشامل ہے کہ مومنوں کو اس امر سے آگاہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کے لیے کیا ثواب تیار کررکھا ہے اور جہاد چھوڑ کر گھر بیٹھ رہنے والوں کے لیے کیا عذاب ہے۔(تفسیر سعدی)
﴿5﴾ رب العزت نے فرمایا: قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ آپ کہہ دیں وہ اس پر بھی قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے کوئی عذاب بھیج دے یا تمہیں گروہوں میں ملادے اورتم میں سے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے،آپ دیکھیں ہم آیات کو کیسے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تا کہ وہ سمجھیں۔(الانعام:65)﴿6﴾ ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا کہ جوشخص اللہ کی راہ میں یعنی جہاد جیسے مقاصد میں (گھر سے) نکلا (اورزخمی ہوجانے کی وجہ سے) مرگیا یااس کو جان سے مارڈالا گیا یااس کے گھوڑے یااس کے اونٹ نے کچل ڈالا یا کسی زہریلے جانور (جیسے سانپ وغیرہ) نے ڈس لیا اوریا (کسی بیماری کی وجہ سے یا اچانک یوں ہی) اللہ کی مرضی سے اپنے بستر پر مرگیا تو وہ (ہرصورت میں) شہید ہے (یعنی یا تو وہ حقیقی شہید ہے یا شہید کے حکم میں ہے) اوراس کے لیے جنت ہے (یعنی وہ ابتدا ہی میں شہداء وصالحین کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا)۔(ابوداؤد)﴿7﴾ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا: وہ شخص جہنم میں نہیں جائے گا جواللہ کے خوف سے رویا ہو یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس نہ چلا جائے اورکسی بندے میں اللہ کی راہ کا غبار اوردوزخ کا دھواں کبھی بھی یکجا نہیں ہوسکتے۔اورنسائی اور حاکم وبیہقی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ کسی مسلمان (کی ناک) کے دونوں نتھنوں میں اللہ کی راہ کا غبار اوردوزخ کا دھواں کبھی بھی یکجا نہیں ہوسکتے۔(ترمذی)
﴿8﴾ ربیع بن زیاد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک لشکر کے ساتھ چلے جارہے تھے۔آپ ﷺ نے دیکھا کہ قریش کا ایک نوخیز لڑکا راستہ سے کچھ ہٹا ہوا چل رہا ہے۔آپ ﷺ نے اس کا نام لے کرفرمایا کہ یہ فلاں لڑکا نہیں ہے؟ ساتھیوں نے کہا کہ جی ہاں! وہی ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے بلاؤ،چنانچہ بلایا گیا آپ ﷺ نے اسے فرمایا: کیوں میاں کیا بات ہے تم راستہ سے بچے ہوئے چل رہے ہو؟ عرض کیا اللہ کے رسول ﷺ! میں دھول مٹی سے بچ رہا تھا،آپ ﷺ نے

فرمایااس سے بچو مت ،اس ذات باری کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے یہ تو جنت کی خوشبو (خوشبو دار پاؤڈر) ہے۔(ابوداؤد)《9》ابو مصبح مقرائی کا بیان ہے کہ ہم لوگ روم کے علاقے میں مالک بن عبداللہ خثعمی کی زیرامارت ایک جماعت میں چل رہے تھے کہ امیر جماعت مالک بن عبداللہ کا گزر جابر بن عبداللہ صحابی کے پاس سے ہوا تو دیکھا کہ وہ اپنے خچر کی لگام تھامے آگے آگے پیدل چل رہے ہیں۔ مالک نے کہا اے ابو عبداللہ (جابر)!اللہ نے آپکو سواری دی ہے اس پر سوار ہو جایئے، جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اپنی سواری کو آرام دے رہا ہوں اور اپنے ساتھیوں سے بے نیاز رہنا چاہتا ہوں (مسلسل سوار ہونے کی صورت میں ممکن ہے مجھے اپنی سواری سے ہاتھ دھونے پڑ جائیں اور دوسروں پر میرا بار پڑے) اور (دوسری وجہ پیدل چلنے کی) یہ ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کے پاؤں اللہ کی راہ میں غبار آلود ہو گئے اللہ تعالیٰ اسے جہنم پر حرام کر دیتا ہے، پھر مالک بن عبداللہ چلتے رہے یہاں تک کہ جب اتنا فاصلہ رہ گیا کہ آواز پہنچ سکے تو (مالک رضی اللہ عنہ نے) پھر بلند آواز سے پکار کر کہا اے ابو عبداللہ (جابر)!اللہ نے آپکو سواری دی ہے اس پر سوار ہو جایئے، جابر رضی اللہ عنہ مالک رضی اللہ عنہ کا مقصد سمجھ گئے (کہ ارشاد نبوی ﷺ کو تمام جماعت کو سنوانا چاہتے ہیں) انہوں نے جواب دیا کہ میں اپنی سواری کو آرام دے رہا ہوں اور اپنے ساتھیوں سے بے نیاز رہنا چاہتا ہوں اور میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کے پاؤں اللہ کی راہ میں غبار آلود ہو گئے اللہ تعالیٰ اسے جہنم پر حرام کر دیتا ہے۔ بس (یہ سننا تھا کہ) تمام لوگوں نے اپنی اپنی سواریوں سے چھلانگیں لگا دیں اور پیدل چلنے لگے (راوی کا بیان ہے کہ) میں نے اس سے زیادہ پیدل چلنے والوں کی تعداد کبھی نہیں دیکھی تھی۔(صحیح ابن حبان)《10》عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا عنقریب تم پر ملکوں کی فتوحات ہوں گی اور اللہ تمہاری کفایت کرے گا لہٰذا تم میں سے کوئی تیراندازی سے عاجز نہ بنے۔(مسلم)《11》عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے سنا: جسکا تیر نشانہ پر پہنچ گیا تو اس کے لیے جنت میں ایک درجہ ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں (اس حدیث کو سن کر) میں نے سولہ تیر نشانہ پر مارے۔(نسائی)《12》عمر بن عبسہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جو اللہ کی راہ میں تیر پھینکے اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ہے۔(ابوداؤد، ترمذی حاکم)

سوال 2: عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ''قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کی لڑائی روک دے جنہوں نے کفر کیا'' اس کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کی طرف سے ''عَسَی'' کا لفظ یقین کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔پس آیت میں وعدہ کیا جارہا ہے کہ عنقریب کفار کا زور ٹوٹ جائے گا اور مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہوگا۔(اشرف الحواشی:110/1)《2》بَاْسَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ان کی قوت حربیہ کو روک دے (ایسر التفاسیر:282)《3》اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا،اور جزیرۂ عرب اور مرورِ زمانہ کے ساتھ فارس اور روم کی سرزمین پر اسلام کا جھنڈا لہرانے لگا۔(تیسیر الرحمٰن) ان الفاظ سے یہ پتہ چل رہا ہے کہ کافر اس وقت قوت والے تھے۔《4》کافروں کی قوت کی وجہ سے مسلمان خوف محسوس کررہے تھے۔《5》ابھی مسلمانوں میں اسلامی نظریۂ حیات پورے طور پر واضح نہیں تھا۔

سوال3:وَاللّٰہُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْکِیْلًا ''اللہ تعالیٰ بہت سخت لڑائی کرنے والا اور بہت سخت سزا دینے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْکِیْلًا کا شعور کیوں دِلایا ہے؟

جواب:《1》وَاللّٰہُ اَشَدُّ بَاْسًا ہر لڑائی والے سے زیادہ سخت لڑائی والا ہے۔《2》وَّ اَشَدُّ تَنْکِیْلًا ظالموں کو ان کے دشمنوں سے سخت سزا دلوانے والا ہے۔(ایسر التفاسیر:282)《3》اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیتے ہوئے یہ شعور کہ ''اللہ تعالیٰ سخت لڑائی کرنے والا اور سخت سزا دینے والا ہے'' اس لیے دِلایا ہے کہ مسلمان جنگ کے لیے تیار ہو جائیں اور جنگ سے کراہت محسوس نہ کریں۔اللہ تعالیٰ نے اس لیے بھی یہ شعور دلایا ہے تاکہ مومن میدانِ جنگ میں جم کر لڑیں اور کافروں کو سزا دیتے ہوئے دل میں کوئی جذبۂ رحم نہ پائیں۔《4》اس کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایک دوسرے کے ذریعے آزمائے تاکہ جہاد کا بازار گرم رہے اور نفع مند ایمان حاصل ہو،یعنی اختیاری ایمان نہ کہ جبری اضطراری ایمان،جو کچھ فائدہ نہیں دیتا۔(تفسیر سعدی:554/1)

مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ وَ مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَیِّئَةً یَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا(85

جو شخص سفارش کرے گا،اچھی سفارش،تو اُس کے لیے بھی اُس میں ایک حصہ ہوگا اور جو کوئی سفارش کرے گا،بری سفارش اس کے لیے اِس میں سے ایک حصہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز پر نگہبان ہے۔(85)

سوال1:مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا''جو شخص سفارش کرے گا،اچھی سفارش،تو اُس کے لیے بھی اُس

میں ایک حصہ ہوگا'' شفاعتِ حسنہ سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ شفاعت سے مراد کسی معاملے میں معاونت ہے۔ جو کوئی کسی دوسرے کی بھلائی کے کسی کام میں سفارش کرتا ہے اور اس کام میں اس کی مدد کرتا ہے، مثلاً مظلوموں کے بارے میں ظالم کے پاس سفارش کرنا اسے اس کی کوشش اور عمل کے مطابق اس نیک سفارش سے حصہ نصیب ہوگا اور اصل کام کرنے والے کو ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی اور جو کوئی برائی کے کسی کام میں مدد کرتا ہے تو اس کے تعاون اور مدد کے مطابق عذاب میں سے اس کو حصہ ملے گا۔ (تفسیر سعدی:555/1) ﴿2﴾ شفاعتِ حسنہ سے مراد ایسی سفارش ہے جس سے سچے مقصد کو قوت حاصل ہو مثلاً جہاد کے لیے اُبھارنا اچھی سفارش ہے۔ ﴿3﴾ مسلمانوں کو کافروں کے خلاف جہاد کی ترغیب دلانا اللہ کے نزدیک مسلمانوں کے حق میں خیر خواہی اور شفاعت حسنہ ہے، اسی مناسبت سے یہاں اچھی اور بری شفاعت کا بیان آیا ہے، اچھی شفاعت کی تعریف کی گئی ہے اور اللہ کے وعدہ کا ذکر ہے کہ شفاعت کرنے والے کو بھی اللہ اچھا بدلہ دے گا، اور بری شفاعت، یعنی حاکم وقت کے پاس جا کر لوگوں کی شکایتیں کرنے والے کو اس بدکرداری کا برا بدلہ ضرور ملے گا۔ (تیسیر الرحمٰن:280) ﴿4﴾ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کوئی ضرورت مند حاضر ہوتا تو آپ ﷺ اپنی مجلس میں موجود حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے: تم سفارش کرو تمہیں ثواب دیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی زبان پر وہی کلمہ جاری کروائے گا جو وہ چاہتا ہے۔ (بخاری:1432) ﴿5﴾ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ کے پاس آ کر عرض کیا: میری سواری ہلاک ہوگئی ہے آپ مجھ (کسی سواری پر) سوار کر دیں، آپ نے فرمایا میرے پاس تو کوئی سواری نہیں ہے، ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول میں آدمی کی طرف راہنمائی کرتا ہوں جو اسے سواری دے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس آدمی نے کسی آدمی کی نیکی پر راہنمائی کی تو اس کے لیے بھی اس عمل کرنے والے کی مثل اجر و ثواب ہوگا۔ (مسلم:4899) ﴿6﴾ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی کو ہدایت (نیکی) کی دعوت دی تو اس کے لیے اس پیروی کرنے والے کے برابر ثواب ہوگا اور ان کے ثواب میں کچھ بھی کمی نہ کی جائے گی اور جس نے گمراہی کی طرف دعوت دی تو اس کے لیے اس کی پیروی کرنے والے کے برابر گناہ ہوگا اور اس کے گناہوں میں کچھ بھی کمی نہ کی جائے گی۔ (مسلم:6804) ﴿7﴾ سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے بھائی کے لیے سفارش کرے، پھر اسے اس سفارش کرنے کے سلسلے میں کوئی ہدیہ دیا جائے اور وہ اسے قبول کرلے تو وہ سود کے دروازوں

میں سے ایک بڑے دروازے پر پہنچ گیا۔(ابوداؤد:3541)﴿8﴾اس آیت کریمہ میں نیکی،تقویٰ میں تعاون کے لیے بہت بڑی ترغیب ہے۔اسی طرح سے گناہ اور زیادتی کے کاموں میں معاونت پر زجروتوبیخ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس ارشاد کے ذریعے سے متحقق کیا ہے۔(تفسیر سعدی:555/1)

سوال2:وَ مَنۡ یَّشۡفَعۡ شَفَاعَۃً سَیِّئَۃً یَّکُنۡ لَّہٗ کِفۡلٌ مِّنۡہَا اور جو کوئی سفارش کرے گا،بری سفارش اس کے لیے اِس میں سے ایک حصہ ہوگا''شفاعتِ سیئہ سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾اگر برائی کے لیے شفاعت ہوگی تو شفاعت سیئہ ہے۔﴿2﴾سفارش سے سچائی کو، سچے مقصد کو نقصان پہنچے مثلاً منافق جہاد کے لیے نکلنے والوں کے حوصلے پست کر رہے تھے اور یہ کوشش شفاعتِ سیئہ میں آتی ہے۔(ایسر التفاسیر:282)﴿3﴾اگر کوئی شخص چور کی سفارش کر کے اسے چھڑاتا ہے جو پھر چوریاں کرتا ہے تو سفارش کرنے والے کو بھی اس کے گناہ سے حصہ ملتا رہے گا۔(تیسیر القرآن:440/1)

سوال3:وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ مُّقِیۡتًا'' اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز پر نگہبان ہے''مُقیت سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾مجاہد نے کہا:مقیت سے مراد شہید،حسیب اور حفیظ ہے۔﴿2﴾مقیت سے مراد حفیظ (نگہبان) ہے۔(تفسیر جامع البیان 219/5:)﴿3﴾مقیت سے مراد اقتدار والا ہے۔﴿4﴾اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مقیت سے مراد وہ ہے جس کے ہاتھ میں رزق ہے اور جس کے ذمے ہر جاندار کی غذا ہو جیسا کہ فرمایا:وَ قَدَّرَ فِیۡہَاۤ اَقۡوَاتَہَا اور اُس میں اُس کی غذائیں اندازے سے رکھ دیں(فصلت:10)(تفسیر سمرقندی:323)

سوال4:اللہ تعالیٰ نے اپنے مُقیت ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے اچھی اور بُری سفارش کے بدلے سے اپنے مُقیت ہونے کا شعور دلایا ہے۔

وَ اِذَا حُیِّیۡتُمۡ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡہَاۤ اَوۡ رُدُّوۡہَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ حَسِیۡبًا(86)

اور جب تمہیں سلامتی کی کوئی دُعا دی جائے تو تم اس سے بہتر سلامتی کی دُعا دو یا اُتنا ہی لوٹا کر دو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کا پورا حساب کرنے والا ہے۔(86)

سوال1:وَ اِذَا حُیِّیۡتُمۡ بِتَحِیَّۃٍ فَحَیُّوۡا بِاَحۡسَنَ مِنۡہَاۤ''اور جب تمہیں سلامتی کی کوئی دُعا دی جائے'' یہاں تَحِیَّۃٍ کن معنوں میں آیا ہے؟

جواب﴿1﴾تَحِيَّةٍ سے مراد لمبی عمر کی دُعا ہے۔﴿2﴾یہاں تَحِيَّةٌ سلام کرنے کے معنوں میں آیا ہے۔(فتح القدیر)﴿3﴾تحیۃ کے اصل معنی کسی کوزندگی کی دُعا دینا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری عمر دراز کرے وغیرہ۔﴿4﴾اس کا ذکر قرآن حکیم میں ملتا ہے تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلٰمٌ ان کی آپس کی دُعا اس میں سلام ہوگی۔(ابراہیم:23)﴿5﴾تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ وَاَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا اُن کی دُعا جس دن وہ اُس سے ملیں گے،سلام ہوگی اور اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیے باعزت اجر تیار کر رکھا ہے۔(الاحزاب:44)﴿6﴾فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً تو اپنے لوگوں کو سلام کرو،اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑا بابرکت اور پاکیزہ تحفہ ہے۔(النور:61)﴿7﴾ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر بنایا،ان کی لمبائی ساٹھ ہاتھ تھی۔جب انہیں پیدا کر چکا تو فرمایا کہ جاؤ اور ان فرشتوں کو جو بیٹھے ہوئے ہیں،سلام کرو اور سنو کہ تمہارے سلام کا کیا جواب دیتے ہیں،کیونکہ یہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا۔آدم علیہ السلام نے کہا السلام علیکم!فرشتوں نے جواب دیا السلام علیک ورحمۃ اللہ،انہوں نے آدم کے سلام پر ''ورحمۃ اللہ'' بڑھا دیا۔پس جو شخص بھی جنت میں جائے گا آدم ﷺ کی صورت کے مطابق ہوکر جائے گا۔اس کے بعد سے پھر خلقت کا قد و قامت کم ہوتا گیا۔اب تک ایسا ہی ہوتا رہا۔(صحیح بخاری:6227) حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:تمام علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا فرض ہے﴿8﴾ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں فرمایا کہ لفظ سلام اللہ تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ہے،اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کے معنی یہ ہیں کہ اَللّٰهُ رَقِيْبٌ عَلَيْكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا محافظ ہے۔(تفسیر معارف القرآن:501/2)

سوال2:اسلامی معاشرے میں سلام کی کیا اہمیت ہے؟

جواب:﴿1﴾السلام علیکم مؤمن اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی علامت بن گئی ہے۔﴿2﴾اسلام چاہتا ہے کہ مسلمانوں کی خاص عادات ہوں،اسی وجہ سے انہیں مخصوص نظریۂ حیات دیا،مخصوص قبلہ،مخصوص سلام دیا۔﴿3﴾اسلام نے مسلمانوں میں محبت اور بھائی چارہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے مثلاً:الف۔سلام کو عام کرنا۔ب۔سلام کا جواب سلام سے زیادہ اچھا دینا۔﴿4﴾اسلام نے سلام کے لیے تین الفاظ دیئے ہیں:الف۔السلام علیکم۔ب۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ ج۔السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا السلام علیک یا رسول اللہ آپ نے فرمایا وعلیک السلام ورحمتہ اللہ پھر دوسرا آیا اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ ورحمتہ اللہ آپ نے جواب

دیاوعلیک السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ پھرایک اورصاحب آئے انہوں نے کہاالسلام علیک ورحمتہ اللہ وبرکاتہ آپ نے جواب میں فرمایاوعلیک تواس نے کہااے اللہ کے نبی فلاں فلاں نے آپ کوسلام کیاتو آپ نے جواب دیا کچھ زیادہ دعائیہ الفاظ کے ساتھ دیاجو مجھے نہیں دیا آپ نے فرمایاتم نے ہمارے لیے کچھ باقی ہی نہ چھوڑااللہ کافرمان ہے جب تم پرسلام کیاجائے توتم اس سے اچھاجواب دویااسی کولوٹادواس لیے ہم نے وہی الفاظ لوٹادیئے یہ روایت ابن ابی حاتم میں بھی اسی طرح مروی ہے۔ (تفسیر جامع البیان:222/5:5)《5》عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ ایک دن ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ فرمایا: یہ کہ تم کھانا کھلاؤاور جس کو پہچانواس کوبھی اورجس کونہ پہچانواس کوبھی الغرض سب کوسلام کرو'' (بخاری:12)《6》سلام کے فائدے ہیں الف۔لوگ ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں۔ب۔لوگ ایک دوسرے کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ج۔لوگوں کے ایک دوسرے سے قریبی روابط بن جاتے ہیں۔

سوال3: سلام کے آداب کیا ہیں؟

جواب:《1》ملاقات کے وقت پہلا کام سلام ہوناچاہئے۔(ابوداؤد:4084،ترمذی:2721)《2》اسلام کی دُعائے ملاقات کی حرص رکھنی چاہئے۔اس کواللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جاری کیا ہے۔یہی دُعامسلمانوں کاشعار ہے۔فرشتوں اوراہلِ جنت کی دُعائے ملاقات ہے: اَلسَّلامُ عَلَیکُم وَرَحمَةُ اللهِ وَبَرَکاتهٗ (ترمذی:3368،ابن حبان:6134)《3》پورا سلام کہنے کی حرص رکھنی چاہئے کہ اس کااجر بہت زیادہ ہے۔(ابوداؤد:5195،ترمذی:2689)《4》جس کوسلام کیاجائے اس پرجواب دیناواجب ہے۔(بخاری:1240،مسلم:5650،ابوداؤد:5210)《5》سلام کا زیادہ بہتر یااس جیساجواب دیناچاہئے۔(النساء:86) 《6》مُردوں کے سلام سے اجتناب کرناچاہئے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:'' عَلَیکَ السَّلامُ مت کہو۔یہ میت کاتحیہ اور سلام ہے بلکہ یوں کہو: اَلسَّلامُ عَلَیکَ ۔(مسنداحمد:482/2،ابوداؤد:4084)《7》اہلِ کتاب اورغیرمسلموں کے سلام کی مشابہت نہیں کرنی چاہئے۔مشابہت جیسے افعال سے ہوتی ہے ایسے ہی اقوال سے بھی ہوتی ہے۔غیرمسلموں سے مشابہت حرام ہے۔(ترمذی:2695،ابویعلیٰ:1870،صحیح الجامع:2946)اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہاتھ یاانگلی سے اشارہ نہیں کرسکتے جیسے کہ عام طور پرلوگ کرتے ہیں۔اسی طرح **Good Morning** وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرنے درست نہیں۔《8》غیر مسلموں سے سلام کرتے ہوئے ابتدانہیں کرنی چاہئے۔(مسلم:5661)《9》غیرمسلموں کے سلام کے جواب میں وعلیکم کہناچاہئے۔(بخاری:6024،مسلم:5656،ترمذی:1603،ابوداؤد:5206)《10》کون کس کوسلام کرے؟ الف۔سوار پیدل کو۔

ب۔تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو۔ج۔ پیدل کھڑے ہوئے کو۔د۔چھوٹا بڑے کو۔(بخاری:6231،ترمذی:2705)《11》مجلس سے اُٹھتے اور باہر نکلتے ہوئے سلام کرنا چاہیئے۔عام طور پر لوگ مجلس میں داخل ہوتے ہوئے سلام کرتے ہیں مگر باہر نکلتے ہوئے سلام نہیں کرتے۔یہ خلافِ سنت ہے۔(ابوداؤد:5208،ترمذی:2706)اسی طرح جب مجلس میں دوبارہ واپس آئیں تو سلام کرنا چاہیئے کیونکہ سلام پھیلانا محبت میں اضافہ کرتا ہے۔《12》آمنے سامنے سلام کرتے ہوئے ایک دوسرے کے ہاتھ تھام کر مصافحہ کرنا چاہیئے۔اس کا بڑا اجر ہے اور یہ مسلمانوں کے درمیان محبت بڑھانے والا عمل ہے۔(ترمذی:2727،ابوداؤد:5212)ان احادیث سے مصافحے کے بارے میں پتہ چلتا ہے کہ یہ مستحب عمل ہے۔《13》جب دو لوگوں کے درمیان کوئی چیز حائل ہو جائے تو سلام کا اِعادہ کرنا چاہیئے۔یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔جب ان کے درمیان کوئی دیوار، پتھر یا درخت حائل ہو جاتا تو سلام کرتے۔(صحیح الجامع:355،شعب الایمان:8860)《14》مسجد میں داخل ہو کر تحیۃ المسجد پڑھے بغیر سلام نہیں کرنا چاہیئے۔(ترمذی:757)《15》سوال اور کلام کرنے سے پہلے سلام کرنا چاہیئے۔(السلسلۃ الصحیحۃ:816،ترمذی:2699)《16》قضائے حاجت کے وقت سلام نہیں کرنا چاہیئے۔(ابوداؤد:17)《17》سونے والوں کے پاس جائیں تو پست آواز میں سلام کرنا چاہیئے۔نبی ﷺ سونے والوں کے قریب ایسے سلام کرتے تھے جس سے جاگنے والے سُن لیں اور سونے والے بیدار نہ ہوں۔(مسلم:5362)《18》بچوں کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کے دل کو خوش کرنے کے لیے سلام کرنا چاہیئے۔(بخاری:6247،مسلم:5663)《19》جس مجلس میں مسلمان اور مشرک ہوں انہیں سلام کیا جائے گا۔مشترکہ مجلس میں اسلام کے حق کی تعظیم کے لیے سلام کیا جائے گا۔(بخاری:6254،مسلم:4659)《20》عورتوں کی مجلس کے پاس سے گزرتے ہوئے سلام کرنا چاہیئے۔(ابوداؤد:5204،ترمذی:2697)《21》جب کوئی نہ سنے تو تین بار سلام کا اِعادہ کرنا چاہیئے۔(بخاری:6244) اگر کوئی فاصلے پر ہو اور نہ سُن پائے تو تین بار سلام کیا جا سکتا ہے۔

سوال4: اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ حَسِیۡبًا ”اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کا پورا حساب کرنے والا ہے“ اللہ تعالیٰ نے اپنے حسیب ہونے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب:《1》حَسِیۡبًا کا معنی کافی ہے۔(بخاری کتاب التفسیر)《2》مجاہد نے کہا: حسیب سے مراد حفیظ ہے۔(تفسیر جامع البیان:222/5)《3》اللہ تعالیٰ نے سلام کے اچھے جواب یا انہی الفاظ میں لوٹا دینے کے لیے اپنے حسیب ہونے کا شعور دلایا ہے۔《4》چونکہ السلام علیکم کہنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں اور ورحمة الله کہنے سے بیس نیکیاں اور وبرکاته کہنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں(مسند احمد:239/2)اس

لیےاللہ تعالیٰ نے سلام کے لیے ترغیب دلانے کے لیے اپنے حسیب ہونے کا شعور دلایا ہے کہ جو عمل تم کرو گے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا اجر موجود پاؤ گے۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجۡمَعَنَّكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيۡثًا(87)

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ تم سب کو قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ بات میں سچا اور کون ہے!(87)

سوال1: اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجۡمَعَنَّكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ ''اللہ تعالیٰ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ تم سب کو قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾انسان کی تربیت کا آغاز اس عقیدے سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (ایسر التفاسیر)﴿2﴾اللہ تعالیٰ وحدانیت میں اپنی انفرادیت کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے(تفسیرِ سعدی)﴿3﴾اللہ تعالیٰ نے قسم کھا کر یقین دلایا ہے کہ وہ قیامت کے دن تم سب کو جمع کرے گا جس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔رب العزت نے اسی بارے میں فرمایا: اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمۡ مَّبۡعُوۡثُوۡنَ ۙ لِيَوۡمٍ عَظِيۡمٍ ۙ يَّوۡمَ يَقُوۡمُ النَّاسُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ کیا یہ لوگ یقین نہیں رکھتے کہ یقیناً وہ اُٹھائے جانے والے ہیں؟ ایک بہت بڑے دن میں۔ جس دن تمام لوگ جہانوں کے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے۔(المطففین:6-4)﴿4﴾سبھی اس کے حضور اکھٹے ہوں گے منافق بھی اور مشرک بھی جیسا کہ فرمایا: وَاِنۡ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيۡعٌ لَّدَيۡنَا مُحۡضَرُوۡنَ اور یہ سب ہمارے پاس حاضر کیے جانے والے ہیں۔(یٰس:32)﴿5﴾قُلۡ اِنَّ الۡاَوَّلِيۡنَ وَالۡاٰخِرِيۡنَ ۙ لَمَجۡمُوۡعُوۡنَ ۙ اِلٰى مِيۡقَاتِ يَوۡمٍ مَّعۡلُوۡمٍ آپ کہہ دیں بلاشبہ پہلے اور پچھلے۔ایک معلوم دن کے مقررہ وقت پر یقیناً جمع کیے جانے والے ہیں۔(الواقعہ:49،50)﴿6﴾لَا رَيۡبَ فِيۡهِ ''جس میں کوئی شبہ نہیں''،عقلی وسمعی دلیل کے اعتبار سے کسی بھی پہلو سے قیامت میں کوئی شک نہیں۔رہی عقلی دلیل تو ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ زمین کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے زندگی عطا کرتا ہے۔امکان کے اعتبار سے پہلی دفعہ پیدا کرنے سے دوسری دفعہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہے۔حکمتِ الٰہی انسان پر واجب ٹھہراتی ہے کہ وہ قطعی طور پر جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو عبث پیدا نہیں کیا کہ وہ زندگی حاصل کریں گے اور بس مر جائیں گے۔رہی سمعی اور نقلی دلیل تو سب سے زیادہ سچی ہستی نے اس کے

وقوع کے بارے میں خبر دی ہے بلکہ اس پر قسم کھائی ہے۔(تفسیرِ سعدی)《7》اللہ تعالیٰ ان سارے اختیارات کا حساب لے گا جو دنیا میں اسے دیئے گئے ہیں۔《8》اس بات کی باز پرس ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور اس کے قوانین پر کہاں تک عمل کیا۔《9》اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے ضمیر میں ایک نگہبان بٹھا دیا ہے۔

سوال2:اس مقام پر عقیدۂ توحید اور عقیدۂ آخرت کو لانے کی حکمت بیان کریں؟

جواب:《1》اسلامی نظامِ زندگی کا پہلا قدم عقیدۂ توحید ہے۔《2》عقیدۂ توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا حاکم ہے۔《3》اسلامی نظامِ زندگی میں ایک فرد کی تربیت ہو یا اسلامی معاشرے کا قیام ہو یا اسلامی قانون بنانا ہو یا اسلامی انتظامیہ قائم کرنی ہو یا بین الاقوامی قانون کا معاملہ ہو، آغاز اللہ تعالیٰ کی حاکمیت سے ہوگا۔انسان کے قلب پر بھی اور اس کرۂ ارض پر بھی اللہ تعالیٰ ہی حاکم ہے۔

سوال3:وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا ''اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات میں سچا اور کون ہے!'' کی وضاحت کریں؟

جواب:اللہ تعالیٰ کا ارشاد وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا اور وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیلًا میں اس بات کی خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بات، اس کی خبریں اور اس کے اقوال صداقت کے اعلیٰ ترین مراتب پر ہیں، لہٰذا ہر وہ بات جو عقائد، علوم اور اعمال کے بارے میں کہی گئی ہو اگر وہ اللہ تعالیٰ کی خبر کے خلاف ہے تو وہ باطل ہے کیونکہ یہ امور یقینی طور پر سچی خبر کے متناقض ہیں۔ان کا حق ہونا ممکن ہی نہیں۔(تفسیرِ سعدی)

رکوع نمبر9

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا(88)

پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ بن رہے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے جو انہوں نے کمایا انہیں اوندھا کر دیا ہے۔کیا تم چاہتے ہو کہ انہیں ہدایت دو جنہیں اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا ہے؟ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دیں اس کے لیے آپ ہرگز کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔(88)

سوال1: فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ ''پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ بن رہے ہو'' اس آیت کا شانِ

نزول کیا ہے؟

جواب: زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ کچھ لوگ منافقین جو (اوپر سے) نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے جنگ احد میں (آپ ﷺ کو چھوڑ کر) واپس چلے آئے تو ان کے بارے میں مسلمانوں کی دو جماعتیں ہوگئیں۔ ایک جماعت تو یہ کہتی تھی کہ (یارسول اللہ! ﷺ) ان (منافقین) سے قتال کیجئے اور ایک جماعت یہ کہتی تھی کہ ان سے قتال نہ کیجئے۔ اس پر یہ آیت اتری اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ''یہ مدینہ طیبہ ہے یہ خباثت کو اس طرح دور کر دیتا ہے جیسے آگ چاندی کی میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔'' (بخاری:4589)

سوال 2: منافقین کے بارے میں اختلافِ رائے سے کس چیز کا اظہار ہو رہا تھا؟

جواب: اختلاف رائے سے اس امر کا اظہار ہو رہا تھا کہ مسلمانوں کا شعور ابھی اسلام کے بارے میں پختہ نہیں۔

سوال 3: منافقین کے بارے میں دو رویوں پر تعجب کا اظہار کیوں کیا گیا؟

جواب: ﴿1﴾ ان آیات کریمہ میں مذکور منافقین سے مراد وہ منافقین ہیں جو اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے اور اپنے کفر کے ساتھ ساتھ انہوں نے ہجرت نہیں کی ان کے بارے میں صحابہ کرام میں اشتباہ واقع ہو گیا، چنانچہ بعض صحابہ ان منافقین کے اظہار اسلام کے باعث ان کے ساتھ قتال اور قطع موالات میں حرج سمجھتے تھے اور بعض صحابہ کو چونکہ ان کے افعال کے قرینے سے ان کے احوال کا علم تھا اس لیے انہوں نے ان پر کفر کا حکم لگایا اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کے بارے میں آگاہ فرمایا کہ تمہارے لیے مناسب نہیں کہ تم ان کے بارے میں کسی قسم کے شک وشبہ میں مبتلا ہو، بلکہ ان کا معاملہ بلکل واضح ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں کہ وہ منافق ہیں وہ اپنے کفر کا بار بار اظہار کر چکے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر بن کر انہی کی مانند ہو جاؤ۔ (تفسیر سعدی:558,559/1) ﴿2﴾ تعجب کا اظہار اس لیے کیا گیا کہ شہادتیں موجود ہیں پھر مؤقف کیوں کمزور ہے؟ حالانکہ انہیں دوٹوک اور فیصلہ کن مؤقف اختیار کرنا چاہیے۔ ﴿3﴾ منافقین کے بارے میں مومنوں کی دو آراء نہیں ہونی چاہئیں۔ سب کو بالاتفاق ان سے عداوت رکھنی چاہئے۔ منافقین کی حمایت ایمان والوں کی شان نہیں۔ ارشاد ربانی ہے: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ آپ ان لوگوں کو نہیں پائیں گے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے

دن پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اُن لوگوں سے دوستی رکھتے ہوں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول کی مخالفت کی، اگر چہ وہ اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے ہوں یا اُن کے بھائی ہوں یا اُن کا خاندان ہو یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اُن کو اپنی جناب سے ایک رُوح کے ساتھ قوت دی ہے اور اُنہیں وہ ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں۔ سن لو! اللہ تعالیٰ کے گروہ کے لوگ ہی یقیناً فلاح پانے والے ہیں۔ (المجادلہ:22)

سوال4: وَاللّٰہُ اَرۡکَسَہُمۡ بِمَا کَسَبُوۡا ’’حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے جو انہوں نے کمایا انہیں اوندھا کر دیا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے جو انہوں نے کمایا انہیں اوندھا کر دیا ہے‘‘ انہیں جنگ اور کفر کی طرف اندھا کر دیا (تفسیر منیر:198/3) ﴿2﴾ مسلمانوں کے مابین ہونے والے اختلافِ رائے کا فیصلہ کیا گیا کہ تم ان کے بارے میں جھگڑتے ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بدنیتیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے انہیں اُلٹا پھیر دیا ہے یعنی کفر کی طرف پھیر دیا ہے۔

سوال5: مسلمانوں میں سے جو فریق نرم رویہ رکھنا چاہتا تھا اس کا مقصد کیا تھا؟

جواب: اس کا مقصد یہ تھا کہ ان منافقین کو ہدایت کے راستے پر آنے کا موقع دیا جائے تا کہ یہ منافقت چھوڑ دیں۔

سوال6: اَتُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَهۡدُوۡا مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ ’’کیا تم چاہتے ہو کہ انہیں ہدایت دو جنہیں اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ رب العزت نے یہ سوال اس لیے کیا ہے کہ مسلمان منافقوں کے معاملے میں اختلاف نہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گمراہ ہونے کا فیصلہ کیا ہے۔ (صفوۃ التفاسیر:271/1) ﴿2﴾ اس سے یہ دلیل ملتی ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے انسان ہدایت نہیں دے سکتے جیسے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: اِنَّكَ لَا تَهۡدِىۡ مَنۡ اَحۡبَبۡتَ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ۚ وَهُوَ اَعۡلَمُ بِالۡمُهۡتَدِيۡنَ یقیناً آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے مگر اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔ (القصص:56) (تفسیر فتح القدیر:632/1)

سوال7: وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا ’’اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دیں اس کے لیے آپ ہرگز کوئی راستہ نہیں پائیں گے‘‘ اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾اللہ تعالیٰ جن کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں ان کے اعمال کی وجہ سے گمراہ کرتے ہیں پھروہ ہدایت کی طرف کوئی راستہ نہیں پاتے (الاساس فی التفسیر:1140/2)﴿2﴾فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا ’’اس کے لیے آپ ہرگز کوئی راستہ نہیں پائیں گے‘‘ یعنی رشدوہدایت کی طرف اوردلیل طلب کرنے کی طرف راستہ نہیں پاتے۔(قرطبی:211/3)﴿3﴾جو ہدایت کی نہ نیت کرتے ہیں، نہ ارادہ جو گمراہی کی نیت بھی رکھتے ہیں اورارادہ بھی کرتے ہیں جو گمراہی کے راستے پر چلنے کے لیے کوششیں کرتے ہیں جو گمراہی کے راستے پر بہت آگے بڑھ جاتے ہیں ان کے لیے ہدایت کا راستہ بند ہوجاتا ہے کیونکہ انہوں نے صراطِ مستقیم کے سارے نشانات گم کردیئے ہیں۔

وَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ كَمَا كَفَرُوۡا فَتَكُوۡنُوۡنَ سَوَآءً‌ فَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ اَوۡلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ وَجَدْتُّمُوۡهُمۡ‌ ۖ وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا(89)

وہ چاہتے ہیں جیسا کہ انہوں نے کفر کیا ہے کاش تم بھی کفر کرو کہ تم سب برابر ہوجاؤ، چنانچہ ان میں سے تم کسی کو دوست نہ بناؤ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت نہ کریں۔ پس اگر وہ منہ پھیرلیں تو جہاں بھی تم ان کو پاؤ، انہیں پکڑو اورقتل کرواوران میں سے کوئی دوست اورنہ کوئی مددگار بناؤ۔(89)

سوال1:وَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ كَمَا كَفَرُوۡا فَتَكُوۡنُوۡنَ سَوَآءً ’’وہ چاہتے ہیں جیسا کہ انہوں نے کفر کیا ہے کاش تم بھی کفر کرو کہ تم سب برابر ہوجاؤ‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:محمد بن کعب کا قول ہے فرماتے ہیں کاش تم بھی اسی طرح کفر کرو جیسے انہوں نے کفر کیا ہے اس طرح سب برابر ہو جاؤ۔(ابن ابی حاتم:1025/3)

سوال2:منافقین کے اصل مؤقف کا اظہار کس بات سے ہوتا ہے؟

جواب:منافقین خودتو گمراہ ہوئے ہی ہیں مسلمانوں کے بارے میں بھی ان کی یہ خواہش ہے کہ وہ بھی کفر کا راستہ اختیار کرلیتے تو اچھا ہوتا۔اس طرح ان کے اصل مؤقف یعنی کفر کی طرف لوٹ جانے کا اظہار ہوتا ہے۔

سوال3:وَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ كَمَا كَفَرُوۡا ’’وہ چاہتے ہیں جیسا کہ انہوں نے کفر کیا ہے کاش تم بھی کفر کرو‘‘ مسلمانوں میں یہ خوف کس وجہ سے پیدا ہوتا تھا؟

جواب:﴿1﴾ مسلمانوں میں یہ خوف اس لیے پیدا ہوجاتا ہے کہ انہوں نے نیا نیا کفر چھوڑ کر اسلام کو اپنایا تھا۔﴿2﴾ مسلمانوں کے اندر یہ شعور موجود تھا کہ ان کی زندگی میں کتنی بڑی تبدیلی آئی ہے۔﴿3﴾ مسلمانوں کے اندر یہ شعور موجود تھا کہ ان کا شعور کیسے بلند ہوا ہے۔﴿4﴾ مسلمانوں کو یہ شعور تھا کہ جاہلیت کے مقابلے میں ان کے معاشرے کو کتنی سربلندی نصیب ہوئی ہے۔مسلمانوں کے لیے یہ اشارہ کافی ہو گیا کہ وہ تو چاہتے ہیں کسی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ۔اس طرح سے قرآنِ مجید نے اپنے مخصوص تربیتی انداز میں اصل نقصان واضح کر کے ان کے دلوں میں دشمنی جگائی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو تمہیں پھر پستی کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں۔

سوال4: اللہ تعالیٰ نے فرمایا:'' فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ '' ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت نہ کریں'اس سے کس صورتِ حال کا اظہار ہو رہا ہے؟

جواب:﴿1﴾ اس آیت سے یہ صورت سامنے آرہی ہے کہ ابھی تک مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان خاندانی اور قبائلی تعلقات باقی تھے۔﴿2﴾ اس سے یہ بھی پتہ چل رہا ہے کہ ان تعلقات کی ان کے دلوں میں قدرو قیمت تھی۔﴿3﴾ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ شاید یہ اقتصادی مفادات کی خاطر بھی ہوا ہے۔﴿4﴾ یہ ممانعت ان کے ساتھ عدم محبت کو لازم ٹھہراتی ہے کیونکہ موالات اور دوستی محبت ہی کی ایک شاخ ہے۔نیز یہ ممانعت ان کے ساتھ بغض اور عداوت کو لازم ٹھہراتی ہے کیونکہ کسی چیز سے ممانعت درحقیقت اس کی ضد کا حکم ہے اور اس حکم کی مدت ان کی ہجرت تک ہے۔(تفسیرِ سعدی)﴿5﴾ دوستی کے لیے ہجرت کی شرط عائد کردی گئی اور وہ ہجرت بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اور اُسی کے راستے میں ہو یعنی ایسے اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے ہو جو اسلام کے مطابق زندگی گزار رہا ہو۔

سوال5: دارالاسلام (مدینہ) اور دارُالحرب (مکہ) کے درمیان دوستی اور ولایت کے تعلقات کیوں قائم نہیں ہو سکتے؟

جواب: دوستی کے لیے ہجرت کی شرط عائد کردی گئی اور وہ ہجرت بھی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اور اُسی کے راستے میں ہو یعنی ایسے اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے ہو جو اسلام کے مطابق زندگی گزار رہا ہو۔

سوال6: اسلامی معاشرے کا ممبر بننے کے لیے کیا شرائط ہیں؟

جواب:﴿1﴾ دارُالکفر کو خیر باد کہہ دیں یعنی اپنے اہل وعیال کو (اگر وہ اسلام قبول نہیں کرتے) چھوڑ دیں، اپنے ملک اور اپنی مصلحتوں کو چھوڑ دیں اور ہجرت کرلیں۔﴿2﴾ دارالاسلام میں اسلامی نظام کے تحت زندگی گزاریں۔﴿3﴾ جس معاشرے

میں اسلامی شریعت جاری ہو اس کی طرف آنے والے مہاجرین کو اسلامی معاشرے کا ممبر بنایا جائے گا۔

سوال7: ہجرت کی وضاحت کریں؟

جواب: ہجرت کی کئی قسمیں ہیں۔ ﴿1﴾ ہجرت مدینہ جو نبی ﷺ کی نصرت کے لیے تھی اور اسلام کی ابتداء میں واجب تھی حتیٰ کہ نبی ﷺ نے فرمایا فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں۔ (بخاری) ﴿2﴾ منافقوں کی نبی ﷺ کے ساتھ غزوات میں ہجرت تھی۔ دارالاسلام میں جو لوگ اسلام لے آتے تھے ان پر ہجرت واجب ہو جاتی تھی۔ ﴿3﴾ مسلمانوں کی ہجرت اس چیز سے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر حرام کی ہو جیسا کہ بخاری، ابوداؤد اور نسائی میں ابن عمر سے روایت ہے کہ مہاجر وہ ہے جو اس چیز کو چھوڑ دے جس سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہو یا جو اس چیز کو چھوڑ دے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر حرام کی ہو دونوں ہجرتیں ثابت ہیں۔ ﴿4﴾ نافرمانوں کی ہجرت یہاں تک کہ ان کی تادیب ہو ان سے نہ کلام کیا جائے یہاں تک کہ وہ توبہ کرلیں جیسا کہ نبی ﷺ نے کعب بن مالک اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ کیا۔ (تفسیر منیر: 204،205/3)

سوال8: فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ ''پس اگر وہ منہ پھیرلیں تو جہاں بھی تم ان کو پاؤ، انہیں پکڑو اور قتل کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ابوبکر نے کہا: اگر وہ ایمان اور ہجرت سے منہ پھیریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے حَتّٰى يُهَاجِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ اس سے ہجرت اور ایمان دونوں کا اشتراک ملتا ہے۔ (تفسیر قاسمی: 275/5) ﴿2﴾ اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں تو اگرچہ وہ اسلام کا اظہار کریں ان کے ساتھ کافروں جیسا برتاؤ کرو کیونکہ دارالکفر چلے جانے کے بعد ان کا کفر کھل کر سامنے آ گیا اس لیے انہیں گرفتار کرو اور حلّ وحرم جہاں پاؤ انہیں قتل کردو۔ (تیسیر الرحمٰن)

سوال9: وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ''اور ان میں سے کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار بناؤ'' اگر دارالحرب میں رہنے والے مسلمان کلمہ پڑھنے کے بعد ہجرت کی شرط قبول نہ کریں تو ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا؟

جواب: ﴿1﴾ فَخُذُوۡهُمۡ ''انہیں پکڑ کر قید کرلو'' ﴿2﴾ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ ''جہاں پاؤ انہیں قتل کردو'' ﴿3﴾ وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِيًّا ''ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ'' ﴿4﴾ وَّلَا نَصِيۡرًا ''ان میں سے کسی کو مددگار نہ بناؤ''

اِلَّا الَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ اَوۡ جَآءُوۡكُمۡ حَصِرَتۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ اَوۡ يُقَاتِلُوۡا

قَوۡمَهُمۡ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمۡ عَلَيۡكُمۡ فَلَقٰتَلُوۡكُمۡ ۚ فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡكُمۡ فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ وَاَلۡقَوۡا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سَبِيۡلًا (90)

سوائے ان لوگوں کے جو ایسے لوگوں سے وابستہ ہوں کہ تمہارے درمیان اوران کے درمیان معاہدہ ہے یا وہ تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ جن کے سینے تنگ ہیں کہ وہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ضرور انہیں تم پر مسلّط کر دیتا پھر وہ ضرور تم سے لڑتے۔ سو اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار کریں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے خلاف تمہارے لیے کوئی راستہ نہیں رکھا۔(90)

سوال 1: اِلَّا الَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ ’’ سوائے ان لوگوں کے جو ایسے لوگوں سے وابستہ ہوں کہ تمہارے درمیان اوران کے درمیان معاہدہ ہے‘‘ اور’’ جہاں کہیں بھی ہو انہیں پکڑو اور قتل کرو‘‘ کے حکم سے کن واجبُ القتل منافقوں کو مستثنیٰ رکھا گیا ہے؟

جواب: جنگ کرنے کے حکم سے ان منافقوں کو مستثنیٰ رکھا گیا﴿1﴾ جو کسی ایسی قوم میں چلے جائیں جن کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہے کہ اتنے عرصے تک وہ مسلمانوں سے جنگ نہیں کریں گے تو ایسے لوگوں کا پیچھا نہیں کیا جائے گا۔ ﴿2﴾ ایسے منافقوں سے بھی جنگ نہیں کی جائے گی جو غیر جانبدار رہوں۔ نہ وہ اپنی قوم کا ساتھ دے کر آپ سے لڑنا چاہتے ہیں، نہ آپ سے مل کر اپنی قوم سے لڑنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ اگر اپنی قوم سے مل کر لڑنے آ بھی جائیں مگر دل میں تنگی محسوس کریں تو ان کے ساتھ بھی جنگ نہیں کی جائے گی۔

سوال 2: اَوۡ جَآءُوۡكُمۡ حَصِرَتۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ اَوۡ يُقَاتِلُوۡا قَوۡمَهُمۡ ’’ یا وہ تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ ان کے سینے تنگ ہیں کہ وہ تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: یعنی جو لوگ اس حال میں آپ سے مقابلے کے لیے آئیں کہ وہ آپ سے لڑنا نہیں چاہتے نہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ مل کر اپنی قوم سے جنگ کریں بلکہ وہ آپ کے نفع ونقصان سے علیحدہ ہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں غالب کر دے اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ اس نے کافروں کو آپ سے جنگ کرنے سے روک دیا۔

سوال 3: وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمۡ عَلَيۡكُمۡ فَلَقٰتَلُوۡكُمۡ ’’ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں تم پر مسلّط کر دیتا پھر وہ ضرور تم سے لڑتے‘‘ کی

وضاحت کریں؟

جواب:ان کافروں کی قوت کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں چھیڑنا ان کی پوشیدہ قوت کو ظاہر کرنے پر انہیں مجبور کرنا ہے۔اس لیے اگر وہ اپنی قوت کے باوجود مسلمانوں سے قتال نہیں کرتے اور صلح و آشتی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو انہیں نہ قید کیا جائے اور نہ قتل کیا جائے اس لیے کہ اسلام کو ان سے کوئی نقصان نہیں ہے۔(تیسیر الرحمٰن)

سوال 4: فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡكُمۡ فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ وَاَلۡقَوۡا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ ''پھر اگر وہ تم سے کنارہ کشی اختیار کریں اور تم سے جنگ نہ کریں اور تمہاری طرف صلح کا پیغام بھیجیں' کی وضاحت کریں؟

جواب:ابن ابی حاتم اور حافظ ابن مردویہ نے حسن بصری رحمہ اللہ سے موقوف روایت کی ہے کہ بدر واحد کے غزوات کے بعد سراقہ بن مالک مدلجی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو میری قوم (بنی مدلج) پر چھاپہ مارنے کے لیے بھیجنا چاہتے ہیں۔میری رائے ہے کہ آپ ان سے صلح کرلیں اور جب آپ کی قوم اسلام لے آئے گی تو وہ لوگ بھی اسلام لے آئیں گے اور اگر وہ لوگ اسلام نہیں لائیں گے تو مناسب نہیں کہ آپ اپنی قوم کو ان پر غالب کریں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر خالد رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ اس کے ساتھ جاؤ اور یہ جیسے چاہتا ہے ویسے کرو۔چنانچہ خالد رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ اس شرط پر صلح کرلی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے اور جب قریش اسلام لے آئیں گے تو وہ بھی اسلام لے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ نے اِلَّا الَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍ نازل فرمائی۔(تیسیر الرحمٰن)

سوال 5: فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ''تو اللہ تعالیٰ نے اُن کے خلاف تمہارے لیے کوئی راستہ نہیں رکھا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:اس آیت کو سورہ براء کی آیت سے منسوخ کر دیا اور ہر عہد والے کا معاہدہ ان کی طرف توڑ کر پھینک دیا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ مشرکوں کو قتل کردو۔(ابن ابی حاتم:1028/3)

سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّاۡمَنُوۡكُمۡ وَيَاۡمَنُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ كُلَّمَا رُدُّوۡۤا اِلَى الۡفِتۡنَةِ اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَعۡتَزِلُوۡكُمۡ وَيُلۡقُوۡۤا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ ؕ وَاُولٰۤـئِكُمۡ جَعَلۡنَا لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا(91)

جلد ہی تم کچھ لوگوں کو پاؤ گے جو ارادہ رکھتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں۔مگر جب کبھی اُنہیں فتنے کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اُس میں اوندھے ڈال دیئے جاتے ہیں چنانچہ وہ اگر تم سے الگ نہ رہیں اور تم پر صلح بھی پیش نہ کریں اور اپنے ہاتھ تم سے نہ روکیں تو تم اُن کو پکڑ واور جہاں بھی انہیں پاؤ،قتل کرو۔ اور یہی لوگ ہیں جن کے خلاف ہم نے تمہارے لیے واضح دلیل بنا دی ہے۔(91)

سوال1:سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ’’جلد ہی تم کچھ لوگوں کو پاؤ گے جو ارادہ رکھتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اس سے مراد مکہ کے لوگ ہیں جو نبی ﷺ کے پاس آتے تو ظاہر میں مسلمان ہو جاتے پھر قریش کے پاس جاتے تو بتوں کی عبادت کرتے اس دوطرفہ کاروائی سے وہ امن میں رہنا چاہتے۔《2》امام رازی نے لکھا ہے: بہتوں کے نزدیک یہ آیت دلیل ہے کہ جو کفار صلح کی خواہش کا اظہار کریں اور مسلمانوں کو ایذا نہ پہنچائیں تو ان سے قتال کرنا جائز نہیں ہے۔(تیسیر الرحمٰن:284)

سوال2:كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ’’مگر جب کبھی اُنہیں فتنے کی طرف لوٹایا جاتا ہے تو اُس میں اوندھے ڈال دیئے جاتے ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: یہاں فتنہ سے مراد شرک ہے جب کبھی انہیں شرک کی طرف بلایا جاتا ہے تو وہ برے طریقے سے شرک اختیار کرتے ہیں اس طرح وہ کفار کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔(تفسیر منیر:203/3)

سوال3:فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ’’چنانچہ وہ اگر تم سے الگ نہ رہیں اور تم پر صلح بھی پیش نہ کریں اور اپنے ہاتھ تم سے نہ روکیں تو تم اُن کو پکڑ واور جہاں بھی انہیں پاؤ،قتل کرو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اگر وہ آپ سے الگ نہ رہیں اور صلح بھی پیش نہ کریں اور اپنے ہاتھ تم سے نہ روکیں تو جہاں کہیں ملیں انہیں گرفتار کرواور قتل کردو۔

سوال4:وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ’’اور یہی لوگ ہیں جن کے خلاف ہم نے تمہارے لیے واضح دلیل بنا دی ہے‘‘اسلام کن منافقوں سے جنگ کرنے کی کھلی چھوٹ دیتا ہے؟

جواب: اسلام بدترین منافقوں سے جنگ کی کھلی چھوٹ دیتا ہے جو’’امن‘‘ کا اعلان کریں اور جب موقع ملے تو اسلام دشمنی کریں۔

سوال5: اسلام منافقین کے ساتھ رواداری کیوں نہیں برتتا؟

جواب: ﴿1﴾ منافق زبان سے شہادت دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ ﴿2﴾ مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کرتے ہیں۔

سوال6: اسلام کن شرائط پر کسی قوم کے ساتھ معاہدہ کرسکتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اگر کوئی معاہدہ امن اور اسلام کے بنیادی اُصولوں کے مخالف نہ ہو۔ ﴿2﴾ معاہدے کی وجہ سے اسلام قبول کرنے کی آزادی متاثر نہ ہورہی ہو۔ ﴿3﴾ معاہدے کی وجہ سے تبلیغِ اسلام کی آزادی ختم نہ ہورہی ہو۔ ﴿4﴾ اسلام کے راستے میں قوت کے ساتھ رکاوٹیں کھڑی نہ کی جاتی ہوں۔ ﴿5﴾ اس معاہدے کی وجہ سے مسلمان مشکلات سے بچ رہے ہوں۔ ﴿6﴾ معاہدے کی وجہ سے مسلمانوں کو امن نصیب ہورہا ہوتو اسلام معاہدۂ امن کی اجازت دیتا ہے۔

رکوع نمبر10

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا(92)

اور کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے۔ اور جو کسی مومن کو غلطی سے قتل کردے تو ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔ اور مقتول کے گھر والوں کو دیت ادا کرنی ہے مگر یہ کہ وہ صدقہ کر (کے معاف کر) دیں پھر اگر مقتول ایسی قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے حالانکہ وہ خود مومن ہو تو ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے اور اگر وہ ایسی قوم سے ہو جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو تو دیت ادا کرنی ہے جو اس کے گھر والوں کے حوالے کی گئی ہو اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے۔ تو جو کوئی نہ پائے (غلام) تو اس پر دو مہینے کے لگاتار روزے رکھنا ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے توبہ کے لیے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔(92)

سوال1:اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب:ابن جریر نے عکرمہ سے روایت کیا ہے کہ حارث بن یزید بنی عامر بن لوی سے تھے، یہ ابوجہل کے ساتھ عیاش بن ابی ربیعہ کو سخت تکالیف دیا کرتے تھے، پھر حارث بن یزید ہجرت کر کے رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں آگئے مقام حرہ میں ان کو عیاش ملے، انہوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ کافر ہیں انہیں قتل کر دیا، اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو بلا تحقیق قتل کرے لیکن غلطی سے۔ (لباب النقول فی اسباب النزول)(تفسیر ابن عباس:289/1)

سوال2:وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ’’اور کسی مومن کا یہ کام نہیں ہے کہ کسی مومن کو قتل کرے مگر غلطی سے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:مومن کا اپنے کسی بھائی کو کسی صورت قتل کرنا روا نہیں جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کسی مسلمان کا خون جو اس بات کی گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کا حق دار نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، حلال نہیں ہے۔ البتہ ان تین صورتوں میں سے کسی صورت کی وجہ سے حلال ہے۔ i۔ جان کے بدلے جان ii۔ شادی شدہ زناکار iii۔ مرتد جس نے اپنا دین چھوڑ دیا ہو اور جماعت سے علیحدہ ہو گیا ہو۔ قصاص میں، شادی کے بعد زناکاری میں اور ارتداد میں خون بہانا حلال ہے پھر اگر ان تین باتوں میں سے کوئی بات پیش آجائے تو کوئی شخص اس کو قتل نہیں کر سکتا۔ یہ کام امام یا نائب امام کا ہے۔

سوال3:اسلام قتل کو کیسا جرم قرار دیتا ہے؟

جواب:《1》اسلام میں قتل ناحق شدید جرم ہے۔ یہ قتل کسی مومن کا ہو تو عملی کفر ہے اور شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے اس جرم کے بعد اللہ تعالیٰ کے غضب اور اس کی لعنت کے الفاظ سے اس جرم کی شدت واضح ہو جاتی ہے۔《2》سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے پہلے (قیامت کے دن) لوگوں کے درمیان خون خرابے کے فیصلہ جات کیے جائیں گے۔ (بخاری:6864)《3》سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: سب سے بڑے گناہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، کسی کی ناحق جان لینا، والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹ بولنا ہیں یا فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینا۔ (صحیح بخاری:6871)《4》سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ایک مومن کا قتل اللہ تعالیٰ کے نزدیک پوری دنیا کے ختم ہو جانے

سے زیادہ بڑا ہے۔(نسائی:3991)《5》سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مومن اس وقت تک اپنے دین کے بارے میں برابر کشادہ رہتا ہے(اسے ہروقت مغفرت کی امید رہتی ہے)جب تک ناحق خون نہ کرے۔ جہاں ناحق کیا تو مغفرت کا دروازہ تنگ ہوجاتا ہے۔(صحیح بخاری:6862)《6》سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے تھے کہ ہلاکت کا بھنور جس میں گرنے کے بعد پھر نکلنے کی امید نہیں ہے وہ ناحق خون کرنا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔(صحیح بخاری:6863)《7》سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو کعبۃ اللہ کا طواف کرتے دیکھا، آپ ﷺ فرمارہے تھے:(اے کعبہ!) تو کس قدر پاکیزہ ہے، تیری خوشبو کس قدر عمدہ ہے تو کتنا عظمت والا ہے اور تو کتنا زیادہ قابلِ احترام ہے۔قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے! مومن کی عزت، جان اور مال کا احترام اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری عزت اور احترام سے زیادہ ہے۔(ابن ماجہ:3932)《8》اسلام اس دنیا میں کسی ایسی حالت کا تصور نہیں کرتا جس میں ایک مسلمان کی جانب سے دوسرے مسلمان کے ناحق قتل کا جواز پیدا ہو۔

سوال4: وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا ’’اور جو کسی مومن کو غلطی سے قتل کردے‘‘ قرآن مجید نے قتل کے حوالے سے پہلے قتلِ خطا کا ذکر کیوں کیا؟

جواب:《1》اسلام ایک مسلمان کے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کو عزت واحترام کی بنیاد پر تشکیل دیتا ہے۔یہ تعلقات گہرے، عظیم اور قیمتی ہیں۔اس لیے اسلام یہ فرض نہیں کرتا کہ یہ تعلقات اتنے خراب ہوجائیں گے کہ نوبت قتل تک پہنچ جائے۔اس لیے قرآنِ مجید قتلِ خطا سے بات شروع کرتا ہے۔《2》قتلِ خطا کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں:《1》کوئی شخص کسی جانور کا شکار کرنے کے لیے گولی چلائے یا تیر یا پتھر مارے اور شکار کو لگنے کی بجائے کسی مسلمان کو لگے اور وہ مر جائے۔《2》کوئی شخص کسی کو کوئی چیز جان بوجھ کر مارے لیکن اسے یہ گمان بھی نہ ہو کہ ہلکی سی چوٹ سے دوسرا شخص مرجائے گا۔《3》جنگ میں کسی مسلمان کو کافر سمجھ کر مار ڈالے جیسے سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کے والد کو کافر سمجھ کر قتل کردیا گیا تھا۔《4》ٹریفک کے حادثہ میں کسی گاڑی سے ٹکر کھا کر یا اس کے نیچے آکر کوئی مارا جائے۔

سوال5: فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ ’’تو ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔اور مقتول کے گھر والوں کو دیت ادا کرنی ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جوب:﴿1﴾ رَقَبَةٍ غلام یا لونڈی (ایسر التفاسیر:286)﴿2﴾ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ ’’ایک مومن غلام‘‘ قتادہ کے نزدیک جو نماز پڑھے۔وہ اس بچے کے آزاد کرنے کو مکروہ خیال کرتے تھے جو نماز نہ پڑھتا ہو اور نہ ابھی اس تک پہنچا ہو۔(جامع البیان:239/5)﴿3﴾ غلام قاتل کے مال سے آزاد کیا جائے گا۔(تفسیر سعدی)﴿4﴾ قتل خطا میں قصاص نہیں ہے،صرف دیت ہے۔اسلام نے قتلِ خطا کی صورت میں یا کسی انسان کو کوئی جسمانی نقصان پہنچانے پر جو معاوضہ رکھا ہے اسے عربی میں ’دِیت‘ اور فارسی میں ’خوں بہا‘ کہتے ہیں۔

سوال6: دیت کی مقدار کیا ہے؟

جواب:﴿1﴾ احادیث کی رو سے 100 اونٹ یا اس کے مساوی قیمت سونے،چاندی یا کرنسی کی شکل میں دی جائے گی۔
﴿2﴾ اس دِیت کی قیمت سنن ابی داؤد کی حدیث کے مطابق آٹھ سو دینار یا آٹھ ہزار درہم اور جامع ترمذی کی روایت کے مطابق بارہ ہزار درہم ہے۔﴿3﴾ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں دیت کی قیمت میں کمی بیشی کی اور مختلف پیشوں کے اعتبار سے اس کی مختلف نوعیتیں مقرر کیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اصل دیت سو اونٹ کی بنیاد پر ہر دور کے لحاظ سے قیمت مقرر کی جائے گی۔﴿4﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بنی ہذیل کی دو عورتیں آپس میں لڑیں اور ایک نے دوسری عورت پر پتھر پھینک مارا جس سے وہ عورت اپنے پیٹ کے بچے (جنین) سمیت مرگئی۔پھر (مقتولہ کے رشتہ دار) مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں لے گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا کہ پیٹ کے بچے کا خون بہا ایک غلام یا کنیز دینی ہوگی اور عورت کے خون بہا کو قاتل عورت کے عاقلہ (عورت کے باپ کی طرف سے رشتہ دار عصبہ) کے ذمہ واجب قرار دیا۔(صحیح بخاری:6910)

سوال7: اِلَّاۤ اَنۡ یَّصَّدَّقُوۡا ’’مگر یہ کہ وہ صدقہ کر (کے معاف کر) دیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اسلام مقتول کے ورثاء کو دیت معاف کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔اخوت کے لیے عفو درگزر مفید ہے۔سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کا قتل معاف کیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے اُحد والوں کی خطائیں معاف کردی تھیں۔

سوال8: فَاِنۡ کَانَ مِنۡ قَوۡمٍ عَدُوٍّ لَّکُمۡ وَہُوَ مُؤۡمِنٌ فَتَحۡرِیۡرُ رَقَبَۃٍ مُّؤۡمِنَۃٍ ’’سو اگر مقتول ایسی قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے حالانکہ وہ خود مومن تھا تو ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے‘‘ دِیت غیر مسلم خاندان کو کیوں نہیں دی جائے گی؟

جواب:﴿1﴾ اگر مقتول مومن ہو لیکن کسی دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہو تو ایک مسلمان غلام آزاد کرنا (دارُ الاسلام کے نقصان کی تلافی کے

لیے)غلام میسر نہ آنے کی صورت میں دوماہ کے متواتر روزے رکھنے ہوں گے۔اس کی دیت نہیں ہوگی۔﴿2﴾ قتادہ نے کہا: کافر ہونے کی وجہ سے ان کے لیے دیت نہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ اوران کے درمیان کوئی معاہدہ اور ذمہ نہیں ہے۔(جامع البیان:524/1:1)

سوال9: وَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ وَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ ”اوراگر وہ ایسی قوم سے ہو جس کے اور تمہارے کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو تو دیت ادا کرنی ہے جو اس کے گھر والوں کے حوالے کی گئی ہو اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہے“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ مومنوں کے ساتھ معاہدے کی وجہ سے معاہد قوم کے خاندان کو دیت دی جائے گی ان کے جان و مال بھی مومنوں کی جان و مال کے مساوی ہو جائیں گے۔﴿2﴾ اگر غیر مسلم قبیلے کے مسلمان فرد کو غلطی سے قتل کرے جس سے مسلمانوں کا معاہدہ ہے تو ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا اور مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرنی ہوگی۔

سوال10: فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ تَوۡبَةً مِّنَ اللّٰهِ ”تو جو (غلام) نہ پائے اس پر دو مہینے لگاتار روزے رکھنا ہیں اللہ تعالیٰ سے توبہ کے لیے ہیں“ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ جو دیت دینے کے ساتھ مسلمان غلام آزاد نہ کرسکتا ہو تو وہ لگاتار روزے رکھے گا۔اگر ناغہ ہو گیا تو نئے سرے سے روزے رکھنے ضروری ہوں گے۔البتہ شرعی عذر جیسے شدید بیماری، حیض اور نفاس وغیرہ میں رخصت ہے۔﴿2﴾ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آیت سے تجاوز کیا گیا ہے کہ قتل خطا کا کفارہ رکھ دیا گیا۔(فتح القدیر638/1)

سوال11: قتلِ خطا کے احکام اور کفارے کی کتنی صورتیں ہیں؟

جواب:

قتلِ خطا کی صورت	کفارہ
1۔اگر مقتول کے وارث مسلمان ہیں:	ا۔پوری دیت (مقتول کے ورثاء کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لیے)۔ ب۔ایک مومن غلام کو آزاد کرنا (اسلامی معاشرے کے نقصان کی تلافی کے طور پر)۔غلام میسر نہ آنے کی صورت میں دوماہ کے متواتر روزے رکھنے

ہوں گے۔
ج۔اسلام مقتول کے ورثاءکو دیت معاف کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔
د۔اخوت کے لیے عفو درگزر مفید ہے۔
و۔حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کا قتل معاف کیا تھا۔
ی۔اللہ تعالیٰ نے اُحد والوں کی خطائیں معاف کر دی تھیں۔

2۔اگر مقتول مؤمن ہو لیکن کسی دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہو:	ا۔ایک مسلمان غلام آزاد کرنا (دارُالاسلام کے نقصان کی تلافی کے لیے) غلام میسر نہ آنے کی صورت میں دو ماہ کے متواتر روزے رکھنے ہوں گے۔ ب۔اس کی دیت نہیں ہوگی۔
3۔اگر غیر مسلم قبیلے کے مسلمان فرد کو غلطی سے قتل کرے جس سے مسلمانوں کا معاہدہ ہے	ا۔ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا۔ ب۔مقتول کے وارثوں کو دیت ادا کرنی ہوگی۔

سوال 12: وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ’’ اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے قتلِ خطا کے جُرم میں اپنے عَلِیم اور حَکِیم ہونے کا شعور دلایا ہے تاکہ لوگ خوش دِلی سے اللہ تعالیٰ کے قانون کو قبول کرلیں۔اگرچہ قتل کرنے والے کی نیت نہیں تھی لیکن نیت کے بغیر بھی کسی کی ناحق جان اسی کے ہاتھوں سے گئی ہے اور وہ جو سب علم والوں سے بڑھ کر علم رکھنے والا ہے اور جو سب سے زیادہ دانا ہے وہ انسانی نفسیات کو جانتا ہے اس لیے اس کے قانون کو قبول کرلو۔

وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيۡهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا (93)

اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہو گیا اور اس نے لعنت کی ہے اُس پر اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کیا ہے۔ (93)

سوال 1: اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ علماء کوفہ کا اس آیت کے بارے میں اختلاف ہو گیا تھا چنانچہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں اس کے لیے سفر کر کے گیا اور ان سے اس کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ ''اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا دوزخ ہے'' نازل ہوئی اور اس باب کی یہ سب سے آخری آیت ہے اسے کسی دوسری آیت نے منسوخ نہیں کیا ہے۔ (صحیح بخاری:4590)

سوال 2: وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا ''اور جو شخص کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے'' قتلِ عمد سے کیا مراد ہے؟

جواب: اگر کوئی مسلمان جان بوجھ کر ارادتاً دوسرے مسلمان کو قتل کر دے تو یہ قتل عمد ہے۔

سوال 3: فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيۡهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا ''اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہنے والا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ غضبناک ہو گیا اور اس نے لعنت کی ہے اُس پر اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کیا ہے'' قتل عمد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کیا حکم ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کا قتل عمد کے بارے میں حکم ہے کہ اس کی سزا جہنم ہے اس میں ہمیشہ رہے گا، اس پر اللہ کا غضب ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور اس کے لیے سخت عذاب ہے۔ اس آیت میں قتل عمد کے لیے سخت ڈراوا اور سخت وعید ہے اور قرآن کی اکثر آیات میں اس کا ذکر شرک کے ساتھ آیا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيۡنَ لَا يَدۡعُوۡنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقۡتُلُوۡنَ النَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَـقِّ وَلَا يَزۡنُوۡنَ ۚ اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہیں پکارتے اور جس جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے اُسے قتل نہیں کرتے مگر حق کے ساتھ اور وہ زنا نہیں کرتے۔ (الفرقان:68) ﴿2﴾ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے دنیا ختم ہونے سے پہلے ایسا دن ضرور آئے گا قاتل کو بھی پتہ نہ ہوگا کہ میں نے کیوں قتل کیا۔ اور مقتول کو بھی پتہ نہ

ہوگا کہ میں کیوں قتل ہوا۔کسی نے عرض کیا ایسا کیوں ہوگا؟فرمایا: فتنہ کی وجہ سے ایسا ہوگا قاتل اور مقتول دونوں دوزخ میں ہوں گے۔(مسلم:759/1)《3》سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ جب دومسلمان اپنی تلواریں لےکرآمنےسامنےآجائیں تووہ دونوں دوزخ والوں میں سے ہیں ایک شخص نے عرض کیا کہ ان میں سے جوقتل کردے اس کا دوزخ میں جانا سمجھ آتا ہے جوقتل ہوگیادوزخ میں کیوں جائے گا؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:انہ قد اراد قتل صاحبہ کہ مقتول بھی تو یہی ارادہ کیے ہوئے تھا کہ میں اس شخص کوقتل کردوں لہذاوہ اپنی نیت کی وجہ سے دوزخ میں گیا (نیت تو دونوں ہی کی ایک دوسرےکوقتل کرنے کی تھی یہ بات اور ہے کہ ایک کاداؤ لگ گیا۔(بخاری:1049/2)《4》جرم بیان کرنے کے بعداللہ کاغضب اوراس کی لعنت کے الفاظ سے اس جرم کی شدت واضح ہوجاتی ہے۔(تیسیر القرآن:444/1)《5》یہاں اللہ تعالیٰ نے جان بوجھ کرقتل کرنے والے کے لیے وعید کا ذکرفرمایا ہے جس سے دل کانپ جاتے ہیں، کلیجے پھٹ جاتے ہیں اورعقلمند لوگ گھبرا جاتے ہیں۔کبیرہ گناہوں میں سے کسی اورگناہ کے لیے اس سے بڑی بلکہ اس جیسی وعید بھی وارد نہیں ہوئی۔آگاہ رہو کہ یہ اس امرکی خبر دینا ہے کہ مومن کےقتل کے مرتکب کے لیے جہنم ہے۔یعنی یہ گناہ عظیم اکیلا ہی کافی ہے کہ اپنے مرتکب کوجہنم،عذاب عظیم،رسوائی،اللہ جبار کی ناراضگی،فوزوفلاح سے محرومی وناکامی اورخسارے جیسی سزا کا مستحق بنائے۔ہم ہراس سبب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں جواللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرے۔اس وعید کاحکم،کبیرہ گناہوں کے بارے میں وارداس جیسی نصوص وعید کی مانند ہے جن میں جہنم میں خلوداور جنت سے محرومی کا ذکرکیا گیا ہے۔(تفسیر سعدی:/1564)

سوال4: کیاقتلِ عمدتوبہ کے ذریعے معاف ہوسکتا ہے؟

جواب:《1》سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی رائے ہے کہ یہ توبہ کے ذریعے بھی معاف نہیں ہوگا۔یہ بات حدیث رسول ﷺ سے بھی واضح ہوتی ہے۔سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے (خطبۂ حجۃ الوداع میں) فرمایا ”بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پرایک دوسرے کے خون،مال اورعزت اسی طرح حرام کردی ہیں جس طرح تمہارے اس دن کی،اس شہرکی اورتمہارے اس مہینے کی حرمت ہے۔“نیز فرمایا:”میرے بعد ایک دوسرے کی گردنیں مار کر کافر نہ بن جانا۔“ (بخاری:6785)《2》سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن قاتل کی پیشانی کے بال اورسر مقتول کے ہاتھ میں ہوگا۔اوراس کے گلے کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا۔اوراللہ سے فریاد کرے گا کہ اے میرے رب!اس نے مجھے قتل کیا تھا یہاں تک کہ عرش کے قریب لے جائے گا۔روای کہتے ہیں: کہ لوگوں نے ابن عباس کے سامنے توبہ

کا ذکر کیا تو انہوں نے یہی آیت پڑھی اور کہا کہ یہ آیت نہ منسوخ ہے اور نہ بدلی گئی۔ پھر اس کی توبہ کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ (جامع ترمذی ابواب التفسیر)۔ ﴿3﴾ سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امید ہے اللہ ہر گناہ کو معاف فرما دے گا مگر جو شخص مشرک ہوتے ہوئے مر گیا اور جس نے کسی مومن کو قتل کر دیا ان کی مغفرت نہیں ہے۔ (ابوداؤد) ﴿4﴾ جمہور علمائے امت کا قول ہے کہ قاتل عمد کی توبہ اس کے اور اس کے رب کے درمیان ہے۔ اگر توبہ کر لے اور عملِ صالح کے ذریعے اپنی حالت درست کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دے گا اور مقتول کو اس کی مظلومیت کا اچھا بدلہ عطا کر کے اسے خوش کر دے گا۔ یہاں ایک سوال اور رہ جاتا ہے کہ امت کا اجماع ہے کہ توبہ کے ذریعے کسی کا حق ساقط نہیں ہو جاتا ہے۔ اس لیے توبہ کرنے کے بعد بھی مقتول کا حق قاتل کے ذمے باقی رہے گا اور وہ قیامت کے دن اپنے حق کا مطالبہ کرے گا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قاتل کی توبہ قبول کر لے گا تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ مقتول کو اس کی مظلومیت کا اتنا اچھا بدلہ دے گا کہ وہ خوش ہو جائے گا اور قاتل کی توبہ قبول ہو جانے کی وجہ سے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جنت میں بھیج دیا جائے گا۔ دنیا میں مقتول کے اولیاء کو اختیار ہے، چاہیں تو قصاص لیں، چاہیں تو معاف کر دیں اور چاہیں تو دیت مغلظہ لے لیں یعنی سو اونٹنیاں لیکن اگر مقتول کے اولیاء اسے معاف کر دیں یا دیت لینے پر راضی ہو جائیں تو کیا اسے کفارہ بھی دینا ہوگا؟ بہت سے علماء کہتے ہیں کہ ہاں، اسے کفارہ دینا ہوگا، اس لیے کہ جب قتلِ خطا میں کفارہ واجب ہے تو قتل عمد میں بدرجۂ اولیٰ واجب ہوگا۔ (تیسیر الرحمٰن)

سوال5: کیا قتلِ عمد کے قاتل کی توبہ قابلِ قبول ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اکثر علماء اس کی توبہ کی قبولیت کے قائل نہیں ہیں۔ ﴿2﴾ قرآن و حدیث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خالص توبہ سے ہر گناہ معاف ہو سکتا ہے۔

سوال6: قتلِ عمد کی سزا اتنی بڑی کیوں ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یہ قتل صرف ایک جان کا قتل نہیں ایک عظیم اور عزیز ترین اخوت اسلامی کا قتل بھی ہے۔ ﴿2﴾ قتل عمد ایمان کی نفی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ

اللّٰہَ کَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِیۡرًا(94)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں سفر کرو تو تم خوب تحقیق کر لیا کرو اور جو تمہیں سلام پیش کرے اسے یہ مت کہو کہ تو مومن نہیں ہے۔تم دنیا کی زندگی کا سامان تلاش کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں،اس سے پہلے تم بھی ایسے ہی تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا پس تم خوب تحقیق کر لیا کرو، جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اس سے پورا باخبر ہے۔(94)

سوال1:اس آیت کا شانِ نزول بتائیں؟

جواب:ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت ''اور جو تمہیں سلام پیش کرے اسے یہ مت کہو کہ تو مومن نہیں ہے'' کے بارے میں فرمایا کہ ایک صاحب (مرداس نامی) اپنی بکریاں چرا رہے تھے۔ایک مہم پر جاتے ہوئے کچھ مسلمان انہیں ملے تو انہوں نے کہا ''السلام علیکم''،لیکن مسلمانوں نے بہانہ خور جان کر انہیں قتل کر دیا اور ان کی بکریوں پر قبضہ کر لیا۔اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی تھی آخر آیت عَرَضَ الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا تک۔اس سے اشارہ انہیں بکریوں کی طرف تھا۔(بخاری:4591)

سوال2:یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوۡا ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں سفر کرو تو تم خوب تحقیق کر لیا کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾اے لوگو! جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تصدیق کی اور اس کے احکامات مانے ہیں اور اس کے نواہی کو ترک کیا ہے۔جب تم اسلام کی سر بلندی اور کلمہ حق کی بڑائی کے لیے دشمن سے مقابلے کے لیے نکلو اور تمہارے لیے کسی کا قتل مشتبہ ہو جائے کہ آیا وہ کفر ہے یا مسلمان تو کسی کو قتل کرنے میں جلدی نہ کرو جب تک کہ تمہیں یقین نہ ہو جائے کیوں کہ یہ جنگ اللہ اور رسول کے لیے ہے۔(تفسیرِ مراغی 289/2)﴿2﴾فَتَبَیَّنُوۡا اس سے مراد تحقیق کر لیا کرو جلدی نہ کرو (تفسیرِ منیر 223/3)﴿3﴾جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد پر نکلیں تو تمام مشتبہ امور میں اچھی طرح تحقیق کر لیا کریں اور جلدی نہ کیا کریں کیونکہ تمام معاملات دو قسم کے ہوتے ہیں،واضح اور غیر واضح ان میں تحقیق اور جانچ پڑتال کی کچھ زیادہ ضرورت نہیں ہوتی۔کیونکہ یہ چیز تحصیل حاصل کے زمرے میں آتی ہے۔رہے مشکل اور غیر واضح امور تو انسان ان میں جانچ پڑتال اور تحقیق کا محتاج ہوتا ہے کہ آیا وہ اس میں اقدام کرے یا نہ کرے؟ کیونکہ ان امور میں تحقیق اور جانچ پڑتال سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

بڑی بڑی برائیوں کا سدباب ہوتا ہے،اس کے ذریعے سے بندے کے دین ،عقل اوروقار کے بارے میں معرفت حاصل ہوتی ہے۔اس کے برعکس وہ شخص جومعاملات کی ابتداء ہی میں ان کی جانچ پڑتال سے پہلے فیصلہ کرنے میں عجلت سے کام لیتا ہے اسے اس عجلت سے ایسے نتائج کا سامنا ہوسکتا ہے جونہایت غیرمناسب ہوں۔جیسا کہ ان مسلمانوں کے ساتھ ہوا جن کا اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے جنہوں نے بغیر کسی تحقیق اور جانچ پڑتال کے ایک ایسے شخص کوقتل کردیا جس نے ان کوسلام کیا تھا، اس کے پاس کچھ بکریاں یا کوئی اور مال تھا اس کا خیال تھا کہ اس طرح سلام کرنے سے قتل ہونے سے بچ جائے گا اوران کا یہ فعل قتل درحقیقت خطا تھا، بنابریں اللہ تعالیٰ نے ان پرعتاب نازل فرمایا۔(تفسیر سعدی:567/1)《4》اس آیت میں تحقیق کا حکم سفر کے ساتھ اس لیے متعلق رکھا گیا ہے کہ یہ واقعہ سفرِ جہاد میں پیش آیا تھا ورنہ تحقیق کا حکم سفر اور حضر دونوں میں ہے۔

سوال3: وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ’’اور جو تمہیں سلام پیش کرے اسے یہ مت کہو کہ تُو مومن نہیں ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》السَّلٰمَ سے یہاں مراد اسلام ہے اوراس کی دلیل آخر میں ہے لَسْتَ مُؤْمِنًا۔《2》یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراداہل اسلام کا سلام ہے۔(الاساس 1154/2)《3》ابن عباس کا قول لَسْتَ مُؤْمِنًا ’’تو مومن نہیں‘‘ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر حرام کردیا ہے کہ وہ ایسے شخص کو جو لا الہ الا اللہ کی گواہی دے یہ کہیں کہ تو مومن نہیں ہے۔یہ اس طرح حرام ہے جیسے مردار حرام ہے۔وہ ایمان لایا ہے اپنے مال اور خون کے ساتھ لہٰذا اس کا قول اسے نہ لوٹاؤ۔(ابن ابی حاتم:1040/3)《4》رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں یہاں تک کہ وہ لا اله الا الله کی گواہی دیں اور ساتھ یہ گواہی بھی دیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اورزکوۃ ادا کریں سوجب وہ ایسا کرلیں تو اپنی جانوں اور مالوں کو میری طرف سے محفوظ کرلیں گے ہاں اگراسلام کے حق کی وجہ سے قتل کرنے کی صورت پیش آجائے تو یہ اور بات ہے (مثلاً قصاص میں قتل کرنا پڑے)اوران کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔(بخاری ومسلم)《5》سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا خالد بن ولید نے (بنی ہدبہ کی جنگ میں) کافروں کو مارنا شروع کیا۔(حالانکہ وہ کہتے جاتے تھے کہ ہم نے دین بدلا ہم نے دین بدلا)رسول اللہ ﷺ نے جب یہ حال سنا تو فرمایا: یااللہ! میں خالد کے کام سے بیزار ہوں۔(بخاری کتاب الجہاد)《6》اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ جہینہ کی ایک شاخ کی طرف (مہم پر) بھیجا۔بیان کیا کہ پھر ہم نے ان لوگوں کو صبح کے وقت جالیا اور انہیں شکست دے دی۔راوی نے بیان کیا کہ میں اور قبیلہ

انصار کے ایک صاحب قبیلہ جہینہ کے ایک شخص تک پہنچے اور جب ہم نے اسے گھیر لیا تو اس نے کہا کہ ''لا الہ الا اللہ'' انصاری صحابی نے تو (یہ سنتے ہی) ہاتھ روک لیا لیکن میں نے اپنے نیزے سے اسے قتل کر دیا۔ راوی نے بیان کیا کہ جب ہم واپس آئے تو اس واقعہ کی خبر نبی کریم ﷺ کو ملی۔ بیان کیا کہ پھر آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا اسامہ! کیا تم نے کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے کے بعد اسے قتل کر ڈالا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس نے صرف جان بچانے کے لیے اس کا اقرار کیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم نے اسے لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے کے بعد قتل کر ڈالا۔ بیان کیا کہ نبی ﷺ اس جملے کو اتنی دفعہ دہراتے رہے کہ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہو گئی کہ کاش میں اس سے پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا۔ (صحیح بخاری:6872)《7》رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایمان کے تقاضوں میں سے ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص کلمہ اسلام پڑھ لے اس کی طرف سے (زبان اور ہاتھ کو) روک لیا جائے۔ دوم یہ کہ کسی گناہ کی وجہ سے اسے کافر نہ کہو (یعنی کسی عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج نہ کرو) سوم یہ کہ جہاد باقی رہے گا جب سے اللہ نے مجھے بھیجا ہے یہاں تک کہ امت کے آخری لوگ دجال سے قتال کریں گے۔ حکم جہاد کو کسی ظالم کا ظلم اور کسی عادل کا عدل باطل نہیں کر سکتا (پھر فرمایا) تقدیروں پر ایمان لانا (بھی ایمان کے تقاضوں میں سے ہے) (ابوداؤد)

سوال4: تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ''تم دنیا کی زندگی کا سامان تلاش کرتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ تم نے اس ارادے سے قتل کیا کہ وہ مال جو تم نے اس کے پاس پایا اسے اپنے لیے حلال کر لو اور یہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے۔ (ابن ابی حاتم:1041/3)

سوال5: فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ''حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کے پاس بڑی بڑی غنیمتیں ہیں جو اس دنیاوی سامان سے بہتر ہیں جس کی وجہ سے تم اس جیسے قتل کے لیے آمادہ ہوئے

سوال6: دارُ الحرب میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کے تحفظ کے لیے اس آیت میں مسلمانوں کو کیا سمجھایا گیا ہے؟

جواب:《1》اپنے دل سے دوسرے مفادات نکال دو (مالِ غنیمت وغیرہ کے)۔《2》کسی فیصلے میں جلد بازی نہ کرو۔《3》وہ زمانہ گزرے زیادہ وقت نہیں ہوا جب تم بھی جاہلیت کے اندھیروں میں تھے۔《4》اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے تمہارے دلوں کو پاک کر دیا اور تمہارا نصب العین بلند ہو گیا ہے۔《5》لہٰذا تحقیق کر لیا کرو۔

سوال7: كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ''اس سے پہلے تم بھی ایسے ہی تھے سواللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا پس تم خوب تحقیق کرلیا کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے دِلوں کو جھنجھوڑا ہے کہ کل تک تم خود بھی اسی طرح کی صورت حال سے دوچار تھے۔ تم اپنا ایمان کافروں کے ڈر سے چھپاتے تھے اب گر تم پر کوئی اپنے ایمان کو ظاہر کر رہا ہے تو اسے چھوڑ دو۔ ﴿2﴾ تم بھی پہلے کافر تھے حتیٰ کہ تم پر اسلام کا احسان کیا اور تمہیں ہدایت دی۔

سوال8: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ''جو بھی تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اس سے پورا باخبر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے دعوے کو قبول کرنے کے لیے اپنی صفت خبیر کا شعور دِلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کون ایمان کا سچا دعویٰ کر رہا ہے اور کون نہیں کر رہا اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بھی باخبر ہے اور تمہارے ایمان سے بھی۔ لہٰذا یہ معاملہ اپنی خبر تک کا نہ سمجھو۔ اللہ تعالیٰ خبیر ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخالفت سے ڈرایا ہے۔ (قرطبی 235/3)

لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا(95)

مومنوں میں سے بغیر کسی تکلیف کے بیٹھ رہنے والے اور اپنے مال و جان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بیٹھنے والوں پر اپنی جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو درجے میں فضیلت سے نوازا ہے۔ اور ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں کو گھروں میں بیٹھ رہنے والوں پر اجرِ عظیم میں فضیلت دی ہے۔ (95)

سوال1: لَا يَسْتَوِى الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ''مومنوں میں سے بغیر کسی تکلیف کے بیٹھ رہنے والے اور اپنے مال و جان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والے برابر نہیں ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ براء کہتے ہیں جب یہ آیت لَا يَسْتَوِى ۔۔۔ آخر تک اتری تو رسول ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کو بلوا کر لکھوا دیا پھر ابن ام مکتوم آ کر اپنی نابینگی کا شکوہ کرنے لگے۔ اس پر غَيْرُ اُولِى الضَّرَرِ کے الفاظ اترے۔ ﴿2﴾ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ

رسول اللہ ﷺ نے ان سے یہ آیت لکھوائی مسلمانوں میں سے (گھر) بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد کرنے والے برابر نہیں ہو سکتے۔ ابھی آپ یہ آیت لکھوا ہی رہے تھے کہ حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے اور عرض کیا اللہ کی قسم! یارسول اللہ! اگر میں جہاد میں شرکت کر سکتا تو یقیناً جہاد کرتا۔ وہ اندھے تھے۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول پر وحی اتاری۔ آپ کی ران میری ران پر تھی (شدت وحی کی وجہ سے) اس کا مجھ پر اتنا بوجھ پڑا کہ مجھے اپنی ران کے پھٹ جانے کا اندیشہ ہو گیا۔ آخر یہ کیفیت ختم ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ کے الفاظ اور نازل کئے۔ (صحیح بخاری: 4592) ﴿3﴾ لَا يَسْتَوِي کے ذریعے کمزور مسلمانوں کی اصلاح کی گئی انہیں جوش دلایا گیا اور ابھارا گیا ہے کہ اپنی کوتاہیوں کی تلافی کریں۔ کمزور مسلمانوں میں بھلائی کا مادہ موجود ہے اس لیے ان سے توقع کی جا رہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر لبیک کہہ دیں۔

سوال 3: کیا کوئی انسانی جماعت جس میں ایمان، عمل، تقویٰ و برتری اعلیٰ درجے میں موجود ہو، اس پر ضعف، حرص، بخل اور جان و مال سے جہاد کرنے میں کوتاہی ہو سکتی ہے؟

جواب: کوتاہیاں کسی سے بھی ہو سکتی ہیں خلوص میں کمی بیشی ممکن ہے کیوں کہ ایمان گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔

سوال 4: کوتاہیوں کو دور کرنے کے لیے کس کام کی ضرورت ہوتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ کوتاہیاں جونہی ظاہر ہوں، خلوص میں جب بھی کمی واقع ہو، تربیت اور اصلاح کی ضرورت ہوتی ہے، یہ مسلسل جہاد ہے ﴿2﴾ حرص، کمزوری، بخل اور کوتاہیوں کے خلاف معاشرے کو بلند سے بلند تر مقام تک پہنچانے کے لیے اصلاح کی دعوت جاری رہنی چاہئے۔

سوال 5: اللہ تعالیٰ کے ہاں جہاد بالمال اور جہاد فی سبیل اللہ کو کیا اہمیت حاصل ہے؟

جواب: ﴿1﴾ دین کو قائم کرنے کے لیے جہاد کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ ﴿2﴾ ہر دور میں دین کے مخالفین کا مقابلہ جہاد کے ذریعے کیا جا سکتا ہے۔ ﴿3﴾ جہاد فی سبیل اللہ، جہاد بالمال کے بغیر ممکن نہیں اس لیے اسلامی نظامِ زندگی میں جان اور مال سے جہاد کی بڑی قدر و قیمت ہے۔

سوال 6: کیا جہاد رسول اللہ ﷺ کے دور تک محدود تھا؟

جواب: جس دور میں بھی اسلام کی دعوت کا کام ہوگا، جہاد ضروری ہوگا۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس نے کسی جہاد میں حصہ نہ لیا اور نہ ہی کبھی اس کے دل میں جہاد کی خواہش پیدا ہوئی وہ نفاق کے ایک حصہ پر مرا۔ (مسلم:4931)

سوال7: اللہ تعالیٰ نے ہر حالت میں جہاد فرض کیا ہے اس جہاد کا آغاز کہاں سے ہوگا اور کہاں تک یہ سلسلہ جاری رہے گا؟

جواب: ﴿1﴾ سب سے پہلے انسان اپنے نفس سے جہاد کرے گا۔ ﴿2﴾ پھر دوسروں تک اللہ تعالیٰ کے پیغام کو پہنچائے گا۔ ﴿3﴾ جان و مال سے جہاد جاری رہے گا۔ ﴿3﴾ برائی کے خلاف ہر جگہ، ہر طرح کے حالات واقعات میں جہاد جاری رہے گا۔ ﴿4﴾ آخری فیصلہ پر باطل کے خلاف، باطل قوتوں کے خلاف جہاد ہوگا۔

سوال8: فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ''اللہ تعالیٰ نے بیٹھنے والوں پر اپنی جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو درجے میں فضیلت سے نوازا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ مجاہدوں کو غیر مجاہدوں پر جو فضیلت ہے اس کا بیان ہے کہ انہیں ان کے خلدِ بریں کے بالا خانوں میں کئی درجے فضیلت ہے۔ ان کے گناہ اور ان کی لغزشیں معاف ہیں۔ اور ان پر رحمتوں اور برکتوں کی بارش ہورہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر احسان ہے اور ان کی یہ قدر و منزلت ہے۔ (مختصر ابنِ کثیر:355/1) ﴿2﴾ دَرَجَةً جنت میں عالی مقام ہے (ایسر التفاسیر:288) ﴿3﴾ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص اس حالت میں مرا کہ اس نے کسی جہاد میں حصہ نہ لیا اور نہ ہی کبھی اس کے دل میں جہاد کی خواہش پیدا ہوئی وہ نفاق کے ایک حصہ پر مرا۔'' (مسلم:4931) ﴿4﴾ ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے نہ تو جہاد میں حصہ لیا، نہ ہی غازی کا سامان تیار کیا، نہ ہی غازی کے اہل وعیال کی خبر گیری کی، اسے اللہ تعالیٰ کسی سخت مصیبت میں مبتلا فرمادے گا۔'' (ابوداؤد:2503) ﴿5﴾ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ''جب تم سودی لین دین کرنے لگو گے، گائے کی دُم تھام لو گے (یعنی جانوروں سے محبت کرنے لگو گے)، کھیتی باڑی میں مگن رہو گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کردے گا اور اس وقت تک اسے دور نہیں کرے گا جب تک تم اپنے دین (یعنی جہاد) کی طرف واپس نہ پلٹو گے۔'' (ابوداؤد:3462) ﴿6﴾ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فتح مکہ کے بعد (مکہ سے) ہجرت کی ضرورت باقی نہیں رہی لیکن جہاد اور جہاد کی نیت (قیامت تک کے لیے) باقی ہے اور جب تمہیں جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا جائے تو فوراً نکل کھڑے ہو۔'' (بخاری:2783) ﴿7﴾ جابر بن سمرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت تک یہ دین قائم رہے

گا کیونکہ مسمانوں کی ایک جماعت (ہر زمانے میں غلبۂ دین کے لیے) جہاد کرتی رہے گی۔'' (مسلم:4953) ﴿8﴾ نبی ﷺ نے فرمایا: یادرکھو جنت میں سودرجے ہیں جن کو اللہ نے اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیا ہے۔ ہر دو درجوں کے درمیان زمین سے آسمان تک کی مسافت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جو ایک تیر مارے اسے ایک درجہ ثواب ہے۔ ایک شخص نے پوچھا یارسول ﷺ درجہ کیا ہے؟ فرمایا: یادرکھو! یہ آپ کی ماں کی چوکھٹ والا درجہ نہیں ہے بلکہ دو درجوں کا درمیانی فاصلہ سو سال کی مسافت ہے۔ (مسلم، بخاری)

سوال9: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ''اور ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ فرمایا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے جہاد میں شرکت کرنے والوں اور جو لوگ اس سے معذور ہوں یا جنہیں پیچھے انتظامات کرنے کے لیے ٹھہرایا گیا ہو ہر ایک سے اچھا وعدہ یعنی جنت کا وعدہ کر رکھا ہے۔ ﴿2﴾ قتادہ نے کہا: وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى سے مراد جنت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر فضل والے کو اس کا فضل دیتا ہے (جامع البیان:5/271)

سوال10: وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ''اور اللہ تعالیٰ نے مجاہدوں کو گھروں میں بیٹھ رہنے والوں پر اجرِ عظیم میں فضیلت دی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جہاد ان تمام اعمال سے افضل ہے جو جہاد میں شرکت نہ کرنے والے لوگ کرتے رہتے ہیں۔ سیوطی رحمہ اللہ نے ''الاکلیل'' میں لکھا ہے کہ اس آیت میں مجاہدین کو تمام دوسرے لوگوں پر فضیلت دی گئی ہے اور یہ بھی بیان کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ واقعی جہاد میں شرکت کرنے سے معذور ہوتے ہیں ان کا درجہ بھی مجاہدین کا ہے۔ (تیسیر الرحمٰن) ﴿2﴾ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: لوگوں میں سب سے افضل کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ مومن جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنی جان اور مال سے جہاد کرے۔'' (بخاری:2786) ﴿3﴾ علماء نے اسی آیتِ جہاد سے استدلال کر کے کہا ہے کہ جہاد فرضِ عین نہیں ہے۔ اگر فرضِ عین ہوتا تو پھر بیٹھنے والوں کے لیے کسی فضیلت کا ذکر نہ ہوتا (تیسیر الرحمٰن) ﴿4﴾ نبی ﷺ نے انفرادی حالات کے تحت بعض لوگوں کو جہاد کی اجازت نہیں دی مثلاً عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا: ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ کیا میں بھی جہاد میں شریک ہو جاؤں؟ آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا: تمہارے ماں باپ موجود ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہاں موجود ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ پھر انہیں میں جہاد کرو۔'' (بخاری:5972) ﴿5﴾ ا۔ معاشرے میں موجود بوڑھے، اندھے، لنگڑے لولے،

بیماراور کمزور افراد جو جہاد پر نہیں جاسکتے۔ ب۔ کچھ لوگ اندرونی دفاع، مجاہدین کے گھروں کی حفاظت اور ان کے اہل وعیال کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے رہیں گے۔ ج۔ پیچھے رہنے والے مجاہدین کو کھانے پینے اور افرادی قوت فراہم کرتے رہیں گے۔ د۔ پیچھے رہنے والے زخمیوں کی دیکھ بھال کرتے رہیں گے۔ ﴿6﴾ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم ایک غزوے میں رسولِ کریم ﷺ کے ساتھ تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم نے کوئی سفر ایسا نہیں کیا یا کوئی وادی طے نہیں کی مگر وہ تمہارے ساتھ تھے، انہیں مرض نے روک لیا تھا۔'' (مسلم:4932) ﴿7﴾ جہاد ایک اہم فرضِ کفایہ ہے جو قیامت تک جاری رہے گا۔ جہاد سے پہلوتہی کا نتیجہ مسلمان اُمت کی موت ہے۔ ﴿8﴾ جہادِ اصغر کی اصطلاح ایک موضوع حدیث سے لی گئی ہے کہ نبی ﷺ نے ایک دفعہ جہاد سے واپسی پر فرمایا: ''ہم جہادِ اصغر سے (میدانِ جنگ کے جہاد سے) جہادِ اکبر (جہاد بالنّفس) کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں دوبارہ فرمایا ہے کہ جو لوگ اپنی جان اور مال سے جہاد کرتے ہیں وہ بیٹھنے والوں سے افضل ہیں تو جو نفس سے جہاد کرتا ہے وہ بیٹھنے والوں میں شامل ہے، وہ مجاہدین فی سبیل اللہ میں شامل نہیں اور جہاد فی سبیل اللہ کرنے والے بیٹھنے والوں سے افضل ہیں۔

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (96)

اپنی طرف سے درجات اور مغفرت اور رحمت کی اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم فرمانے والا ہے۔ (96)

سوال 1: دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ''اپنی طرف سے درجات اور مغفرت اور رحمت میں بھی'' اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کی قدردانی کس طرح سے فرمائی ہے وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ بیٹھنے والوں کے مقابلے میں درجات کی برتری ہے۔ ﴿2﴾ غلطیوں اور گناہوں کی معافی کا اعلانِ عام یعنی مغفرت ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کا اعلان ہے۔

سوال 2: دَرَجٰتٍ مِّنْهُ ''اپنی طرف سے درجات'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ سعید بن جبیر نے کہا: درجات سے مراد فضائل ہیں ﴿2﴾ قتادہ نے کہا: یہ کہا جاتا ہے اسلام ایک درجہ ہے اور ہجرت کا اسلام میں ایک درجہ ہے اور جہاد کا ہجرت میں درجہ ہے اور قتل کا جہاد میں درجہ ہے۔ (زادالمسیر 177/2)
﴿3﴾ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! کون شخص سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے

فرمایا: جواللہ کے راستے میں جان اور مال سے جہاد کرے۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اس کے بعد کون ہے؟ فرمایا: وہ مومن جو پہاڑ کی کسی گھاٹی میں رہنا اختیار کرے' اللہ کا خوف رکھتا اور لوگوں کو چھوڑ کر اپنی برائی سے ان کو محفوظ رکھتا ہو۔(صحیح بخاری :2786)《4》سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان رکھے اور نماز قائم کرے اور رمضان کے روزے رکھے اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا خواہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں وہ جہاد کرے یا اسی جگہ پڑا رہے جہاں پیدا ہوا تھا۔صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! کیا ہم لوگوں کو اس کی بشارت نہ دے دیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کیے ہیں، ان کے دو درجوں میں اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین میں ہے۔اس لیے جب اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہو تو فردوس مانگو کیونکہ وہ جنت کا سب سے درمیانی درجہ ہے اور جنت کے سب سے بلند درجے پر ہے۔یحیٰ بن صالح نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں، یوں کہا کہ "اس کے اوپر پروردگار کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔" محمد بن فلیح نے اپنے والد سے وفوقہ عرش الرحمٰن ہی کی روایت کی ہے۔(صحیح بخاری:2790)

سوال3: وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً "اور مغفرت اور رحمت کی" اس کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو مستحق ہو اس کی مغفرت فرما دیتا ہے اور رحمت اس کی طرف سے جس پر کی جاتی ہے یہ اس کا احسان ہے(تفسیر مراغی:292/2)

سوال4: وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا "اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم فرمانے والا ہے" سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》اس سے مراد ہے کہ اس کی طرف سے معافی ہمیشہ جاری رہتی ہے یعنی وہ بندوں پر اپنے فضل سے درگزر کرنے والا ہے، وہ ان کو سزا دینا چھوڑ دیتا ہے۔وہ غفور ہے ان پر عفو و درگزر سے ان کے گناہ ڈھانپ دیتا ہے۔《2》وہ امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا اور انہیں ہجرت نہ کرنے اور دار الشرک میں اقامت پزیر ہونے پر مواخذہ نہیں کرے گا جبکہ ہجرت کو چھوڑنا گناہِ کبیرہ ہے۔(تفسیر منیر:239/3)

سوال5: اللہ تعالیٰ نے اپنے غَفُوْر اور رَحِيْم ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے بیٹھ رہنے والوں اور جہاد کرنے والوں کو اپنے غَفُوْر ہونے کا شعور دلایا ہے کہ وہ کیسے انسانی کمزوریوں کا پردہ ڈھانپ دیتا ہے۔《2》اللہ تعالیٰ نے مرتبے، بخشش اور رحمت سے اپنے رَحِيْم ہونے کا شعور دلایا ہے کہ

اگر چہ اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانا تو فرض تھا لیکن اللہ تعالیٰ قدردان ہے رحیم ہے۔ وہ صلہ عطا کرنے والا ہے۔

رکوع نمبر 11

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ؕ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا(97)

یقیناً جولوگ اپنی جانوں پرظلم کرنے والے تھے، اُن کی روحیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ اُن سے (فرشتے) کہتے ہیں: ''تم کس حال میں تھے؟'' وہ جواب دیتے ہیں: ''ہم زمین میں کمزور تھے۔'' فرشتے اُن سے کہتے ہیں: ''کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟'' پس یہی لوگ ہیں ان ہی کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہ بہت ہی بُری لوٹنے کی جگہ ہے۔(97)

سوال1: اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ''یقیناً جولوگ اپنی جانوں پرظلم کرنے والے تھے، اُن کی روحیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ اُن سے (فرشتے) کہتے ہیں: ''تم کس حال میں تھے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس آیتِ کریمہ میں اس شخص کے لیے سخت وعید آئی ہے جو ہجرت کی قدرت رکھنے کے باوجود ہجرت نہیں کرتا اور دارالکفر ہی میں مرجاتا ہے۔ (تفسیرِ سعدی) ﴿2﴾ توفیٰ سے یہ دلیل ملتی ہے کہ جس شخص نے وفات پائی اس نے اپنا رزق، عمر اور عمل پورا کرلیا۔ ﴿3﴾ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ''اپنی جانوں پرظلم کرنے والے تھے'' جب انہوں نے ہجرت کو ترک کردیا اور دشمنوں کے درمیان ٹھہرے رہے جو انہیں ان کے دین سے روکتے رہے اور ان کے اور ان کی رب کی عبادت کے درمیان حائل رہے تو ایسے لوگ ان کے بیچ میں رہ کر اپنے نفس پرظلم کرتے رہے۔ (ایسر التفاسیر:289,290) ﴿4﴾ ایسے دارُ الکفر سے ہجرت کرنا فرض ہے جہاں اسلام کی تعلیمات پر عمل کرنا مشکل ہو اور جس کی وجہ سے اہلِ کفر کے حوصلے بلند ہوں اور کلمۂ کفر کو تقویت ملے۔ اس لیے اپنے مالی اور خاندانی مفادات کو ترجیح دینے اور اپنے دین کو داؤ پر لگانے اور کفر کے پھلنے پھولنے میں حصہ ڈالنے کو ظلم قرار دیا گیا ہے۔ ﴿5﴾ یہ آیت دارالکفر سے ہجرت کے وجوب پر دلیل ہے اس لیے صرف وہ مستثنیٰ ہوگا جو معذور ہوگا۔ (سیوطی، الاکلیل)

﴿6﴾ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''فتح الباری'' میں لکھا ہے کہ اسلام میں دو قسم کی ہجرت واقع ہوئی ہے۔ ایک تو ''دارالکفر'' سے ''دارالامن'' کی طرف جیسا کہ مصیبت زدگانِ مکہ کی حبشہ کی طرف دوبارہ ہجرت، اور مکہ سے مدینہ کی طرف مسلمانوں کی ابتدائے اسلام میں ہجرت۔ دوسری ''دارالکفر'' سے ''دارالایمان'' کی طرف ہجرت، یعنی جب نبی کریم ﷺ اور بہت سے مہاجرینِ مکہ مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوگئے، اس کے بعد مزید مسلمانوں کی مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی۔ اس وقت ہجرت صرف مدینہ کے ساتھ خاص تھی۔ جب مکہ فتح ہوگیا تو یہ خصوصیت ختم ہوگئی اور کسی ''دارالکفر'' سے کسی ''دارالاسلام'' کی طرف ہجرت کا حکم قیامت تک کے لیے باقی رہ گیا۔ (تیسیر الرحمٰن)

سوال 2: یہ آیت کن لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟

جواب: یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو مکہ اور اس کے گرد رہتے تھے اور انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا لیکن ہجرت کے حکم کو قبول نہیں کیا تھا۔

سوال 3: ظَالِمِيٓ اَنْفُسِهِمْ ''اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ظَالِمِيٓ اَنْفُسِهِمْ سے مراد اپنی جانوں پر ظلم کرنا ہے یعنی ہجرت کی طاقت رکھنے کے باوجود ہجرت نہ کرنا اور اپنے ایمان کو خطرے میں ڈالنا۔ (تدبر القرآن)

سوال 4: ہجرت نہ کرنے کا نقصان کیا ہے؟

جواب: ہجرت پر قدرت رکھنے کے باوجود ہجرت نہ کرنے والوں کا ایمان اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں۔

سوال 5: ہجرت نہ کرنے والوں کا اپنے نفس پر ظلم کیا تھا؟

جواب: ﴿1﴾ اپنے اہلِ خاندان میں، دارُالکفر میں ذلت، کمزوری اور مظلومیت کی زندگی بسر کرنا۔ ﴿2﴾ ان لوگوں کا ظلم یہ تھا کہ یہ دارُالاسلام میں آزادی کی صاف ستھری، شریفانہ اور اپنی مرضی کی زندگی گزار سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنے آپ کو اسلام، آزادی اور شرافت سے جان بوجھ کر محروم رکھا۔ ﴿3﴾ ان کا اپنے نفسوں پر یہی ظلم تھا کہ وہ ہجرت کر سکتے تھے لیکن پس و پیش کر رہے تھے۔

سوال 6: ہجرت نہ کرنے والوں کے حالات کیا تھے؟

جواب: ﴿1﴾ اہلِ مکہ ان پر سختیاں کر رہے تھے، مظالم ڈھا رہے تھے اور اذیتوں میں مبتلا کر رہے تھے۔ ﴿2﴾ بعض لوگوں پر

اتنا تشدد کیا گیا کہ انہیں دینِ اسلام سے پھیر دیا گیا۔﴿3﴾بعض لوگ توریہ کر کے یعنی اپنے ایمان کو چھپا کر کفر کا اظہار کر رہے تھے اور مشرکین کے ساتھ شرکیہ عبادات میں شریک ہو رہے تھے۔﴿4﴾ایسے لوگ ہجرت کر سکتے تھے اور مدینہ میں امن کی زندگی گزار سکتے تھےلیکن وہ اپنے آپ کو فتنے میں مبتلا کیے ہوئے تھے۔

سوال7:اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے توسط سے کمزور مسلمانوں کی کیسے تربیت کی ہے؟

جواب:﴿1﴾ان کے اندر کی عزتِ نفس،ان کی بھلائی اور شرافت کے جذبے کو جوش دلایا گیا ہے۔﴿2﴾ان کے اندر جو کمزوری،حرص،بخل اور سستی موجود تھی ان برائیوں کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔﴿3﴾اس کے لیے نزع کا منظر پیش کیا ہے۔اس لیے کہ حالتِ نزع میں جو کچھ پیش آتا ہے انسان کے ذہن میں بیٹھ جاتا ہے۔خوفناک صورتِ حال کو پیش کر کے انسانی کمزوریوں کو دور کرنے اور اعلیٰ انسانی خصوصیات کو اُبھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سوال8:مدینہ میں اسلامی ریاست کے قائم ہونے کے بعد مکہ میں ایسے مسلمان موجود تھے جنہوں نے ہجرت نہ کی تھی۔اُن کے ہجرت نہ کرنے کے کیا اسباب تھے؟

جواب:﴿1﴾ مکہ میں پیچھے رہ جانے والے مسلمان اپنی قدرت رکھنے کے باوجود ہجرت نہیں کر رہے تھے اس لیے کہ مشرکینِ مکہ کسی ایسے شخص کو جو ہجرت کرنا چاہتا اپنے ساتھ کچھ لے جانے نہیں دیتے تھے۔﴿2﴾ کچھ لوگ ہجرت کی تکالیف کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے اس لیے کہ جو شخص ہجرت کرتا مکہ والے اس کا راستہ روکتے اور اسے منع کرتے۔﴿3﴾ مکہ میں کچھ لوگ ایسے تھے جو ہجرت کرنے پر قدرت نہیں رکھتے تھے مثلاً بعض بوڑھے،عورتیں اور بچے ان کے لیے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

سوال9:قَالُوْافِيْمَ كُنْتُمْ ’’(فرشتے) اُن سے کہتے ہیں:’’تم کس حال میں تھے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾فرشتوں کا سوال جو ڈانٹ ڈپٹ کے لیے ہے۔﴿2﴾فِيْمَ كُنْتُمْ سے مراد تم کس دین میں تھے اصحاب نبی ﷺ میں تھے یا مشرک (تفسیر فتح القدیر:643/1)

سوال10:فِيْمَ كُنْتُمْ ’’تم کس حال میں تھے‘‘ کا سوال کس نوعیت کا ہے؟

جواب:﴿1﴾اس سوال میں ڈانٹ ہے۔یعنی تم کس حال میں مبتلا رہے؟تم کن حالات میں رہے؟﴿2﴾تم نے اپنی زندگی کا قیمتی وقت کن کاموں میں ضائع کر دیا؟﴿3﴾دنیا میں تمہارا کیا کام تھا؟کیا مشاغل تھے۔﴿4﴾دنیا میں تم کن بڑے مقاصد کے لیے کوششیں کرتے رہے۔﴿5﴾اس سوال سے یہ احساس دِلایا گیا ہے کہ تم نے نقصان کیا،وقت ضائع کیا۔

سوال11: قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ" وہ جواب دیتے ہیں:" ہم زمین میں کمزور تھے "کی وضاحت کریں؟

جواب:" وہ جواب دیتے ہیں:" ہم زمین میں کمزور تھے" ﴿1﴾ یعنی مکہ میں کمزور تھے ہم اپنی روحوں کی تطہیر ایمان اور عمل صالح نہیں کر سکتے تھے۔ ﴿2﴾ وہ اپنے اس قول میں سچے نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زجرو توبیخ کی ہے اوران کو وعید سنائی ہے اوراللہ تعالیٰ کسی جان کواس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ اس نے حقیقی مستضعفین کواس سے مستثنٰی قرار دیا ہے۔ (تفسیرِ سعدی) ﴿3﴾ یہ جواب ایک معذرت ہے۔ یعنی ہم کمزور تھے، ہم مجبور تھے، ہمارے ہاتھ میں کچھ نہ تھا، طاقت والوں نے ہمیں دبا رکھا تھا اور ہم ذلیل تھے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے کتنی بے بسی سے زندگی گذاری۔

سوال12: اَرْضٌ سے کیا مراد ہے؟

جواب: شانِ نزول کے لحاظ سے مکہ مراد ہے مگر حکم عام ہے اس لیے اس سے مراد کافروں کی سرزمین ہے۔

سوال13: قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا" فرشتے اُن سے کہتے ہیں:" کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟" کی وضاحت کریں؟

جواب:" کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟" ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے توجہ دلائی ہے کہ اصل اسباب کمزوری، بے بسی، لاچارگی نہیں بلکہ اصل اسباب کچھ اور ہیں جن کی وجہ سے تم نے یہ ذلت قبول کر رکھی ہے۔ ﴿2﴾ تم دنیا کی مصلحت چاہتے تھے اور اپنے آپ کو تنگی میں مبتلا کئے ہوئے تھے۔ اس کے لیے تم نے بخل، حرص، سستی اور کمزوری کا راستہ اختیار کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع تھی۔ تم تھوڑی سی مشکلات برداشت کر کے ہجرت کر سکتے تھے۔ ﴿3﴾ ہجرت کر کے تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے قانون پر عمل کرنا ممکن تھا لیکن تم نے ایسی جگہ رہنا گوارہ کیا جہاں تمہیں کفر کی طرف پھیرا جا رہا تھا۔ تم اس تنگی سے وسعت کی طرف کیوں نہ نکل گئے؟

سوال14: اَرْضُ اللّٰهِ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اَرْضُ اللّٰهِ سے مراد مدینہ ہے لیکن عام حکم کے مطابق ہر وہ زمین ہے جہاں انسان اللہ تعالیٰ کے دین پر عمل کرنے کے لیے ہجرت کر کے جائیں۔

سوال15: ہجرت کے مقاصد اور ضرورت کیا تھی؟

جواب: ﴿1﴾ ہجرت اس لیے فرض کی گئی تھی تاکہ مسلمان کافروں کے مصائب سے آزاد ہو کر اسلامی شعائر کو آزادی سے بجا

لائیں۔﴿2﴾ مدینہ کی طرف ہجرت کر کے مسلمانوں کی قوت کو یکجا کرنا مطلوب تھا۔اسی لیے جب مکہ فتح ہوگیا تو ہجرت کی ضرورت نہ رہی۔

سوال16: فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا '' تو یہی لوگ ہیں انہی کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور وہ بہت ہی بُری لوٹنے کی جگہ ہے''ہجرت نہ کرنے والوں کے لیے کیا وعید ہے؟

جواب:﴿1﴾ ہجرت نہ کرنے والوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔﴿2﴾ اس آیتِ کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ ہجرت سب سے بڑا فرض ہے اور اس کو ترک کرنا حرام بلکہ سب سے بڑا گناہ ہے۔(تفسیرِ سعدی)﴿3﴾ بہز بن حکیم رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا'' اللہ تعالیٰ کسی ایسے مشرک کا کوئی بھی عمل قبول نہیں کرتے جو اس نے اسلام لانے کے بعد کیا ہو حتی کہ وہ مشرکوں کو چھوڑ کر مسلمانوں میں داخل ہو جائے۔(ابن ماجہ:2536)﴿4﴾ جریر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ ﷺ لوگوں سے بیعت لے رہے تھے۔ میں نے عرض کیا''یارسول اللہ ﷺ! اپنا دست مبارک بڑھائیں تا کہ میں آپ ﷺ کی بیعت کروں اور جو شرط لگانا چاہیں وہ لگائیں کیونکہ آپ ہی دین کا علم رکھنے والے ہیں''۔آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا''میں تم سے ان باتوں پر بیعت لیتا ہوں الف۔اللہ کی عبادت کرنا۔ب۔نماز قائم کرنا۔ ج۔زکاۃ ادا کرنا۔د۔مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی کرنا اور۔و۔مشرکوں سے علیحدگی اختیار کرنا''۔(سنن نسائی:4182)

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا (98)

ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے سوا جو نہ کسی تدبیر کی طاقت رکھتے ہیں۔اور نہ ہی نکلنے کا راستہ پاتے ہیں۔(98)

سوال1: اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ '' ان کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے سوا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ کے متعلق فرمایا کہ میری ماں بھی ان ہی لوگوں میں تھیں جنہیں اللہ نے معذور رکھا تھا۔(صحیح بخاری:4597)﴿2﴾ مردوں کے مستضعفین میں شامل ہونے کے اسباب عورتوں اور بچوں سے متعلق ہیں۔

سوال2: اللہ تعالیٰ کے ہاں ہجرت سے معذور کون لوگ ہیں؟

جواب:﴿1﴾ جو کوئی تدبیر کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔﴿2﴾ جن کے لیے کوئی راستہ نہیں کھل رہا۔﴿3﴾ وہ مرد، عورتیں اور بچے جو بے بس ہیں جن کے نکلنے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز میں (رکوع

سے اُٹھتے ہوئے) ''سمع اللہ لمن حمدہ '' کہا اور پھر سجدہ میں جانے سے پہلے یہ دعا کی'' اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے۔ اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے۔ اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات دے۔ اے اللہ! کمزور مومنوں کو نجات دے۔ اے اللہ! کفار مضر کو سخت سزا دے۔ اے اللہ! انہیں ایسی سخت قحط سالی میں مبتلا کر جیسی حضرت یوسف عَلَیْہِ السَّلَام کے زمانے میں قحط سالی آئی تھی۔ (صحیح بخاری:4598)

سوال3: الْمُسْتَضْعَفِيْنَ سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب: الْمُسْتَضْعَفِيْنَ سے مراد فی الحقیقت معذور لوگ ہیں جیسے بیمار، بوڑھے، عورتیں، بچے اور کافروں کے قیدی مسلمان۔

سوال4: بچوں سے مراد کون لوگ ہیں؟

جواب: بچوں سے مراد قریب البلوغت بچے ہیں۔

سوال5: دارُ الکفر میں رہنے کی رخصت کی شرائط کیا ہیں؟

جواب: دارُ الکفر میں رہنا مستقل نافرمانی ہے۔ دارُ الکفر میں رہنے کا جواز دو صورتوں میں ہے:

﴿1﴾ دعوتِ دین کی غرض سے۔ ﴿2﴾ بے زاری اور نفرت سے وہاں اس حال میں رہے کہ نکلنے کی کوئی صورت نہ پاتا ہو۔

سوال6: لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً ''جو نہ کسی تدبیر کی طاقت رکھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: وہ کسی منصوبے کی طاقت نہیں رکھتے یعنی ان کے وسائل محدود ہیں۔ سواری کا انتظام نہیں ہے اور نہ نکلنے کے لیے کوئی اور طریقہ۔

سوال7: وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ''اور نہ ہی نکلنے کا راستہ پاتے ہیں'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ''اور نہ ہی نکلنے کا راستہ پاتے ہیں'' وہ مدینہ کا راستہ نہیں پاتے۔ (تفسیر فتح القدیر:646/1)

سوال8: ہجرت نہ کر سکنے پر جن لوگوں کو معاف کیا گیا ان کی کوئی مثال دیں؟

جواب: ابن عباس رَضِیَ اللہُ عَنْہُمَا فرماتے ہیں: ''میں اور میری ماں ایسے ہی لوگوں میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور رکھا''۔ (بخاری، کتاب التفسیر)

سوال9: کیا ہجرت کا حکم صرف رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور ان کے ساتھیوں کے لیے تھا یا یہ حکم آج بھی لاگو ہو سکتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ یہ احکامات عام ہیں، کسی مخصوص معاشرے تک محدود نہیں ہیں۔﴿2﴾ جب بھی اور جس ملک میں بھی مسلمان اپنے دین کے معاملے میں مشکلات میں مبتلا ہوں اور دنیا میں کہیں دارُ الاسلام قائم ہوتو وہ شریفانہ اور پاک زندگی گزارنے کے لیے وہاں ہجرت کر کے جاسکتے ہیں۔

فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا(99)

چنانچہ یہ لوگ ہیں، اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کردے گا۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی نہایت معاف کرنے والا، بے حد بخشنے والا ہے۔(99)

سوال1: فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ '' چنانچہ یہ لوگ ہیں اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کردے گا'' اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو ہجرت نہ کرسکنے پر معاف کرسکتا ہے؟

جواب:﴿1﴾ وہ مرد، عورتیں اور بچے جو نکلنے کا کوئی راستہ نہیں پاتے جو اپنی جائیداد، رشتہ داروں اور دوستوں کی وجہ سے نہیں بلکہ حقیقی طور پر مجبور ہوں انہیں معافی مل سکتی ہے۔﴿2﴾ ان کے علاوہ اور متعدد صحابہ تھے جو مکہ مکرمہ میں پھنسے ہوئے تھے اور وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ تھی اور کافروں کے ماحول میں مصیبت میں پڑے ہوئے تھے ان کے لیے نبی ﷺ قنوت نازلہ میں دعا کیا کرتے تھے ان میں سے عیاش بن ابی ربیعہ اور سلمہ بن ہشام اور ولید بن ولید کے اسماء گرامی روایات میں آتے ہیں۔(تفسیر انوار البیان:767/1)﴿3﴾ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے عشاء کی نماز میں (رکوع سے اُٹھتے ہوئے) ''سمع الله لمن حمده'' کہا اور پھر سجدہ میں جانے سے پہلے یہ دعا کی۔ ''اے اللہ! عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے۔ اے اللہ! سلمہ بن ہشام کو نجات دے۔ اے اللہ! ولید بن ولید کو نجات دے۔ اے اللہ! کمزور مومنوں کو نجات دے۔ اے اللہ! کفار مضر کو سخت سزا دے اے اللہ! انہیں ایسی سخت قحط سالی میں مبتلا کر جیسی حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں قحط سالی آئی تھی۔(صحیح بخاری:4598)﴿4﴾ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ان کے ہجرت ترک کرنے پر ان سے درگزر کریں۔(تفسیر قاسمی:401/5)

سوال2: وَ كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا '' اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی نہایت معاف کرنے والا، بے حد بخشنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات عَفُو اور غَفُور کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ہجرت نہ کرسکنے والے کمزور اور مغلوب لوگوں کو اپنے عَفُو اور غَفُور ہونے کا شعور دلایا ہے جو نہ راستے کا

علم رکھتے ہیں اور نہ کسی قسم کی طاقت رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کمزوریوں سے درگزر کرنے والا اور معاف کرنے والا ہے۔

وَمَنۡ يُّهَاجِرۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ يَجِدۡ فِى الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا كَثِيۡرًا وَّسَعَةً ‌ؕ وَمَنۡ يَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَيۡتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوۡلِهٖ ثُمَّ يُدۡرِكۡهُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا(100)

اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا، وہ زمین میں پناہ کی بہت جگہ اور بڑی کشادگی پائے گا۔اور جو اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلا، پھر اسے موت پالے تو یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ثابت ہوگیا اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی بڑا بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔(100)

سوال1:اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟

جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ اپنے گھر سے ہجرت کے ارادہ سے روانہ ہوئے اور اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھے سوار کرا دو اور مشرکین کی زمین سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ کردو مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنے سے پیشتر ہی راستہ میں انتقال فرماگئے ان کی شان میں بذریعہ وحی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت اسی طرح سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ عکرمہ رضی اللہ عنہ قتادہ رضی اللہ عنہ اور سدی سے روایت کی ہے۔بعض روایتوں میں ان کا نام ضمرۃ بن العیص یا عیص ابن ضمرہ اور بعض میں جندب بن ضمرہ الجدعی اور بعض میں ضمری اور بعض میں بنی ضمرہ کے ایک شخص اور بعض میں بنی خزاعہ کے ایک شخص اور بعض میں بنی لیث کے ایک شخص اور بعض روایتوں میں بنی بکر کے ایک شخص نے بیان کیا ہے۔اور ابن سعد نے طبقات میں یزید بن عبداللہ بن قسط رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جندہ بن ضمرہ ضمری مکہ مکرمہ میں تھے اچانک بیمار ہوئے تو اپنی اولاد سے فرمایا کہ مجھے مکہ مکرمہ سے نکال دو مجھے اس چیز کے غم نے ہلاک کردیا ہے، اولاد نے پوچھا کہ کس مقام پر جانا چاہتے ہیں؟ جندہ بن ضمرہ نے اپنے ہاتھ سے ہجرت کے ارادہ سے مدینہ منورہ کی جانب اشارہ کیا، چنانچہ ان کی اولاد ان کو لے کر روانہ ہوئی جب بنی غفار کے پڑاؤ کے پاس پہنچے تو انتقال فرماگئے اللہ تعالیٰ نے ان کی فضیلت میں یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی نیز ابن ابی حاتم رحمۃ اللہ علیہ، ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر نے صحابہ کے بیان میں ہشام بن مروہ بواسطہ والد روایت نقل کی ہے۔کہ زبیر بن عوام نے فرمایا کہ خالد بن حرام نے سرزمین حبشہ کی طرف ہجرت کی، ان کو اچانک راستہ میں ایک سانپ نے ڈس لیا، جس کی وجہ سے وہ انتقال فرماگئے، ان کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔(تفسیر ابن عباس:295,296/1)

سوال 2: وَ مَنۡ یُّهَاجِرۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ یَجِدۡ فِی الۡاَرۡضِ مُرٰغَمًا کَثِیۡرًا وَّ سَعَةً ’’اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرے گا، وہ زمین میں پناہ کی بہت جگہ اور بڑی کشادگی پائے گا۔کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ ہجرت صحیح مقصد اور ایسی خالص نیت سے ہونی چاہیے جس میں دنیاوی امور کی آمیزش اور شائبہ تک نہ ہو۔سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر ایک کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کی پھر اس کی ہجرت اس کے لیے ہے اور جس نے دنیا حاصل کرنے کے لیے ہجرت کی یا کسی عورت سے شادی کرنے کی نیت سے ہجرت کی پھر اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے جس نیت سے اس نے ہجرت کی۔‘‘ (بخاری:1) ﴿2﴾ مُرٰغَمًا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سوا دوسرے شخص (ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ) نے کہا مراغم کا معنی ہجرت کا مقام ہے۔عرب لوگ کہتے ہیں راغمت قومی یعنی میں نے اپنی قوم والوں کو جمع کر دیا۔(بخاری کتاب التفسیر) ﴿3﴾ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اس کے راستے میں ہجرت کرتا ہے وہ زمین میں بہت سے راستے اور کشادگی پائے گا۔پس یہ راستے دینی مصالح، زمین کی وسعت اور دنیاوی مصالح پر مشتمل ہیں۔بندۂ مومن جب تک کفار کے درمیان رہ رہا ہے اس کا دین انتہائی ناقص ہے، اس کی وہ عبادات بھی ناقص ہیں جن کا تعلق صرف اسی کی ذات سے ہے جیسے نماز وغیرہ اور اس کی وہ عبادات بھی ناقص ہیں جن کا تعلق دوسروں سے ہے مثلاً قولی وفعلی جہاد اور اس کے دیگر توابع، کیونکہ یہ اس کے بس کی بات نہیں۔اور وہ اپنے دین کے بارے میں ہمیشہ فتنے اور آزمائش میں مبتلا رہے گا۔خاص طور پر جبکہ وہ مستضعفین (کمزوروں) میں شمار ہوتا ہو۔پس جب وہ دارالکفر سے ہجرت کر جاتا ہے تو اقامتِ دین کی کوشش اور اللہ کے دشمنوں کے خلاف جہاد کر سکتا ہے کیونکہ المراغمة ایک جامع نام ہے اور اس سے مراد ہر وہ قول وفعل ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف غیض وغضب پیدا ہو۔اسی طرح مراغم سے مراد رزق وغیرہ کی فراخی ہے اور یہ چیز اسی طرح واقع ہوئی جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی۔(تفسیر سعدی:573/1) ﴿4﴾ وَّسَعَةً یعنی رزق میں وسعت ﴿5﴾ قتادہ نے کہا: سعۃ گمراہی سے ہدایت کی طرف ہے اور فقر سے دولت مند کی طرف ہے۔﴿6﴾ امام مالک نے کہا: وسعت تو چہروں کی وسعت ہے۔(تفسیر قرطبی:239/3) وَّسَعَةً سے مراد کشادگی اور فراخی ہے۔وَّسَعَةً سے مراد رزق کی کشادگی، ملک کی کشادگی اور جگہ کی کشادگی ہے۔﴿7﴾ ہجرت کے ذریعے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کی تکمیل ہوئی۔انہیں ایمانِ کامل، جہادِ عظیم اور اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت حاصل ہوئی۔بنابریں وہ بعد میں آنے والوں کے لیے امام بن گئے۔اس ایمان کی تکمیل پر انہیں فتوحات اور غنائم حاصل ہوئیں

اوروہ سب سے بے نیاز ہوگئے۔(تفسیرِ سعدی)《8》صحابہ رضی اللہ عنہم نے مکہ مکرمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی چند سال بعد مکہ معظّمہ بھی فتح ہوگیا۔خیبر فتح ہوا بہت سے علاقے قبضے میں آئے بڑی بڑی جائیدادیں ملیں،اموال غنیمت ہاتھ آئے۔پھر نبی ﷺ کے بعد مصر،شام،عراق فتح ہوئے۔جو حضرات مکہ میں مجبور اور بے کس تھے ان کو بڑے بڑے اموال ملے۔(تفسیر انوار البیان:769/1)《9》امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں"کسی شخص کے لیے ایسے مقام پر رہنا جائز نہیں ہے جہاں سلف کو گالیاں دی جاتی ہوں۔علیٰ ھذا القیاس جس علاقہ میں حلال روزی نہ ملتی ہو یا دین میں فتنہ کا خوف ہو وہاں سے ہجرت کی بھی ترغیب آئی ہے۔(قرطبی)(تفسیر اشرف الحواشی 114/1)

سوال3:اس آیت میں ہجرت سے متعلقہ وسوسوں کا سدِ باب کیسے کیا گیا ہے؟

جواب:《1》ہجرت فی سبیل اللہ ہے۔اسلام میں اس کے علاوہ کسی ہجرت کا تصور نہیں۔《2》یہ ہجرت مال کے لیے نہیں ہے اس لیے مال نہ ملنے پر غم نہیں ہونا چاہیے۔《3》یہ ہجرت مشکلات سے بھاگنے کے لیے نہیں اس لیے مشکلات آنے پر دل کو تکلیف نہ ہو۔《4》یہ ہجرت لذت وشہوت کے لیے نہیں ہے اس لیے مصیبتیں برداشت کرتے ہوئے پریشان نہ ہو۔

سوال4:وَمَنۡ يَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَيۡتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ"اور جو اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتے ہوئے نکلا" کی وضاحت کریں؟

جواب:جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے راستے میں وطن کو چھوڑے گا۔اس آیت میں ہجرت جیسے عمل کے لیے بھی نیت کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔

سوال5: ثُمَّ يُدۡرِكۡهُ الۡمَوۡتُ فَقَدۡ وَقَعَ اَجۡرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ"پھر اسے موت پالے تو یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ثابت ہوگیا"اگر کوئی گھر سے ہجرت کی نیت سے نکلے اور راستے میں موت آجائے تو اس کی ہجرت کی قبولیت کے لیے کیا خوش خبریاں دی گئی ہیں؟

جواب:《1》اسے اس کا اجر ملے گا یعنی جو شخص صرف اپنے رب کی رضا،اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اللہ کے دین کی نصرت کی خاطر ہجرت کے لیے اپنے گھر سے نکلتا ہے اور اس کے سوا اس کا کوئی اور مقصد نہیں پھر اسے موت آجائے یعنی اسے اس مہاجر کا اجر حاصل ہوگیا جسے اللہ تعالیٰ کی ضمانت سے اپنی منزلِ مقصود مل گئی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے عزمِ جازم کے ساتھ ہجرت کی نیت کی تھی اور اس پر عمل درآمد کرنا شروع کر دیا تھا۔اس پر اور اس جیسے دوسرے لوگوں پر یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اگرچہ انہوں نے اپنے عمل کو مکمل نہیں کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو کامل عمل عطا کر دیا اور ہجرت وغیرہ کے معاملے میں ان سے جو کوتاہی ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔(تفسیرِ سعدی)《2》سیدنا ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:بنی

اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے قتل کیے تھے پھر وہ اپنے متعلق مسئلہ پوچھنے لگا۔ وہ ایک راہب کے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ کیا میرے لیے (توبہ کی) گنجائش ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ تو اس نے راہب کو بھی مار ڈالا (اور سو پورے کر دیئے) پھر لوگوں سے یہی مسئلہ پوچھتا رہا۔ کسی آدمی نے اسے کہا کہ فلاں فلاں بستی میں (توبہ کے لیے) چلے جاؤ، راستہ ہی میں اسے موت نے آلیا۔ اس نے اپنا سینہ بستی کی طرف جھکا دیا، اب رحمت کے اور عذاب کے فرشتے آپس میں جھگڑنے لگے جس بستی کی طرف وہ جا رہا تھا اللہ نے زمین کو حکم دیا کہ نزدیک ہو جا اور جس بستی سے جا رہا تھا اسے حکم دیا کہ دور ہو جا۔ اور فرشتہ سے فرمایا کہ فاصلہ ماپ لو۔ چنانچہ جہاں اسے جانا تھا وہ بستی ایک بالشت بھر قریب نکلی تو اسے بخش دیا گیا۔ (بخاری کتاب الانبیاء) (تیسیر القرآن:453/1) ﴿3﴾ رب العزت کا فرمان ہے فَاسۡتَجَابَ لَهُمۡ رَبُّهُمۡ اَنِّیۡ لَاۤ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡكُمۡ مِّنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی ۚ بَعۡضُكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡضٍ ۚ فَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَاُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ وَاُوۡذُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِیۡ وَقٰتَلُوۡا وَقُتِلُوۡا لَاُكَفِّرَنَّ عَنۡهُمۡ سَیِّاٰتِهِمۡ وَلَاُدۡخِلَنَّهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنۡدَهٗ حُسۡنُ الثَّوَابِ چنانچہ ان کے رب نے ان کی دُعا قبول فرمائی کہ بے شک میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، مرد ہو یا عورت، تم سب ایک دوسرے ہی سے ہو تو جن لوگوں نے ہجرت کی اور جو اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں تکلیف دیئے گئے اور انہوں نے جنگ کی اور قتل کر دیئے گئے تو یقیناً میں ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کردوں گا اور یقیناً میں ضرور انہیں باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ان کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس بہترین بدلہ ہے۔ (آل عمران:195)

﴿4﴾ اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ ۙ اَعۡظَمُ دَرَجَةً عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ جو لوگ ایمان لائے اور اُنہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کیا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجے میں زیادہ بڑے ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ (التوبہ:20) ﴿5﴾ وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا فِی اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا لَنُبَوِّئَنَّهُمۡ فِی الدُّنۡیَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَةِ اَكۡبَرُ ۘ لَوۡ كَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ اور جن لوگوں نے اس کے بعد کہ ان پر ظلم کیا گیا اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی یقیناً ہم دنیا میں ضرور انہیں اچھا ٹھکانہ دیں گے اور بلاشبہ آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہے کاش وہ جانتے ہوتے! (النحل:41)

الف۔ ہجرت کا اجر۔ ب۔ سفر کا اجر۔ ج۔ دارُ الاسلام میں پہنچنے کا اجر۔ د۔ اس کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ و۔ مزید انعامات مل سکتے ہیں۔

سوال 6: ہجرت کرنے پر کیا خوش خبریاں دی گئی ہیں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے سے دنیا میں کشادگی ملے گی۔《2》رزق میں تنگی نہیں آئے گی۔《3》وسائل اور ذرائع محدود نہ ہوں گے۔《4》ایمان اور آخرت کی کامیابی نصیب ہوگی۔

سوال7: وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی بڑا بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات غَفُور اور رَحِیم کا کیسے شعور دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ہجرت کرنے والوں کو اجر عطا کرنے سے اپنے رَحِیم ہونے کا اور ہجرت کرنے والوں کو راستے میں موت آنے پر بھی اجر عطا کرنے سے اپنے غَفُور ہونے کا شعور دلایا ہے۔ یقیناً وہ کوتاہیاں معاف کر کے رحم کرنے والا ہے۔

رکوع نمبر 12

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا (101)

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر کرو۔ اگر تمہیں ڈر ہو کہ تمہیں وہ لوگ فتنے میں ڈالیں گے جنہوں نے کفر کیا بلاشبہ کافر تمہارے لیے کھلے دشمن ہیں۔ (101)

سوال1: وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ''اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر کرو'' قصر سے کیا مراد ہے اور اس کی کیا فضیلت ہے؟

جواب:《1》قصر سے مراد ہے کہ سفر میں چار رکعت والی نماز کو کم کر کے دو رکعت ادا کرنا۔ (بخاری:1090، مسلم:1570)《2》ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان مبارک سے حضر میں چار رکعتیں، سفر میں دو رکعتیں اور خوف میں ایک رکعت فرض فرمائی ہے۔ (صحیح مسلم:1575)《3》قصر کی فضیلت کو دو امور ثابت کرتے ہیں۔ اول۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنے تمام سفروں میں قصر کا التزام کرنا۔ ثانی۔ قصر بندوں کے لیے وسعت، رخصت اور رحمت کا دروازہ ہے اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی رخصتوں سے استفادہ کیا جائے جس طرح وہ یہ بات ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کا کوئی کام کیا جائے۔ (تفسیر سعدی:575/1)

سوال2: کیا قصر کرنا واجب ہے؟

جواب:《1》قصر اس کے لیے واجب ہے جو اپنے شہر سے سفر کے ارادے سے نکلے خواہ اس کا سفر کتنا ہی کم ہو۔جتنی مسافت پر سفر کا اِطلاق ہوتا ہے وہاں قصر پڑھ لی جائے گی۔(مجموع الفتاویٰ:24/51،زادالمعاد:1/481)سیدنا یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ کچھ گناہ نہیں اگر تم قصر کرو نماز میں اگر تمہیں خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں ستائیں گے اور اب تو لوگ امن میں ہو گئے(یعنی اب قصر جائز ہے یا نہیں؟)انہوں نے کہا: مجھے بھی یہی تعجب ہوا جیسے تمہیں تعجب ہوا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کو پوچھا۔آپ ﷺ نے فرمایا:''یہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں صدقہ دیا ہے تو اس کا صدقہ قبول کرو(یعنی بغیر خوف کے بھی سفر میں قصر کرو)۔''(مسلم:1573)

سوال3: کتنے سفر میں قصر کی جائے گی؟

جواب:《1》قصر نماز کی ابتدا شہری آبادی کے ختم ہونے کے بعد ادا کی جائے گی۔《2》انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ مدینہ میں ظہر کی چار رکعت پڑھی اور ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعت پڑھی۔(بخاری:1089)《3》سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ(کوفہ سے سفر کے ارادے سے)نکلے تو نماز قصر کرنی اسی وقت سے شروع کر دی جب ابھی کوفہ کے مکانات دکھائی دے رہے تھے اور پھر واپسی کے وقت بھی جب آپ کو بتایا گیا کہ یہ کوفہ سامنے ہے تو آپ نے فرمایا کہ جب تک ہم شہر میں داخل نہ ہو جائیں نماز پوری نہیں پڑھیں گے۔(بخاری،کتاب تقصیر الصلوٰۃ،باب5)

سوال3: کتنے دن تک قصر نماز پڑھی جائے گی؟

جواب: چار دن تک قصر نماز پڑھی جائے گی۔(الفتاویٰ الاسلامیہ:1/379)

سوال4:اگر انسان چار دن کسی شہر میں تردّد کی حالت میں ہو تو کیا وہ قصر کرے گا اور کب تک؟

جواب: تردّد کی حالت میں انسان مقیم نہیں مسافر ہوتا ہے۔《1》سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما آزربائیجان کے علاقے میں برف کی وجہ سے راستے بند ہو جانے کی وجہ سے چھ ماہ دو رکعت نماز ادا کرتے رہے۔(نصب الرایۃ:2/185)《2》جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ تبوک میں بیس دن ٹھہرے اور نماز قصر کرتے رہے۔(ابوداؤد:1235)《3》اہلِ علم نے اجماع کیا ہے کہ مسافر جب تک اقامت کی نیت نہ کرلے قصر کر سکتا ہے خواہ کئی برس گزر جائیں۔

سوال5: قصر نمازوں میں رکعتوں کی کیا تعداد ہو گی؟

جواب: فجر: پوری نماز(یعنی 2 سنت اور 2 فرض) ظہر:2 فرض عصر:2 فرض مغرب:3 فرض عشاء:2 فرض اور وتر

سوال6: یہاں اَنْ یَّفْتِنَکُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ’’اگر تمہیں ڈر ہو کہ تمہیں وہ لوگ فتنے میں ڈالیں گے جنہوں نے کفر کیا‘‘ کی بات کیوں کہی گئی ہے؟

جواب:《1》’’اگر تمہیں ڈر ہو کہ کفار تمہیں فتنے میں ڈال دیں گے‘‘ کی بات عرب کے ماحول کے لحاظ سے کہی گئی ہے جو دارُالحرب بنا ہوا تھا اور کوئی علاقہ خطرے سے خالی نہیں تھا۔اس لیے حکم دیا گیا کہ خوف کی حالت میں نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔《2》یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ کچھ گناہ نہیں اگر تم قصر کرو نماز میں اگر تمہیں خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں ستائیں گے اور اب تو لوگ امن میں ہو گئے (یعنی اب قصر جائز ہے یا نہیں؟) انہوں نے کہا: مجھے بھی یہی تعجب ہوا جیسے تمہیں تعجب ہوا تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کو پوچھا۔آپ ﷺ نے فرمایا:’’یہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں صدقہ دیا ہے تو اس کا صدقہ قبول کرو (یعنی بغیر خوف کے بھی سفر میں قصر کرو)۔‘‘(مسلم:1573)《3》سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مکہ سے مدینہ کا سفر فرمایا اللہ کے سوا کسی کا ڈر نہ تھا آپ دو دو رکعتیں ہی پڑھتے رہے۔(مجمع الزوائد:2/156)《4》حفص بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا: اے میرے بھتیجے! میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سفر میں رہا مگر آپ نے دو رکعتوں سے زیادہ نماز نہ پڑھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض فرمالی اور میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سفر میں رہا، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سفر میں رہا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ سفر میں رہا ان سب نے سفر میں دو رکعتوں سے زیادہ نماز نہیں پڑھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض فرمالی اور اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہی تمہارے لیے بہتر ہے۔(صحیح مسلم:1579)《5》حفص رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ منیٰ میں نمازِ قصر ادا کرتے اور اپنے بستر پر آجاتے حفص رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ’’چچا جان! اگر آپ نماز قصر کے بعد دو رکعت (سنت) ادا فرما لیتے تو کتنا اچھا ہوتا؟‘‘ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ’’اگر مجھے سنتیں ادا کرنا ہوتیں تو میں فرض پورے کرتا‘‘۔(مختصر صحیح مسلم:437)

سوال7: اِنَّ الْکٰفِرِیْنَ کَانُوْا لَکُمْ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ’’بلاشبہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: قصر کی رخصت کی مشروعیت میں حکمت اور مصلحت بیان کی گئی ہے۔اس آیت کریمہ میں وہ انتہائی مشقت بیان کی گئی ہے جس کا قصر کی رخصت کے بارے میں تصور کیا جا سکتا ہے اور وہ ہے سفر اور خوف کا اجتماع اور اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اکیلے سفر میں قصر نہ کی جائے جو کہ مشقت کا باعث ہے۔(تفسیر سعدی:1/576)

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا
مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ
اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا(102)

اور جب آپ ان میں موجود ہوں تو ان کے لیے نماز کھڑی کریں تو لازم ہے کہ ان میں سے ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو اور لازم ہے کہ وہ اپنا اسلحہ اُٹھائے رکھیں، چنانچہ جب وہ سجدہ کر چکیں تو لازم ہے کہ وہ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی پس لازم ہے کہ وہ آ کر آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور وہ لازم ہے کہ اپنا سامانِ حفاظت اور اپنا اسلحہ اُٹھائے رکھیں۔ وہ لوگ چاہتے ہیں جنہوں نے کفر کیا کہ کاش تم اپنے اسلحے اور اپنے سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر ایک ہی بار ٹوٹ پڑیں۔ اور تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تمہیں بارش کی تکلیف ہو یا اگر تم بیمار ہو کہ تم اپنا اسلحہ اتار کر رکھ دو اور اپنے بچاؤ کا سامان پکڑے رکھو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔(102)

سوال1: وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ’’اور جب آپ ان میں موجود ہوں تو ان کے لیے نماز کھڑی کریں تو لازم ہے کہ ان میں سے ایک جماعت آپ کے ساتھ کھڑی ہو اور لازم ہے کہ وہ اپنا اسلحہ اُٹھائے رکھیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس آیت میں صلوٰۃ خوف کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ﴿2﴾ اس آیت اور بعد والی آیت میں خوف کی حالت میں نماز ادا کرنے کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔3۔ صلوٰۃِ الخوف کے معنی ہیں خوف کی نماز۔

سوال2: صلوٰۃِ خوف کب مشروع ہے؟

جواب: صلوٰۃِ خوف اس وقت مشروع ہے جب مسلمانوں اور کافروں کی فوجیں آمنے سامنے ہوں اور ایک دوسرے سے جنگ کے لیے تیار کھڑی ہوں یا جنگ ہو رہی ہو اور ایک لمحے کی غفلت بھی خطرناک ثابت ہو سکتی ہو۔ ایسے حالات میں نماز

کا وقت آ جائے تو صلوٰۃِ خوف پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سوال3: فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ’’چنانچہ جب وہ سجدہ کر چکیں تو لازم ہے کہ وہ تمہارے پیچھے ہو جائیں اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی پس لازم ہے کہ وہ آ کر آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اور وہ لازم ہے کہ اپنا سامانِ حفاظت اور اپنا اسلحہ اُٹھائے رکھیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ’’یہ آیتِ کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نماز باجماعت دو وجوہ سے فرض عین ہے: اول: اللہ تعالیٰ نے خوف کی اس شدید حالت میں یعنی دشمن کے حملہ کے خوف کی حالت میں بھی جماعت کے ساتھ نماز کا حکم دیا ہے۔ جب اس شدید حالت میں بھی جماعت کو واجب قرار دیا ہے تو امن واطمینان کی حالت میں اس کا واجب ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔ ثانی: نماز خوف ادا کرنے والے نمازی نماز کی بہت سی شرائط اور لوازم کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس نماز میں نماز کو صرف باطل کرنے والے بہت سے افعال کو نظر انداز کر کے ان کو معاف کر دیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ صرف جماعت کے وجوب کی تاکید کی بنا پر ہے۔ کیونکہ فرض اور مستحب میں کوئی تعارض نہیں۔ اگر جماعت کے ساتھ نماز کا پڑھنا فرض نہ ہوتا، تو اس کی خاطر نماز کے ان واجبات کو ترک کرنے کی کبھی اجازت نہ دی جاتی۔ (تفسیر سعدی:577/1)

سوال4: صلوٰۃِ خوف کی ترکیب کیا ہوگی؟

جواب: اس کا انحصار جنگی حالات پر ہے کیونکہ کبھی تو دشمن قبلہ کی سمت میں ہوتا ہے اور کبھی غیر قبلہ کی سمت میں اور نماز بھی کبھی چار، کبھی تین اور کبھی دو رکعت والی ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے مختلف حالات میں مختلف طریقوں سے نماز پڑھائی۔ ﴿1﴾ ایک طریقہ یہ ہے کہ فوج کا ایک حصہ امام کے ساتھ نماز پڑھے اور دوسرا حصہ دشمن کے مقابلہ پر رہے۔ پھر جب ایک رکعت پوری ہو جائے تو پہلا حصہ سلام پھیر کر چلا جائے اور دوسرا حصہ آ کر دوسری رکعت امام کے ساتھ پوری کرے۔ اس طرح امام کی دو رکعتیں اور فوج کی ایک ایک رکعت ہوگی۔ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) ﴿2﴾ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فوج کا ایک حصہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر چلا جائے۔ پھر دوسرا حصہ آ کر ایک رکعت امام کے پیچھے پڑھے۔ پھر دونوں حصے باری باری سے آ کر اپنی چھوٹی ہوئی ایک ایک رکعت خود سے ادا کر لیں۔ اس طرح دونوں حصوں کی ایک ایک رکعت امام کے پیچھے اور ایک ایک الگ ہوگی۔ (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لشکر کے ایک حصہ کو جنگ کے وقت ایک رکعت نماز پڑھائی جب کہ لشکر کا دوسرا حصہ دشمن کے ساتھ جنگ میں مصروف رہا۔ پھر نماز پڑھنے والا حصہ دشمن کے سامنے آ گیا اور

دوسرے حصے کو رسول اللہ ﷺ نے ایک رکعت نماز پڑھائی اور سلام پھیر دیا۔ پھر پہلے اور دوسرے دونوں حصوں نے اپنی (باقی) ایک ایک رکعت (میدان جنگ میں الگ الگ) پوری کر لی۔ (صحیح مسلم:1942) ﴿3﴾ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ امام کے پیچھے فوج کا ایک حصہ دو رکعتیں ادا کر کے چلا جائے۔ پھر دوسرا حصہ تیسری رکعت میں آ کر شریک ہو اور امام کے ساتھ سلام پھیرے۔ اس طرح امام کی چار اور فوج کی دو دو رکعتیں ہوگی۔ (امام حسن بصری رحمہ اللہ) جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں غزوۂ رقاع کے موقع پر ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ نماز کی نیت باندھی گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے لشکر کے ایک حصہ کو دو رکعت نماز پڑھائی اور وہ چلا گیا پھر لشکر کے دوسرے حصہ کو دو رکعت نماز پڑھائی اس طرح رسول اللہ ﷺ کی چار اور لوگوں کی دو دو رکعتیں ہو گئیں۔ (صحیح بخاری:4136) ﴿4﴾ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ فوج کا ایک حصہ امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھے۔ جب امام دوسری رکعت کے لیے کھڑا ہو تو مقتدی خود سے دوسری رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیں۔ پھر دوسرا حصہ آ کر اس حال میں امام کے پیچھے شامل ہو کہ امام ابھی دوسری رکعت میں ہو اور یہ لوگ ایک رکعت امام کے ساتھ ادا کرنے کے بعد دوسری رکعت خود اُٹھ کر پڑھ لیں۔ اس صورت میں امام کو دوسری رکعت میں طویل قیام کرنا ہوگا۔ (امام شافعی رحمہ اللہ و امام مالک رحمہ اللہ)

سوال5: صلوٰۃِ خوف سے کیا سبق ملتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ پہلا سبق یہ ملتا ہے کہ نماز مومن کا ہتھیار ہے۔ نماز میدانِ جنگ میں بھی ایک مومن کو یہ شعور دیتی ہے کہ اس کا مقصدِ زندگی، اس کا نصب العین اور اس کا عقیدہ برتر و اعلیٰ ہے۔ نماز سے جہاد میں فائدہ اٹھانا ضروری ہے کیونکہ جنگ کی فضا اور جنگ کے مزاج کے ساتھ نماز کا گہرا تعلق ہے۔ ﴿2﴾ دوسرا سبق یہ ملتا ہے کہ ایمان والے روحانی طور پر بیدار اور تیار ہیں جب کہ دشمن مکار ہے اور اوچھے ہتھکنڈے اختیار کرتا ہے اس لیے اطمینان رکھیں کہ جن سے ایمان والوں کا مقابلہ ہے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے توہین آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نمازِ خوف کے اندر مسلح اور ہوشیار رہنے کا حکم دیا ہے۔ نمازِ خوف میں اگرچہ کچھ زائد حرکات ہوتی ہیں اور نماز کے بعض احوال چھوٹ جاتے ہیں تاہم اس میں ایک راجح مصلحت ہے اور وہ ہے نماز اور جہاد کا اجتماع اور ان دشمنوں سے ہوشیار رہنا جو مسلمانوں پر حملہ کرنے اور ان کے مال و متاع لوٹنے کے سخت حریص ہیں۔ (تفسیرِ سعدی)

سوال6: وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ''وہ لوگ چاہتے ہیں جنہوں نے کفر کیا کہ کاش تم اپنے اسلحے اور اپنے سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر ایک ہی بار ٹوٹ پڑیں''؟ جنگ کی حالت میں یہ حکم

کیوں دیا گیا کہ اپنا اسلحہ ساتھ لے لو؟

جواب:《1》اپنا اسلحہ ساتھ دینے کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اسلام احتیاط کے تقاضوں سے بے پرواہ ہونے کی اجازت کسی حال میں نہیں دیتا۔ دشمن تو ایسے ہی موقع کی طاق میں ہوتا ہے کہ جب مسلمان اپنے اسلحے سے اور اپنی حفاظت سے غافل ہوں اور وہ یک بارگی ٹوٹ پڑیں۔《2》یہاں پر نماز میں سامان حفاظت اور اسلحہ اٹھانے کا حکم دیا گیا ہے۔(ایسر التفاسیر:291)

سوال7: وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ''اور تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تمھیں بارش کی تکلیف ہو یا اگر تم بیمار ہو کہ تم اپنا اسلحہ اتار کر رکھ دو اور اپنے بچاؤ کا سامان پکڑے رکھو'' کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کے سلسلے میں بتلایا کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے تھے، ان سے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔(بخاری:4599)

سوال8: وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ''اور اپنے بچاؤ کا سامان پکڑے رکھو' بارش ہونے کی صورت میں یا بیماری کی صورت میں اسلحہ اتار سکتے ہیں لیکن سامانِ حفاظت ساتھ لینے کی تلقین ہے۔ وجہ بتائیں؟

جواب:'' اور اپنے بچاؤ کا سامان پکڑے رکھو' اسلام احتیاط کے تقاضوں سے بے پرواہونے کی اجازت کسی حال میں نہیں دیتا یہی وجہ ہے کہ اگر اسلحہ اتارنے کی مجبوری ہو جائے تب بھی سامانِ حفاظت سے بے پرواہ ہونے کی اجازت نہیں۔ حالتِ نماز میں بھی شدت کے ساتھ دفاع کا اہتمام کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

سوال9: اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا'' بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے '' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ہمت بڑھائی ہے کہ جن سے تمہارا مقابلہ ہے وہ تمہارے ہی نہیں اللہ تعالیٰ کے بھی دشمن ہیں اور ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا گیا ہے۔《2》شر اور فساد کی علت کفر ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے کفر کرنے والوں کے لیے عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا(103)

پھر جب تم پوری کر چکو تو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہو، پھر جب تم بے خوف ہو جاؤ تو نماز قائم کرو۔ بلاشبہ نماز ہمیشہ سے ایمان والوں پر ایسا فرض ہے جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے۔(103)

سوال1: فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ''پھر جب تم پوری کر چکو تو کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنے پہلوؤں پر لیٹے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہو'' صلوٰۃِ خوف کے بعد خاص طور پر ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے حکمت واضح کریں؟

جواب: ﴿1﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ یہاں نماز ادا کر چکنے سے مراد نمازِ خوف ہے۔ ﴿2﴾ چونکہ نماز قصر کر دی گئی ہے لہٰذا اس کی تلافی کے لیے کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہوئے ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کا ذکر اگرچہ تمام نمازوں کے بعد مشروع اور پسندیدہ ہے لیکن نمازِ خوف کے بعد اس کی خاص طور پر تاکید کی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خوف کی حالت میں نماز کے ارکان میں کمی کر دی ہے۔ سو نماز سے فارغ ہونے کے بعد ذکر میں مصروف ہونے کی ہدایت کی گئی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق جڑا رہے۔ ﴿4﴾ میدانِ جنگ میں اس کی اہمیت اس وجہ سے بھی ہے کہ انسان کے عزائم اور حوصلوں کا مرکز اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ ﴿5﴾ حالتِ خوف دور ہونے کے بعد پوری نماز باجماعت اور وقت کی پابندی کے ساتھ ادا کرنی ہوگی۔ ﴿6﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے بیٹھے اور اپنے پہلوؤں پر کرو، رات اور دن میں خشکی اور سمندر میں، سفر وحضر میں، دولت مندی اور فقیری میں، کھلے چھپے ہر حال میں۔ (ابن ابی حاتم: 1056/4)

سوال2: فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ '' پھر جب تم بے خوف ہو جاؤ تو نماز قائم کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ پھر جب بے خوف ہو جاؤ تم تو نماز قائم کرو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب خوف اور جنگ کی حالت ختم ہو تو پھر عام حالات میں خشوع وخضوع کے ساتھ رکوع اور سجدوں کے ساتھ تمام ارکان کے ساتھ پوری نماز ادا کرو۔ ارشاد ہے: فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ پھر جب امن میں آجاؤ تو اللہ تعالیٰ کو ایسے ہی یاد کرو جیسے اس نے تمہیں وہ سکھایا ہے جسے تم نہیں جانتے تھے۔'' (البقرہ: 239) ﴿2﴾ طمانیت: خوف سے نفس کے سکون میں آجانا ہے (تفسیر قرطبی: 256/3) ﴿3﴾ مجاہد نے کہا فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ سفر سے اپنے گھر واپس آنا ہے۔ (تفسیر جامع البیان 305/5)

سوال3: اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ''بلاشبہ نماز ہمیشہ سے ایمان والوں پر ایسا فرض ہے جس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ مَّوْقُوْتًا کے معنی ایک مقررہ وقت پر یعنی جو وقت ان کے لیے مقرر ہو۔ (بخاری کتاب التفسیر) ﴿2﴾ نماز کو مقررہ وقت میں پڑھنے کی تاکید سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اوقات نماز کی حفاظت ضروری ہے۔ حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ''سب نمازوں کی حفاظت کرو اور خصوصاً درمیانی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے لیے فرماں بردار بن کر کھڑے ہو جاؤ۔'' (البقرۃ:238) ﴿3﴾ وقت پر نماز پڑھنا واجب ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم اس وقت کیا کرو گے جب تم پر ایسے حکمران ہوں گے جو نماز کو اس کے وقت سے دیر کر کے پڑھیں گے یا نماز کو اس کے وقت سے مٹا ڈالیں گے؟ میں نے عرض کیا: اس وقت میرے لیے کیا حکم ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نماز کو اپنے وقت پر پڑھنا لیکن اگر ان کے ساتھ بھی پالو تو پڑھ لینا کیونکہ وہ تمہارے لیے نفل ہو جائے گی۔'' (مسلم:1465) ﴿4﴾ شرعی عذر کے بغیر دو نمازوں کو جمع کرنا درست نہیں کیونکہ اس طرح ایک نماز اپنے وقت کے علاوہ دوسری نماز کے وقت میں پڑھی جائے گی۔ عبداللہ بن ابی قتادہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم (خیبر سے واپسی پر) رات کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر کر رہے تھے۔ بعض لوگوں نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اچھا ہو جو یہاں اتر پڑیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے کہ تم سو جاؤ گے۔ اور نماز فجر کے لیے نہ اٹھو گے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں جگا دوں گا۔ چنانچہ سب لوگ سو گئے۔ اور بلال نے اپنی اونٹنی سے پیٹھ لگائی تو نیند نے غلبہ کیا اور وہ بھی سو گئے پھر آپ اس وقت اٹھے جب سورج کا کنارہ نکل آیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال سے پوچھا ''تمہارا قول کہاں گیا؟'' بلال نے کہا مجھے تو ایسی نیند آئی جیسے پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب چاہا تمہاری روحیں قبض کر لیں اور جب چاہا تمہیں واپس دے دیں۔ اے بلال اٹھ اور نماز کے لیے اذان دے۔ چنانچہ بلال نے اذان دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جب سورج ذرا بلند اور سفید ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور نماز پڑھی۔ (بخاری) ﴿5﴾ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص نماز ادا کرنا بھول جائے یا اس وقت سویا ہو تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ یاد آتے ہی ادا کر لے۔ (بخاری) ﴿6﴾ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے وقت پر نماز پڑھنا پھر پوچھا، اس کے بعد فرمایا والدین کے ساتھ نیک معاملہ رکھنا۔ پوچھا اس کے بعد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں

جہاد کرنا۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے یہ تفصیل بتائی اور اگر میں اور سوالات کرتا تو آپ اور زیادہ بھی بتلاتے ۔(لیکن میں نے بطور ادب خاموشی اختیار کی) (صحیح بخاری:527)﴿7﴾ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ''اللہ عز وجل فرماتے ہیں میں نے تمہاری امت پر پانچ نمازیں فرض کیں ہیں اور میں نے اپنے ساتھ عہد کیا ہے کہ جو شخص ان کو وقت پر ادا کرے گا، میں اس کو جنت میں داخل کروں گا اور جو شخص ان کی حفاظت نہیں کرے گا اس کے ساتھ میرا کوئی عہد نہیں ہے۔'' (سنن ابی داود:430)﴿8﴾ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ''جس شخص نے نماز کی حفاظت کی اس کے لیے نماز قیامت کے روز نور، برہان اور نجات کا باعث ہوگی جس نے نماز کے حفاظت نہ کی اس کے لیے نور ہوگا نہ برہان اور نہ نجات، نیز قیامت کے روز اس کا انجام قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔'' (صحیح ابن حبان:1467)﴿9﴾ حنظلہ رضی اللہ عنہ (کاتب وحی) کا بیان ہے کہ میں نے رسول ﷺ سے سنا، آپ فرما رہے تھے جو شخص پانچ نمازوں کے رکوع، سجود اور اوقات کا خیال رکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔'' یا آپ ﷺ نے فرمایا ''اس کے لیے جنت واجب ہے'' یا آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ آگ کے لیے حرام ہے'' (مسند احمد:267/4)﴿10﴾ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول ﷺ سے پوچھا کہ اللہ کے ہاں کون سا عمل سب سے زیادہ پسندیدہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''وقت پر نماز پڑھنا''۔(مسلم:253)﴿11﴾ بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اندھیرے میں مسجدوں کی طرف چل کر جانے والوں کو قیامت کے دن کامل روشنی کی خوشخبری دے دو۔(سنن ابی داؤد:561)﴿12﴾ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''منافقوں پر فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ بھاری کوئی نماز نہیں ہوتی اگر انہیں پتہ چل جائے کہ دونوں نماز کا ثواب کتنا زیادہ ہے تو ان دونون نماز میں ضرور آتے خواہ گھٹنوں کے بل ہی آنا پڑتا۔ میں نے ارادہ کیا کہ مؤذن کو حکم دوں کہ وہ اقامت کہے پھر ایک آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کی امامت کرائے اور خود آگ کا ایک شعلہ لے کر ان لوگوں (کے گھروں) کو جلادوں جو اس (اذان اور اقامت کے) بعد نماز کے لیے نہیں نکلتے۔(صحیح بخاری:657)﴿13﴾ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ دلالت کرتا ہے کہ نماز ایمان کی میزان ہے اور بندۂ مومن کے ایمان کی مقدار کے مطابق نماز کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ آیتِ کریمہ دلالت کرتی ہے کہ کفار جو اگرچہ اہلِ ذمہ کی طرح مسلمانوں کے احکام وقوانین پر عمل کرنے کے پابند ہیں تاہم وہ فروعِ دین میں مخاطب نہیں مثلاً نماز وغیرہ اس لیے ان کو نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ جب تک وہ اپنے کفر پر قائم ہیں ان

کی نماز صحیح نہیں البتہ ان کو نماز اور دیگر تمام احکام کو ترک کرنے پر آخرت میں سزا دی جائے گی۔(تفسیرِ سعدی)

سوال4: اس آیت سے کیا خاص اصول نکلتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ وقت کی پابندی نماز کی شرائط میں سے ہے۔ ﴿2﴾ نماز کی پابندی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کردہ فریضہ ہے۔ ﴿3﴾ نماز کے جو اوقات نبی ﷺ نے مقرر کیے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف سے مقرر کردہ فریضہ قرار دیا ہے۔

سوال5: نمازوں کے اوقات کیا ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ نماز کے اوقات وہی ہیں جو تمام مسلمانوں کے یہاں معروف ہیں اور جسے عالم اور جاہل سب جانتے ہیں یہ اوقات نبی ﷺ سے اخذ کیے گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: صلوا کما رأیتمونی اصلی ''ویسے ہی نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔''(بخاری:631) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جبریل علیہ السلام نے بیت اللہ کے پاس میری دو بار امامت کرائی۔ (پہلے دن) مجھے ظہر کی نماز پڑھائی اس وقت جب کہ سورج ڈھل گیا اور سایہ تسمے کے برابر تھا اور عصر کی نماز پڑھائی جب اس کا سایہ اس کے برابر ہو گیا اور مغرب کی نماز پڑھائی جس وقت کہ روزہ دار روزہ کھولتا ہے اور عشاء کی نماز پڑھائی جب کہ شفق (سرخی) اُفق سے غائب ہو گئی اور فجر کی نماز پڑھائی جب کہ روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ جب دوسرا دن ہوا تو مجھے ظہر کی نماز پڑھائی جب کہ اس کا سایہ اس کے مثل تھا اور عصر کی نماز پڑھائی جب کہ اس کا سایہ دو مثل تھا اور مغرب کی نماز پڑھائی جب کہ روزہ دار روزہ کھولتا ہے اور عشاء کی نماز پڑھائی جب کہ رات کا تہائی حصہ گزر گیا اور مجھے فجر کی نماز پڑھائی اور خوب سفیدی کی۔ پھر (جبریل علیہ السلام) میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا: ''اے محمد ﷺ! آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے یہی اوقات ہیں اور (نماز کے) اوقات ان دونوں (وقتوں) کے مابین ہیں۔''(ابوداؤد:393)

سوال6: کیا عذر کی وجہ سے نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سورج ڈھلنے سے پہلے سفر شروع کرتے تو ظہر عصر کا وقت آنے تک نہ پڑھتے۔ پھر کہیں (راستے میں) ٹھہرتے اور ظہر اور عصر ملا کر پڑھتے لیکن اگر سفر شروع کرنے سے پہلے سورج ڈھل چکا ہوتا تو پہلے ظہر پڑھتے پھر سوار ہوتے۔(بخاری:1112) ﴿2﴾ نمازیں باجماعت جمع کرتے وقت ایک اذان اور دو اقامتیں کہی جائیں گی۔(مسلم:2950، ابوداؤد:1905)

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (104)

اوراس قوم کے تعاقب میں ہمت نہ ہارو، اگرتم تکلیف اُٹھاتے ہوتو بلاشبہ وہ بھی تکلیف اُٹھاتے ہیں جیسا کہ تم تکلیف اُٹھاتے ہو، اورتم اللہ تعالیٰ سے وہ اُمید رکھتے ہو جو وہ اُمید نہیں رکھتے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔(104)

سوال1: اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب احد کی جنگ ہوئی اور مسلمانوں پر مصیبت آئی، نبی ﷺ پہاڑ پر چڑھے تو ابوسفیان آیا اور کہا: اے محمد! زخم کا بدلہ زخم ہے جنگ ڈول کی طرح ہے۔ ایک دن ہمارا اور ایک دن تمہارا۔ نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے فرمایا: اس کو جواب دو تو انہوں نے کہا: برابر نہیں ہیں ہمارے مقتول تو جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول آگ میں ابوسفیان نے کہا: ہمارے لیے عزیٰ ہے اور تمہارا کوئی عزیٰ نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ کہو: الله مولنا ولا مولا لكم'' اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں ابوسفیان نے کہا: اعلیٰ ہبل، ہبل سر بلند ہو تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہو اللہ اعلیٰ واجل ابوسفیان نے کہا ہمارا تمہارا وعدہ بدرصغریٰ کا ہے: عکرمہ نے کہا: اس بارے میں آیت نازل ہوئی۔ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ۔ (تفسیر جامع البیان: 309/5)

سوال2: وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ'' اوراس قوم کے تعاقب میں ہمت نہ ہارو، اگرتم تکلیف اُٹھاتے ہوتو بلاشبہ وہ بھی تکلیف اُٹھاتے ہیں جیسا کہ تم تکلیف اُٹھاتے ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اپنے دشمن کفار کو طلب کرنے ان کے خلاف جہاد اور ان کے مقابلے میں تیار رہنے میں کمزوری اور سستی کا مظاہرہ نہ کرو، کیونکہ دل کی کمزوری بدن کی کمزوری کو دعوت دیتی ہے اور یہ کمزوری دشمن کے مقابلے میں کمزوری کا باعث بنتی ہے بلکہ دشمن کے خلاف جنگ میں چست و چالاک اور طاقت ور بنو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان امور کا ذکر فرمایا ہے جو اہلِ ایمان کے دل کو قوت بخشتے ہیں۔ (تفسیرِ سعدی)

سوال3: جہاد کا عمل جاری رکھنے کے لیے اس آیت میں کیسے ترغیب دلائی گئی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ دشمنوں کے تعاقب میں کمزوری نہ دکھاؤ۔ ﴿2﴾ اگر تم تکلیف اٹھا رہے ہو تو وہ بھی تکلیف اٹھا رہے ہیں۔ ﴿3﴾ اگر تم نے زخم کھائے ہیں تو انہوں نے بھی زخم کھائے ہیں۔ ﴿4﴾ تم اللہ تعالیٰ سے رحمت اور جزا کے امیدوار رہو اور انہیں کوئی امید نہیں۔ ﴿5﴾ اگر کافر جنگ کے لیے ڈٹے ہوئے ہیں تو مسلمانوں کو ان سے بڑھ کر ڈٹے رہنا چاہیے۔ ﴿6﴾ مسلمانوں کو کفار کا پیچھا کرنا چاہیے اور انہیں اس حال میں پہنچانا چاہیے کہ ان کی قوت ٹوٹ جائے اور وہ کسی مسلمان کے دین، جان اور مال کے لیے خطرہ نہ رہیں۔

سوال4: جنگ مومنوں اور کافروں کے درمیان ہوتی ہے۔ دونوں کی جنگ میں کیا فرق ہے؟ موازنہ کریں۔

جواب:

مومنوں کی جنگ	کافروں کی جنگ
1۔ مومن رنج والم اٹھاتے ہیں۔	1۔ کافر بھی رنج والم اٹھاتے ہیں۔
2۔ مومنوں کو زخم لگتے ہیں۔	2۔ کافروں کو بھی زخم لگتے ہیں۔
3۔ مومن اللہ تعالیٰ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔	3۔ کافر خودغرضی میں جنگ لڑتے ہیں۔
4۔ مومن اللہ تعالیٰ سے شاندار جزا کی اُمید رکھتے ہیں۔	4۔ کافر اللہ تعالیٰ سے جزا کی اُمید نہیں رکھتے۔
5۔ مومن اندرونی قوت ایمان رکھتے ہیں۔	5۔ کافر اندرونی تضاد کے روگ کے بیمار ہیں۔
6۔ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی طرف سے ملنے والی جزا بہت بڑا مرہم اور دوا ہے۔	6۔ کافروں کے زخم کا کوئی علاج نہیں۔ اس کی روح کے زخموں کا کوئی مرہم نہیں۔

سوال5: وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰہِ مَالَا یَرْجُوْنَ ’’اور تم اللہ تعالیٰ سے وہ اُمید رکھتے ہو جو وہ اُمید نہیں رکھتے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ’’جب کہ تم اللہ تعالیٰ سے وہ اُمید رکھتے ہو جو وہ اُمید نہیں رکھتے‘‘ یہ دونوں گروہوں کے درمیان برہان کے اوران کے حسب حال ہے۔ ﴿2﴾ مقاتل بن حیان نے کہا: ’’تم اللہ تعالیٰ سے امید رکھتے ہو‘‘ یعنی محمد ﷺ کے اصحاب

زندگی کی، رزق کی، شہادت کی اور دنیا میں کامیابی کی امید رکھتے ہیں۔(ابن ابی حاتم:1058/4)《3》جنگ میں تو تکلیف ہی ہے لیکن تم جنت کی آرزو لیے ہوئے ہو اور کافر کے سامنے اس کے دین باطل کے سوا کچھ بھی نہیں لہٰذا تمہارے لیے کمزوری کا کوئی پہلو نہیں۔(تفسیر انوار البیان:778/1)《4》مومنوں کو جنگ میں اللہ تعالیٰ سے امید کی وجہ سے زیادہ صبر کرنا چاہیے۔

سوال6: امید اور تمنا میں کیا فرق ہے؟

جواب: تمنا میں سستی ہوتی ہے اسی لیے تمنائیں کرنے والا کبھی عمدہ طریقے سے کوشش نہیں کرتا جب کہ امید رکھنے والا اسباب کے ساتھ اُمید رکھتا ہے۔رب العزت نے فرمایا: اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَالَّذِیۡنَ هَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرۡجُوۡنَ رَحۡمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ''یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا وہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔''(البقرہ:218)

سوال7: اللہ تعالیٰ سے حقیقی امید کب بندھتی ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھنا دل کی عبادت ہے۔علماء نے سچی اُمید رکھنے کے چار عوامل بتائے ہیں:《1》بندے کا اللہ تعالیٰ کے سابقہ فضل کو یاد کرنا۔《2》اللہ تعالیٰ کے کثیر ثواب کو یاد رکھنا《3》اللہ تعالیٰ کے انعامات کو ہر حال میں یاد رکھنا۔《4》اللہ تعالیٰ کی رحمت کو یاد رکھنا اللہ تعالیٰ سے حقیقی اُمید تب بندھتی ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی معرفت حاصل کرتا ہے۔

سوال8: وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیۡمًا حَكِیۡمًا ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے علیم اور حکیم ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے نمازوں کو قصر کرنے سے اپنے علیم اور حکیم ہونے کا شعور دلایا ہے کہ حالتِ خوف اور امن کی حالت برابر نہیں ہوتی۔چونکہ وہ علم رکھتا ہے اس لیے حکمت بھرے فیصلے کر سکتا ہے۔《2》اللہ تعالیٰ نے جنگ کے موقع پر پہنچنے والے زخموں سے اپنے علیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔《3》اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی اُمیدوں اور کافروں کی نا اُمیدی سے اپنے علیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔

سوال9: اللہ تعالیٰ نے اپنے علیم اور حکیم ہونے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنے علیم اور حکیم ہونے کا شعور اس لیے دلایا ہے تا کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم کو خوش دلی کے ساتھ

قبول کریں اور دشمن کا پیچھا کرنے میں دل میں تنگی محسوس نہ کریں۔

رکوع نمبر13

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰٮكَ اللّٰهُ‌ ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآٮِٕنِيۡنَ خَصِيۡمًا(105)

یقیناً ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا ہے اور آپ خیانت کرنے والوں کی خاطر جھگڑنے والے نہ ہوں۔(105)

سوال1: اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: ترمذی اور مستدرک حاکم میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ رفاعہ رضی اللہ عنہ کی زِرہ گم ہوگئی۔ اس چوری کا گمان طعمہ بن اُبیرق کی طرف تھا جس کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہجو میں اشعار لکھتا ہے اور مشہور کرتا ہے کہ یہ فلاں عرب شاعر کے ہیں۔ جب چور کو پتہ چلا کہ اس کے خلاف رپورٹ ہوگئی ہے تو اس نے جلدی سے زِرہ ایک یہودی کے گھر پھینک دی اور اپنے خاندان کے لوگوں سے کہا کہ میں نے زِرہ غائب کردی ہے اور یہ اسی کے گھر سے برآمد ہوگی۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہمارا بھائی تو بے گناہ ہے اور فلاں شخص چور ہے۔ ہم نے پتہ لگالیا ہے کہ زِرہ اس کے گھر میں موجود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھی کی صفائی فرمادیں۔ اس کی حمایت کریں کہیں وہ ہلاک نہ ہوجائے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ زِرہ یہودی کے گھر سے برآمد ہوگئی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجمع میں اعلان کردیا کہ ابیرق بے گناہ ہے۔ قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے جان بوجھ کر ایک ایسے خاندان کے خلاف بغیر ثبوت کے چوری کا الزام عائد کیا جن کا اسلام اور نیکی مشہور و معروف ہیں۔ اس پر میں واپس ہوگیا لیکن میری حالت یہ تھی کہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میری تمام دولت چلی جاتی اور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بات نہ کرتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ اس پر میرے چچا رفاعہ رضی اللہ عنہ آئے تو مجھے کہا: بھتیجے! یہ تُو نے کیا کیا۔ میں نے وہ بات بتائی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہی تھی تو رفاعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہے۔ اس پر زیادہ وقت نہ گزرا تھا کہ یہ آیات نازل ہوئیں۔ حاکم نے اس شانِ نزول کی روایت کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

سوال2: اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ ''یقیناً ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ ’’یقیناً ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے‘‘۔حق کے ساتھ نازل کرنے سے مراد ہے کہ اس کتاب کو شیاطین کے وسوسوں سے محفوظ رکھا ہے۔﴿2﴾ یہ کتاب عظیم حق کے ساتھ نازل ہوئی اور حق پر مشتمل ہے اس کی خبریں سچی اوراس کے اوامر ونواہی بھی عدل پر مشتمل ہیں۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ اورآپ کے رب کی بات سچائی اور انصاف میں مکمل ہے،کوئی اُس کی باتیں بدلنے والا نہیں ہے اور وہی سب کچھ سننے والا،سب کچھ جاننے والا ہے۔(الانعام:115)(تفسیرِ سعدی)﴿3﴾ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب آدھی رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا فرماتے:’’اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں تو آسمانوں اورزمین کا نور ہے اورساری تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں تو آسمانوں اورزمین کو قائم رکھنے والا ہے اورساری تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں اوروہ چیزیں کہ جوان آسمانوں اورزمین میں ہیں تو حق ہے اور تیراوعدہ برحق ہے اور تیرافرمان حق ہے اور تجھ سے ملاقات حق ہے اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے اور قیامت حق ہے اے اللہ! میں تیرا ہی فرمانبردار ہوں اور تجھی پر ایمان لایا ہوں اور تجھی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور میں تیری ہی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور میں تیری خاطراوروں سے جھگڑتا ہوں اور تجھ ہی سے فیصلہ چاہتا ہوں پس تو میرے اگلے پچھلے اور باطنی اور ظاہری گناہ بخش دے تو ہی میرا معبود ہے تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔(صحیح مسلم:1808)

سوال3: لِتَحْكُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ’’تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جواللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ بِمَاۤ اَرٰىكَ اللّٰهُ ’’جواللہ تعالیٰ نے آپ کو دکھایا ہے‘‘ جواللہ تعالیٰ نے وحی کے واسطے سے آپ کو دکھایا ہے۔﴿2﴾ یعنی آپ ﷺ اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ نہ کریں بلکہ اس الہام اورعلم کے مطابق فیصلہ کریں جواللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا کیا ہے۔یہ آیتِ کریمہ اس امر کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان تمام احکام میں معصوم اورمحفوظ ہیں جو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو پہنچائے۔نیز اس امر کی دلیل ہے کہ فیصلہ کرنے کے لیے علم اورعدل شرط ہے۔(تفسیرِ سعدی) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَ مَنْ لَّمْ یَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ،اور جو اس کے مطابق فیصلے نہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔(المائدہ:47)اورفرمایا:وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ فَاحْكُمْ بَیْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ؕ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ اور ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی ہے جو تصدیق کرنے والی ہے اس کے لیے جو کتاب میں سے اس سے پہلے ہے اور ان پر نگہبان ہے، چنانچہ آپ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور جو حق آپ کے پاس آیا ہے اسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کا پیچھا نہ کرو۔ تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک راستہ اور ایک طریقہ مقرر کر دیا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ضرور وہ تمہیں ایک ہی اُمت بنا دیتا لیکن وہ چاہتا ہے کہ اس میں تمہاری آزمائش کرے جو اس نے تمہیں عطا کیا ہے، چنانچہ تم بھلائیوں میں سبقت لے جاؤ، تم سب کو اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں اس چیز کے متعلق بتائے گا جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے (المائدہ:48) وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ اور یہ کہ آپ اُن کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے اور ان کی خواہشات کا پیچھا نہ کریں اور آپ ان سے بچ کر رہیں، کہیں آپ کو اس میں سے بعض کے متعلق فتنے میں نہ ڈال دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف نازل کیا ہے، پھر اگر وہ منہ موڑ لیں تو جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ارادہ رکھتا ہے کہ اُن کے بعض گناہوں کی وجہ سے اُنہیں مصیبت میں مبتلا کر دے اور بلاشبہ انسانوں میں سے اکثر یقیناً نافرمان ہیں۔ (المائدہ:49)

سوال4: وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ''اور آپ خیانت کرنے والوں کی خاطر جھگڑنے والے نہ ہوں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: مسلمانوں نے طعمہ بن اُبیرق یا بشیر بن اُبیرق اور ان کے خاندان کی طرف سے یہ جھگڑا کیا تھا کہ وہ نیکی میں معروف اور مشہور ہیں۔ ان پر چوری کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ ﴿1﴾ لِّلْخَآئِنِيْنَ: وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس سے بھی خیانت کرتے ہیں۔ چوری کرتے ہیں، نافرمانی کے کام کرتے ہیں اور دوسروں پر تہمت لگاتے ہیں (تفسیر منیر:265/3) ﴿2﴾ اس میں دلیل ہے کہ کوئی شخص اس کے بارے میں جھگڑا نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کی حقیقت کے بارے میں جان لے۔ (فتح القدیر:652/1) ﴿3﴾ اس میں رسول اللہ ﷺ کو ایک قسم کا عتاب بھی ہے کہ آپ ﷺ کو خیانت کرنے والوں کی طرف سے دفاع نہیں کرنا چاہئے تھا۔ (تیسیر الرحمٰن) ﴿4﴾ اس آیت میں ایسے مسلمانوں کو جنہوں نے محض خاندان اور قبیلے کی عصبیت کی بناء پر مجرم کی حمایت کی تھی اور تمام لوگوں کو یہ بتا دیا گیا ہے کہ انصاف کے معاملے میں کسی قسم کا تعصب برداشت نہیں کیا جائے گا اگر ایک فریق دشمن قوم سے تعلق رکھتا ہے اور وہ حق پر ہے تو اسی کی حمایت کی جائے گی، مسلمانوں کی نہیں کی جائے گی۔ (دعوۃ القرآن) ﴿5﴾ اس آیتِ کریمہ کا مفہوم

مخالف دلالت کرتا ہے کہ کسی ایسے شخص کے جھگڑے کی نیابت کرنا جائز ہے جو کسی ظلم کی معروف میں نہ ہو۔(تفسیرِ سعدی)

سوال5: مسلمانوں نے خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا کیوں کیا تھا؟

جواب: مسلمانوں نے خاندان اور قبیلے کی عصبیت کی بناء پر مجرم کی حمایت کی تھی۔

سوال6: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے توسط سے کیا واضح کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا ہے کہ انصاف کے معاملہ میں کسی قسم کا تعصب برداشت نہیں کیا جائے گا۔﴿2﴾ جو حق پر ہے اس کی حمایت کی جائے گی۔

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (106)

اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے بے حد بخشنے والا ، نہایت رحم والا ہے۔(106)

سوال1: "وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ" اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو' اللہ تعالیٰ نے خیانت کرنے والوں کی طرف سے جھگڑا کرنے کی غلطی پر رسول اللہ کو مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا۔حکمت واضح کریں؟

جواب: ﴿1﴾ انسان معاملات میں غلطی کر بیٹھتا ہے تو اس کے قلب کو پاکیزگی کی ضرورت ہوتی ہے۔اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنے سے دل اپنے صحیح مقام یعنی مقامِ عبودیت پر آجاتا ہے اس لیے مغفرت طلب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔﴿2﴾ مغفرت طلب کرنے کے حکم سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ قاضی سے بھی غلطی ہوسکتی ہے۔اگر وہ غلط فیصلہ کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں درست نہیں ہو جائے گا اس لیے مغفرت طلب کرنے کی ضرورت ہے۔امِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دروازے پر جھگڑے کی آواز سنی تو باہر ان کی طرف نکلے۔پھر آپ ﷺ نے فرمایا:"میں بھی ایک انسان ہوں اور میرے پاس لوگ مقدمے لے کر آتے ہیں۔ممکن ہے ان میں سے ایک فریق دوسرے سے بولنے میں زیادہ عمدہ ہو اور میں یقین کرلوں کہ وہی سچا ہے اور اس طرح اس کے موافق فیصلہ کر دوں پس جس شخص کے لیے بھی میں کسی مسلمان کا حق دلا دوں تو وہ جہنم کا ایک ٹکڑا ہے۔وہ چاہے تو لے چاہے تو چھوڑ دے۔"(بخاری:7181)

سوال2: اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا" بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے بے حد بخشنے والا ، نہایت رحم والا ہے" اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت کو کون پا سکتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جو اللہ تعالیٰ کی مغفرت کا امیدوار ہو اور اس کی رحمت کا طلب گار ہو۔ ﴿2﴾ جو اپنی خطاؤں اور گناہوں کا احساس کرنے والا ہو۔ ﴿3﴾ جو خطاؤں سے پاک ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بخشش طلب کرے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے اپنے غفور اور رحیم ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے نزولِ کتاب سے اپنے رحیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔ کتاب کا نازل کرنا اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وجہ سے ہے۔ ﴿2﴾ کتاب کے مطابق فیصلے کرنے کے حکم سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا شعور دلایا ہے کیونکہ انسانوں کو انصاف اللہ تعالیٰ کے قانون کے سوا کہیں سے نصیب نہیں ہوسکتا۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے خیانت کرنے والوں کی حمایت کرنے پر اپنی مغفرت کا اور اپنے غفور ہونے کا شعور دلایا ہے تاکہ اس سے بخشش طلب کریں۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا(107)

اور آپ ان کی جانب سے جھگڑا نہ کریں جو اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے محبت نہیں کرتا جو ہمیشہ سے بہت خائن، سخت گناہ گار ہو۔(107)

سوال1: وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ''اور آپ ان کی جانب سے جھگڑا نہ کریں جو اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں۔

﴿1﴾ نبی ﷺ سے خطاب کر کہ ہر اس شخص کو حکم دیا گیا جو مسلمان ہونے کے باوجود منافقوں کی حمایت کرتا تھا۔ ﴿2﴾ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ''جو اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں'' جو معاصی کے ساتھ خیانت کرتے ہیں کیونکہ انکی خیانت کا وبال انہی پر ہے۔(تفسیر منیر:265/3)

سوال2: وَلَا تَكُنْ ، وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ اور وَلَا تُجَادِلْ میں خطاب کس سے ہے؟

جوب: ﴿1﴾ ظاہری طور پر خطاب نبی ﷺ سے ہے لیکن اصل میں اس خطاب کے مخاطب وہ مسلمان ہیں جو منافقوں کی حمایت کرتے تھے۔ ﴿2﴾ اس طرح خطاب کر کے ایک طرف تو مجرموں سے بے پروائی کا اظہار ہے اور دوسری طرف مقصد یہ ہے کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔

سوال3: عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ''جو اپنے آپ سے خیانت کرتے ہیں'' سے کون لوگ مراد ہیں؟

جواب:《1》اس سے مراد منافقین ہیں جن کا تذکرہ لِّلۡخَآئِنِیۡنَ کے لفظ سے کیا گیا ہے۔خیانت کار لوگوں کی طرف سے جو جھگڑا کیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں۔《2》انہوں نے ظاہری طور پر تو دوسرے انسانوں سے خیانت کی تھی مگر دراصل وہ اپنے آپ سے خیانت کررہے تھے۔

سوال4: جھگڑے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا ہدایات دی گئیں؟

جواب:《1》خیانت کاروں کے طرف دار نہ بنیں۔《2》خیانت کاروں کی جانب سے دفاع نہ کریں۔《3》خیانت کار لوگوں کی طرف سے جو جھگڑا کیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں۔

سوال5: اس خیانت کی نوعیت کیا تھی؟

جواب:《1》یہ خیانت منافقین کی جانب سے اپنی جماعت اور اپنے نظام کے خلاف تھی۔《2》یہ خیانت اسلام کے اصولوں کے خلاف تھی۔《3》یہ خیانت اُمت کے خلاف تھی جس کے وہ فرد تھے۔《4》یہ خیانت ان کے اپنے نفس کے خلاف تھی کہ وہ اپنے آپ کو ایک ایسے جرم میں ملوث کررہے تھے جس کی سزا سخت تھی۔《5》یہ خیانت ضمیر کے خلاف تھی جس کو جھوٹ بول کر اور جرم کر کے خیانت میں لپیٹا جارہا تھا۔

سوال6: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ خَوَّانًا اَثِيۡمًا ''یقیناً اللہ تعالیٰ اس سے محبت نہیں کرتا جو ہمیشہ سے بہت خائن، سخت گناہ گار ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》خَوَّانًا: مبالغے کا صیغہ استعمال ہوا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا تھا کہ طعمہ بہت بڑا خائن اور بہت بڑا گناہ گار ہے۔(تیسیر الرحمٰن)《2》اس کا یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل امانت واستقامت سے محبت رکھتا ہے(تفسیر مراغی:308/2) اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ وہ اس سے محبت نہیں کرتا جو بڑا خائن، بڑا گناہ گار ہو۔《3》سزاؤں میں سے بڑی سزا اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی ہے۔《4》اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور مومنین کی پسند وناپسند کا معیار الگ الگ نہیں ہوسکتا پھر جب اللہ تعالیٰ ناپسند کرتے ہیں تو تم بھی ناپسند کرو۔

يَّسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمۡ اِذۡ يُبَيِّتُوۡنَ مَا لَا يَرۡضٰى مِنَ الۡقَوۡلِ ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطًا(108)

وہ لوگوں سے چھپنا چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپنا چاہتے، حالانکہ وہ تو اس وقت بھی اُن کے پاس ہوتا ہے جب وہ رات کوان باتوں کا جن سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا، مشورے کرتے ہیں اور جو بھی وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اس کا احاطہ کرنے والا ہے۔(108)

سوال1: يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ '' وہ لوگوں سے چھپنا چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپنا چاہتے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' وہ لوگوں سے چھپنا چاہتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپنا چاہتے'' اللہ تعالیٰ نے اظہارِ حیرت کیا ہے کہ منافق لوگوں سے اپنا آپ چھپاتے ہیں حالانکہ وہ ان کے نفع ونقصان کے مالک نہیں اور اپنے برے اعمال لے کر اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپتے حالانکہ وہ تو کھلے چھپے کو جانتا ہے اور دل کے خفیہ بھیدوں سے واقف ہے۔

سوال2: وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ '' حالانکہ وہ تو اس وقت بھی اُن کے پاس ہوتا ہے جب وہ رات کوان باتوں کا جن سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا، مشورے کرتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ وَهُوَ مَعَهُمْ: یعنی اللہ تعالیٰ رقیب ہے ان پر حفیظ ہے ان کا نگران اور محافظ ہے۔(قرطبی:259/3)﴿2﴾ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور دیکھنے، سننے سے ان کے ساتھ ہے (قرطبی:260/3)﴿3﴾ اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت سے ان کے ساتھ ہے۔(ایسر التفاسیر:293)﴿4﴾ منافق رات کے وقت اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف جو مشورے کرتے تھے اس کے بارے میں فرمایا: وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا اور وہ کہتے ہیں اطاعت ہوگی، پھر جب وہ آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ رات کو آپ کی بات کے خلاف مشورہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے جو وہ رات کو مشورے کرتے ہیں چنانچہ آپ ان سے منہ موڑ لیں اور اللہ تعالیٰ پر توکل کریں اور اللہ تعالیٰ ہی وکیل کافی ہے۔(النساء:81)﴿5﴾ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ '' لیکن اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپنا چاہتے'' اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا محافظ ہے۔اس سے زمین و آسمان کا کوئی ذرہ چھپا ہوا نہیں لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو یہی حقیقت سمجھائی تھی کہ يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ اے میرے چھوٹے بیٹے! اگر کوئی چیز رائی کے

دانے کے وزن کی ہو، پس وہ کسی چٹان میں ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں تو اللہ تعالیٰ اُس کو لے آئے گا، یقیناً اللہ تعالیٰ بڑا باریک بیں، پوری خبر رکھنے والا ہے۔(لقمان:16) جولوگ اپنا جرم اور خیانت چھپانے کی کوشش کرتے ہیں: الف۔ وہ اللہ تعالیٰ سے کچھ چھپا نہیں سکتے جس کی مرضی کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ب۔اللہ تعالیٰ اس مجلس میں بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جس میں وہ راتوں کو سازشیں کرتے ہیں۔

سوال3: وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا'' اور جو بھی وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اس کا احاطہ کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اُس کا ہمیشہ احاطہ کرنے والا ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چھپی باتوں، دلوں کے بھیدوں سے آگاہ ہے۔اس کا آگاہ ہونا بے سبب نہیں ہے۔وہ آج اگر ان اعمال کا احاطہ کرنے والا ہے تو آئندہ آخرت میں حساب کتاب لے کر بدلہ دینے والا ہے۔رب العزت نے فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ اور رسول کی دعوت قبول کرلو، جب رسول تمہیں اس کے لیے بلائے جو تمہیں زندگی بخشتی ہے اور جان لو کہ یقیناً اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان رکاوٹ بن جاتا ہے اور یقیناً اُسی کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔(الانفال:24) رب العزت نے فرمایا: اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ بلاشبہ تمہارا رب یقیناً گھات میں ہے۔(فجر:14)

هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا (109)

ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے اُن کی خاطر دنیا کی زندگی میں جھگڑا کیا تو قیامت کے دن اُنکے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کون جھگڑا کرے گا یا کون اُن پر وکیل ہوگا؟(109)

سوال1: هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا'' ہاں تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے اُن کی خاطر دنیا کی زندگی میں جھگڑا کیا تو قیامت کے دن اُن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کون جھگڑا کرے گا یا کون اُن پر وکیل ہوگا؟'' اس آیت کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》تم نے دنیا میں مجرموں کی وکالت کی۔اگر مجرم بچ بھی گئے تو کیا فائدہ؟ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے

کیا کرو گے جو پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے۔اس دن کون مجرموں کی طرف سے وکالت کرے گا؟اس دن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:وَاتَّقُوْا یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْئًا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ اور ڈرو اُس دن سے جب کوئی جان کسی جان کے کچھ بھی کام نہ آئے گی اور نہ اُس سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اُس سے کوئی فدیہ لیا جائے گا اور نہ اُن کی مدد کی جائے گی۔(البقرہ:48)《2》قیامت کے دن مجرموں کی طرف سے وکالت نہیں ہو سکے گی۔اس شدت کے دن تو مجرم ہرگز نہیں بچ سکیں گے۔《3》ایک طرف مجرموں کی وکالت ہے، جرم کی کراہت محسوس کروائی جارہی ہے اور دوسری طرف یہ احساس دلایا جارہا ہے کہ دنیا میں بچت کا مطلب آخرت میں بچت نہیں۔آخرت میں نہ مجرم بچ سکیں گے، نہ مجرموں کے وکیل۔

سوال2:اللہ تعالیٰ کی عدالت میں انسانوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور انصاف کن اصول وقواعد کے مطابق ہوگا؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ہر شخص اپنے عمل کی جزا پائے گا۔رب العزت کا فرمان ہے:لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْکِتٰبِ ؕ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا نہ تمہاری تمناؤں پر(مدار)ہے اور نہ اہلِ کتاب کی تمناؤں پر، جو کوئی بھی بُرا عمل کرے گا اُسے اُس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست پائے گا اور نہ کوئی مددگار۔"《2》ہر شخص اپنے عمل کا خود ذمہ دار ہے۔رب العزت کا ارشاد ہے:لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْکِتٰبِ ؕ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا نہ تمہاری تمناؤں پر(مدار)ہے اور نہ اہلِ کتاب کی تمناؤں پر، جو کوئی بھی بُرا عمل کرے گا اُسے اُس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست پائے گا اور نہ کوئی مددگار۔(النساء:123)

《3》اللہ تعالیٰ کی عدالت میں اصولِ وراثت نہیں چلتا۔کسی کے جرم کی سزا کوئی نہیں بھگتے گا، نہ ہی کوئی اور کفارہ دے گا۔

سوال3:اس آیت میں کس چیز کی طرف راہنمائی کی گئی ہے؟

جواب:اس آیت کریمہ میں اس امر کی طرف رہنمائی ہے جو ان موہوم دنیاوی مصالح کے مابین جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کو ترک کرنے اور اس کی منہیات کے ارتکاب پر مترتب ہوتے ہیں اور اس اخروی ثواب کے مابین ہوتا ہے جس سے انسان محروم یا وہاں کے عذاب کا مستحق ہوتا ہے پس جس شخص کو اس کے نفس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے وہ اپنے آپ سے پوچھے کہ" تو نے سستی اور کوتاہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترک کر دیا؟ تو اس کے عوض تو نے کونسا منافع کمایا؟ اور کتنا اخروی ثواب ہے جو تجھے حاصل ہونے سے رہ گیا؟ اور اللہ کے حکم ترک کرنے کے نتیجے میں کتنی بدبختی، محرومی، ناکامی اور

خسارے کا سامنا کرنا پڑا؟'' اسی طرح جب اس کا نفس شہوات محرمہ کی طرف بلائے تو وہ اس سے مخاطب ہوکر کہے کہ ''فرض کیا جس چیز کی تو نے خواہش کی میں نے پوری کر دی، اس کی لذت تو ختم ہوجائے گی مگر یہ لذت اپنے پیچھے اتنے غم وہموم ،حسرتیں، ثواب سے محرومیاں اور عذاب چھوڑ جائے گی کہ ان کا کچھ حصہ بھی عقلمند شخص کو ان لذتوں کی طرف بڑھنے سے روکنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔'' یہی وہ سب سے بڑی چیز ہے جس میں تدبر بندے کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔ یہی حقیقی عقل مندی کی خصوصیت ہے، اس شخص کے برعکس جو عقل مندی کا دعویٰ کرتا ہے مگر وہ عقل مند نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ اپنے ظلم وجہالت کی وجہ سے دنیا کی لذت وراحت کو ترجیح دیتا ہے خواہ اس پر کیسے ہی نتائج مترتب کیوں نہ ہوں۔ (تفسیر سعدی:585/1) رب العزت نے فرمایا: يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ جس دن کسی جان کو کسی جان کے لیے کوئی اختیار نہ ہوگا اور اس دن حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہوگا (الانفطار:19)

وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا (110)

اور جو شخص کوئی بُرائی کرے اپنی جان پر ظلم کرے، پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش کی درخواست کرے وہ اللہ تعالیٰ کو بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا پائے گا۔(110)

سوال1: وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا ''اور جو شخص کوئی بُرائی کرے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ السوء : سے مراد قبیح کام ہے جس سے برائی پہنچے۔ (تفسیر فتح القدیر:654/1) ﴿2﴾ السوء وہ گناہ جن سے انسان اپنے علاوہ دوسروں کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔ جیسے جھوٹی شہادت اور بے گناہ کو متہم کرنا۔ (تفسیر اشرف الحواشی:116/1) ﴿3﴾ ''برا عمل'' علی الاطلاق تمام گناہوں کو، خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں، شامل ہے اور السوء کو (برائی) اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ برے عمل کے مرتکب کو اس پر مترتب ہونے والا عذاب برا لگتا ہے۔ نیز برا عمل فی نفسہٖ برا ہے، اچھا نہیں ہے۔ (تفسیرِ سعدی)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی ہے اور وہ یہ حدیث بیان کرنے میں سچے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو مسلمان کوئی گناہ کر بیٹھے، پھر وضو کرے، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے اس گناہ کی معافی مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ کو یقیناً معاف فرما دے گا۔'' اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آیتیں پڑھیں جن میں سے ایک یہی آیت تھی۔ (مسند احمد:47)

سوال2: اَوۡ یَظۡلِمۡ نَفۡسَہٗ ''اپنی جان پر ظلم کرے'' مومن اپنے نفس پر ظلم کب کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ جب مومن گناہ کرتا ہے تو وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ ﴿2﴾ ان گناہوں کی طرف اشارہ ہے جن سے انسان صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ جیسے ترک صلوٰۃ اور شراب نوشی وغیرہ۔ (تفسیر اشرف الحواشی:116/1)

سوال3: ثُمَّ یَسۡتَغۡفِرِ اللّٰہَ ''پھر اللہ تعالیٰ سے بخشش کی درخواست کرے'' کیا برائی کرنے والوں اور ظالموں کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ استغفار، ندامت سے مغفرت طلب کرنے اور توبہ کرنے کو کہتے ہیں۔ برائی کرنے والے اور ظالم اگر استغفار کر لیں، توبہ کر کے واپس پلٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے کے ساتھ ان پر رحمت بھی کرتا ہے۔ ﴿2﴾ جب بھی کوئی توبہ کر کے لوٹ آئے اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔ رب العزت نے فرمایا: قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۳﴾ وَ اَنِیۡبُوۡۤا اِلٰی رَبِّكُمۡ وَ اَسۡلِمُوۡا لَهٗ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یَّاۡتِیَكُمُ الۡعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنۡصَرُوۡنَ ''آپ کہہ دیں کہ اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے! اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ یقیناً اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ یقیناً وہی بڑا بخشنے والا، بڑا رحم کرنے والا ہے۔ اور اپنے ربّ کی طرف پلٹ آؤ اور اُس کے مطیع بن جاؤ اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے۔ پھر تمہاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔'' (الزمر:53,54)

﴿3﴾ یہاں ''برے عمل'' کی تفسیر ''ظلم'' کی جائے گی، جو لوگوں کو برا لگتا ہے اور وہ ہے خون، مال اور عزت وناموس میں ان کا ایک دوسرے پر ظلم اور نفس کے ظلم کی تفسیر ''ظلم اور گناہ'' بیان کی جائے گی جس کا تعلق اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بندہ جب ایک گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ ڈال دیا جاتا ہے اور جب وہ گناہ سے باز آجاتا ہے اور استغفار اور توبہ کرتا ہے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو وہ نقطہ بڑھ جاتا ہے حتیٰ کہ وہ پورے دل پر چھا جاتا ہے۔ (ترمذی:3334) ﴿4﴾ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ رب العزت رات کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کو برائی کرنے والا توبہ کر لے اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کو گناہ کرنے والا توبہ کر لے۔ (یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہے گا) جب تک کہ سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔'' (مسلم:6989) ﴿5﴾ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم اتنے گناہ کرو کہ آسمان تک پہنچ جائیں پھر تم توبہ کرو تو اللہ تعالیٰ تم کو معاف کر دے گا۔'' (ابن ماجہ:4248) ﴿6﴾ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ان سے رسول اللہ ﷺ نے

بیان کیا کہ سیدالاستغفار (مغفرت کے تمام کلمات کا سردار) یہ ہے کہ انسان یوں کہ: اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے ہی مجھے پیدا کیا میں تیرا ہی بندہ ہوں۔ میں اپنی طاقت کے مطابق تجھ سے کیے ہوئے عہد اور وعدہ پر قائم ہوں ان بری حرکتوں کے عذاب سے جو میں نے کی ہیں تیری پناہ مانگتا ہوں مجھ پر نعمتیں تیری ہیں اس کا اقرار کرتا ہوں۔ میری مغفرت کر دے کہ تیرے سوا اور کوئی بھی گناہ نہیں معاف کرتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے اس دُعا کے الفاظ پر یقین رکھتے ہوئے دل سے انکو کہہ لیا اور اسی دن اسکا انتقال ہو گیا شام ہونے سے پہلے تو وہ جنتی ہے اور جس نے اس دعا کے الفاظ پر یقین رکھتے ہوئے رات میں انکو پڑھ لیا اور پھر اس کا صبح ہونے سے پہلے انتقال ہو گیا تو وہ جنتی ہے۔ (بخاری:6306)﴿7﴾ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ عزوجل تم میں سے کسی کی توبہ کرنے سے ایسا خوش ہوتا ہے جیسے کوئی اپنی گُم شدہ چیز پانے سے''۔ (ابن ماجہ:4247) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ''بے شک گناہ سے توبہ کرنے والا اس طرح ہے جیسے وہ جس نے گناہ نہیں کیا''۔ (ابن ماجہ:4250) انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''سارے آدمی گناہگار ہیں اور بہتر گناہگار وہ ہیں جو توبہ کرتے ہیں'' (ابن ماجہ:4251)

سوال4: يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ''وہ اللہ تعالیٰ کو بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا پائے گا۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنے غفور اور رحیم ہونے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے برائی کر کے اپنی جان پر ظلم کرنے والے کو اپنی مغفرت اور رحمت کا شعور دلایا ہے تا کہ وہ برائی سے توبہ کر کے بخشش مانگ کر اللہ تعالیٰ کے دامن رحمت میں پناہ لے لے۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (111)

اور جو کوئی گناہ کماتا ہے تو یقیناً وہ اسے اپنے ہی خلاف کماتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔ (111)

سوال1: وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ''اور جو کوئی گناہ کماتا ہے تو یقیناً وہ اسے اپنے ہی خلاف کماتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اِثْمًا: گناہ جو نفس کے لیے نقصان دہ اور ضیاع کا باعث ہے (ایسر التفاسیر:294) ''کسب'' کا لفظ ہر اس فعل پر بولا جاتا

ہے جس سے کوئی نفع یا نقصان حاصل ہو۔اس بناء پر اللہ تعالیٰ کی طرف کسب کی نسبت نہیں ہوسکتی۔(تفسیر فتح القدیر:655/1)اور کوئی جان نہیں کماتی (گناہ) مگر اسی پر ہے (وبال) اور کوئی بوجھ اٹھانے والی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی (الانعام:164) جس نے نیک عمل کیا تو اس کے اپنے ہی لیے ہے اور جس نے برائی کی سو اسی پر ہے اور آپ کا رب اپنے بندوں پر ہرگز ظلم کرنے والا نہیں۔(حم سجدہ:46)

سوال2: ہر کوئی اپنے کیے کا خود ذمہ دار ہے۔اس اصول کا انسان کی زندگی پر کیا اثر پڑتا ہے؟

جواب: اس اصول سے ہر انسان کے دل میں خوف بھی پیدا ہوتا ہے اور اطمینان بھی۔《1》جب خوف پیدا ہوتا ہے تو انسان اپنے اعمال کو درست کرتا ہے۔《2》انسان مطمئن ہو جاتا ہے کہ دوسروں کے جرائم میں وہ پکڑا نہیں جائے گا۔《3》انسان کی فطرت اللہ تعالیٰ کے انصاف پر مطمئن ہو جاتی ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ کی عدالت میں انسانوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور عدل کو واضح کر کے انسانوں سے کیا مطالبہ ہے؟

جواب: 《1》اگر انسان چاہیں تو دوسرے انسانوں سے ایسا ہی سلوک کر کے اچھا معاشرہ تعمیر کر سکتے ہیں۔《2》اللہ تعالیٰ کے اس اصولِ جرم وسزا سے معاشرے میں عدل قائم کیا جا سکتا ہے لیکن اس کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی مجرم سزا پانے سے بچنے نہ پائے《3》ان اصولوں کے مطابق اللہ تعالیٰ سے معاملہ کر کے انسان اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔

سوال4: وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے سب کچھ جاننے والا کمال حکمت والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے **علیم اور حکیم ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟**

جواب: 《1》اللہ تعالیٰ نے گناہوں کے بوجھ سے واقف ہونے سے اپنے علیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔《2》اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے استغفار کرنے پر اپنی حکمت کا شعور دلایا ہے کہ اگر گناہوں سے معافی کی گنجائش نہ ہوتی تو گناہوں کا بوجھ تمہیں مار ڈالتا۔《3》یعنی وہ علم کامل اور حکمت تامہ کا مالک ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا علم وحکمت ہے کہ اسے گناہ کا علم ہے، اسے یہ بھی علم ہے کہ گناہ کس سے صادر ہوا، اس گناہ کا داعیہ کیا تھا، اس گناہ پر کیا سزا مترتب ہوگی اور وہ گناہ کے مرتکب کے احوال کو بھی خوب جانتا ہے کہ اگر اس سے یہ گناہ نفسِ امارہ کے داعیہ کے غلبہ سے صادر ہوا اور وہ اپنے اکثر اوقات میں توبہ وانابت کے ذریعے سے اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ اسے بخش دے گا اور اسے توبہ کی توفیق عطا کرے گا اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی نظر کا استخفاف اور اس کے عذاب کی تحقیر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے محارم کے ارتکاب کی جرأت کی ہے تو یہ شخص

اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور توبہ کی توفیق سے بہت دور ہے۔ (تفسیر سعدی:587/1)

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓــًٔـا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا (112)

اور جو خطا یا گناہ کمائے پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگائے تو یقیناً اُس نے بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اُٹھالیا۔ (112)

سوال1: وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓــًٔـا'' اور جو خطا یا گناہ کمائے پھر اس کی تہمت کسی بے گناہ پر لگائے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: '' خَطِيْٓئَةً'' کا لفظ غیر ارادی گناہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ اور اس کے برعکس '' اثم'' وہ ہے جو ارادی طور پر کیا جائے مطلب یہ ہے کہ خود گناہ کا ارتکاب کرنے کے بعد کسی بے قصور آدمی کو اس سے ملوث کرنے کی کوشش کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔ کسی بے گناہ شخص پر تہمت لگانے کو بہتان کہا جاتا ہے۔ (قرطبی) ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓــًٔـا یہ آیتِ کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ بہتان ہلاک کرنے والے کبائر میں شمار ہوتا ہے کیونکہ اس میں متعدد مفاسد جمع ہیں: الف۔ گناہِ کبیرہ کا ارتکاب۔ ب۔ پھر اس گناہ کا بہتان اس شخص پر لگا دینا جو بے گناہ ہے۔ ج۔ پھر اپنے آپ کو بے گناہ اور بے گناہ کو گناہ گار ثابت کرنے کے لیے جھوٹ بولنا۔ د۔ پھر اس گناہ پر جو دنیاوی عقوبت مترتب ہوتی ہے وہ عقوبت ایک بے گناہ پر نافذ کرا دینا اور خود کو سزا سے بچا لینا حالانکہ وہ حقیقی مجرم ہے۔ و۔ پھر بے گناہ شخص کے بارے میں لوگوں کی باتیں اور دیگر مفاسد۔ (تفسیرِ سعدی)

سوال2: خود گناہ کر کے اس کا الزام بے گناہ پر لگانا کیسا عمل ہے؟

جواب: خود گناہ کر کہ اس کا الزام بے گناہ پر لگانا یہ عمل بہتان کہلاتا ہے جو بہت بڑا گناہ ہے۔

سوال3: بہتان لگانے کی کوئی مثال حدیثِ رسول ﷺ سے دیں؟

جواب: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ عرب کے کسی قبیلہ کی ایک کالی لونڈی تھی۔ انہوں نے اسے آزاد کر دیا تھا اور وہ انہی کے ساتھ رہتی تھی۔ اس نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ان کی ایک لڑکی (جو دلہن تھی) نہانے کو نکلی۔ اس کا کمر بند سرخ تسموں کا تھا۔ اس نے وہ کمر بند اتار کر رکھ دیا یا اس کے بدن سے گر گیا۔ پھر اس طرف سے ایک چیل گزری جہاں کمر بند پڑا تھا۔ چیل اسے (سرخ رنگ کی وجہ سے) گوشت سمجھ کر جھپٹ لے گئی بعد میں قبیلے والوں نے اسے بہت تلاش کیا لیکن کہیں نہ ملا۔ ان لوگوں نے اس کی تہمت مجھ پر لگا دی اور میری تلاشی لینی شروع کر دی یہاں تک کہ انہوں نے اس کی شرم گاہ

تک کی تلاشی لی۔اس نے بیان کیا کہ اللہ کی قسم! میں ان کے ساتھ اسی حالت میں کھڑی تھی کہ وہی چیل آئی اور اس نے ان کا وہ کمر بند گرادیا۔وہ ان کے سامنے ہی گرا۔میں نے (اسے دیکھ کر) کہا: یہی تو تھا جس کی تم مجھ پر تہمت لگاتے تھے۔تم لوگوں نے مجھ پر اس کا الزام لگایا تھا حالانکہ میں اس سے پاک تھی۔یہی تو ہے وہ کمر بند!اس (لونڈی) نے کہا کہ اس کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام لائی۔عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اس کے لیے مسجد نبوی ﷺ میں ایک بڑا خیمہ لگادیا گیا (یا یہ کہا کہ) چھوٹا سا خیمہ لگادیا گیا۔عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ وہ لونڈی میرے پاس آتی اور مجھ سے باتیں کیا کرتی تھی۔جب بھی وہ میرے پاس آتی تو یہ ضرور کہتی کہ کمر بند کا دن ہمارے رب کی عجیب نشانیوں میں سے ہے۔اسی نے مجھے کفر کے ملک سے نجات دی۔عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے کہا کہ آخر بات کیا ہے؟ جب بھی تم میرے پاس بیٹھتی ہو تو یہ بات ضرور کہتی ہو۔آپ نے بیان کیا کہ پھر اس نے مجھے یہ قصہ سنایا۔(بخاری:439)

سوال4: فَقَدِ احۡتَمَلَ بُهۡتَانًا وَّاِثۡمًا مُّبِيۡنًا ’’تو یقیناً اُس نے بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اُٹھالیا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ بہتان ہلاک کرنے والے کبائر میں شمار ہوتا ہے کیونکہ اس میں متعدد مفاسد جمع ہیں: ﴿1﴾ گناہ کبیرہ کا ارتکاب۔﴿2﴾ پھر اس گناہ کا بہتان اس شخص پر لگادے جو بے گناہ ہے۔﴿3﴾ پھر اپنے آپ کو بے گناہ اور گناہ گار کو ثابت کرنے کے لیے جھوٹ بولنا۔﴿4﴾ پھر اس گناہ پر جو دنیاوی عقوبت مترتب ہوتی ہے وہ عقوبت ایک بے گناہ پر نافذ کرادینا اور خود کو سزا سے بچالینا حالانکہ وہ حقیقی مجرم ہے۔﴿5﴾ پھر بے گناہ شخص کے بارے میں لوگوں کی باتیں اور دیگر مفاسد۔ان تمام مفاسد اور ہر ایک شر سے ہم اللہ تعالیٰ کی عافیت کا سوال کرتے ہیں۔(تفسیر سعدی:587/1)

سوال5: کسی بے گناہ پر بہتان لگانے کے جرم کو قرآنِ حکیم نے کیسے مجسم شکل میں پیش کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ بے گناہ پر الزام تھوپ کر بہتان لگانے والے نے ایک بوجھ اٹھالیا ہے بوجھ کا اٹھانا انسانی ضمیر کو بوجھل کردیتا ہے۔﴿2﴾ انسان عملی طور پر اس جرم کا بوجھ اپنے سر پر محسوس کرنے لگتا ہے۔

رکوع نمبر 14

وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ وَرَحۡمَتُهٗ لَهَمَّتۡ طَّآئِفَةٌ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّضِلُّوۡكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَضُرُّوۡنَكَ مِنۡ شَىۡءٍ ؕ وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا (113)

اور اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو اُن میں سے ایک گروہ نے آپ کو بہکانے کا ارادہ کر ہی لیا تھا۔ حالانکہ وہ اپنے سوا کسی کو گمراہ نہیں کر رہے ہیں اور آپ کو وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب وحکمت کو نازل کیا۔ اور آپ کو وہ سکھایا جو آپ جانتے نہیں تھے۔ اور آپ پر ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل ہے۔(113)

سوال1: اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت کیا تھی؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت یہ تھی کہ اس نے اپنے رسول کو وحی کے ذریعے اصل صورتِ حال سے مطلع فرما دیا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کا فضل یہ تھا کہ اس نے مسلمانوں کے کردار کو مجروح ہونے سے بچالیا کیونکہ معاملہ محض ایک مجرم کے بچ جانے کا اور بے قصور کے مجرم ٹھہرنے کا نہیں تھا۔ ﴿3﴾ امام رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ آیت دلیل ہے کہ علم سے بڑھ کر کوئی نعمت، کوئی شرف اور کوئی منقبت نہیں ہے۔ (تیسیر الرحمٰن)

سوال2: وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ " اور اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اُس کی رحمت نہ ہوتی تو اُن میں سے ایک گروہ نے آپ کو بہکانے کا ارادہ کر ہی لیا تھا" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان کا اظہار فرمایا ہے جس کی وجہ سے مسلمان منافقوں کے شر سے محفوظ رہے۔ ﴿2﴾ منافقوں کی کوشش اور سازش یہی تھی کہ وہ آپ کو غلط فہمی میں ڈال کر سیدھے راستے یعنی سچائی اور عدل کے راستے سے ہٹا دیں ﴿3﴾ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ سے مراد بنو ابیرق طعمہ کے بھائی تھے انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ آپ کو عدل کے حکم سے ہٹا دیں جب اللہ تعالیٰ کی وحی حق کو بیان کرنے کے لیے آ گئی (تفسیر منیر: 272/3)

سوال3: وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ '' حالانکہ وہ اپنے سوا کسی کو گمراہ نہیں کر رہے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ وہ اپنے سوا کسی کو گمراہ نہیں کر رہے یعنی منافق آپ کو گمراہ نہیں کر سکتے خود اپنے آپ کو گمراہی میں ڈال رہے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے حالانکہ وہ اپنی جانوں کے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دے رہے مگر وہ شعور نہیں رکھتے۔ (البقرہ:9) ﴿2﴾ حق ہی صراطِ مستقیم ہے۔ جو حق کے راستے سے ہٹتا ہے وہ کسی کا نقصان کرنے سے پہلے اپنا نقصان کرتا ہے۔

جب بھی کوئی سچائی کی راہ سے ہٹتا ہے یا دوسرے کو ہٹا تا ہے یا برائی کا ساتھ دیتا ہے تو اس کا دل گناہ میں آلودہ ہو جاتا ہے۔اس طرح سب سے پہلے وہ خود جانتے بوجھتے گمراہ ہو جاتا ہے۔﴿3﴾ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ باطل پرستوں کی حمایت کرنا گمراہی ہے۔گمراہی کی دو اقسام ہیں: الف۔علم میں گمراہی۔ یہ حق سے لاعلمی اور جہالت کا نام ہے۔ ب۔عمل میں گمراہی۔عمل واجب کے خلاف عمل کرنا۔(تفسیر سعدی:588/1)

سوال4: وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ "اور آپ کو وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا رہے "سے کس بات کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور آپ کو وہ کوئی نقصان نہیں پہنچا رہے۔'' اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ جو حق پر قائم ہے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔﴿2﴾ یعنی شیطان اور اس کے چیلوں (منافقین) کو یہ قوت نہیں دی گئی کہ وہ آپ کو دین کے کسی شعبہ میں کچھ بھی مغالطہ ڈال سکیں۔(تفسیر الماجدی:794/1)

سوال5: وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ '' اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب وحکمت کو نازل کیا'' اس سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اَلْكِتٰبَ: اس سے مراد قرآن حکیم ہے۔اَلْحِكْمَةَ: اس سے مراد سنت ہے۔(ایسر التفاسیر) ﴿2﴾ آپ پر کتاب وحکمت نازل کی ہے مراد ہے کہ قرآن وسنت دونوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہیں۔

سوال6: کتاب اور حکمت کی نعمت سے کیسے انسان کو فائدے نصیب ہوتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ کتاب وحکمت کی تعلیم سے انسان کو حق اور باطل کا فرق پتہ چل جاتا ہے۔اس طرح انسان غلطیوں سے بچ سکتا ہے۔﴿2﴾ مسلمان کتاب اور حکمت کی وجہ سے سازشی گروہوں کی آفتوں اور فتنوں سے خود کو بچا سکتے ہیں۔﴿3﴾ کتاب وحکمت کی تعلیم سے انسان کو نئی زندگی ملتی ہے۔انسان جاہلیت کی پستیوں سے اُٹھ سکتا ہے۔﴿4﴾ کتاب وحکمت کے ذریعے انسان دنیا میں برتری اور ترقی کے اونچے مقام تک پہنچ سکتا ہے۔

سوال7: کتاب وحکمت کی نعمت عطا کرنے کا ذکر کر کے اصل میں انسان سے کیا مطالبہ کیا جارہا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ مسلمان سچے دل سے اس نعمت کی قدر کریں۔﴿2﴾ مسلمان کتاب وحکمت کی تعلیم کو جانیں اور سمجھیں۔﴿3﴾ مسلمان کتاب وحکمت کے پیش کردہ اسلامی نظام حیات کو قائم کریں اور غیر مسلموں کی چالوں میں نہ آئیں۔

سوال8: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ "اور آپ کو وہ سکھایا جو آپ جانتے نہیں تھے "کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ جانتے نہیں تھے''﴿1﴾ یعنی امور دین اور شریعت سے واقف نہیں تھے۔(الاساس فی التفسیر:1180/2)﴿2﴾ وحی کے نازل ہونے سے پہلے آپ ان حقائق سے باخبر نہیں تھے جیسا کہ ارشاد فرمایا: وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے ایک رُوح وحی کی ہے۔آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے؟ اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اُسے ایک روشنی بنادیا ہے جس کے ذریعے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں۔اور یقیناً آپ سیدھی راہ کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں۔(الشوریٰ:52)﴿3﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ہم ایک بہترین قصہ آپ سے بیان کرتے ہیں اس (قرآن) کی بدولت جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور اس سے پہلے یقیناً آپ بے خبروں میں سے تھے۔(یوسف:3)﴿4﴾ وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى اور اس نے آپ کو بے خبر پایا تو ہدایت دی؟(الضحیٰ:7)﴿5﴾ پھر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی طرف وحی بھیجتا رہا، آپ ﷺ کو علم سکھاتا رہا اور آپ ﷺ کے علم کی تکمیل کرتا رہا یہاں تک کہ آپ ﷺ علم کے ایسے مقام پر فائز ہوگئے کہ اولین و آخرین وہاں تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔پس رسول اللہ ﷺ علی الاطلاق مخلوق میں سب سے زیادہ کامل تھے۔(تفسیر سعدی)

سوال9: وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ''اور آپ پر ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کا عظیم فضل ہے'' سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾ ''اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہمیشہ سے بہت بڑا ہے۔''اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنا فضل کیا۔آپ کو نبی بنایا، وحی نازل کی، ہمیشہ مدد کی جیسا کہ فرمایا: وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ يُّلْقٰۤى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ اور آپ یہ اُمید نہ رکھتے تھے کہ آپ پر کتاب اتاری جائے گی مگر آپ کے رب کی جانب سے رحمت ہے، چنانچہ آپ کافروں کے مددگار نہ بنیں۔(القصص:86)﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کا آپ پر عظیم فضل ہے جب اس نے ساری انسانیت کے لیے آپ ﷺ کو رسول بنایا، خاتم النبین بنایا، قیامت کے دن سب پر گواہ بنایا، آپ کو لوگوں سے بچایا، آپ کی امت کو امت وسط بنایا اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور اپنی امت کی جانب سے اس انعام پر شکر کریں یہاں تک کہ آپ کی امت لوگوں کے لیے نکلے اور دوسروں کے لیے اچھا نمونہ بن جائے۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کا فضل مخلوق میں سب سے زیادہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کی ہر جنس سے آپ ﷺ کو نوازا ہے جن کی تہہ تک پہنچنا ناممکن اور

ان کو شمار کرنا آسان نہیں۔(تفسیرِ سعدی)

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۭ بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا(114)

اوران کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے سوائے اس شخص کے جو کسی صدقے کا یا نیکی کا یا لوگوں کے درمیان صلح کروانے کا حکم دے۔اور جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے یہ کام کرے تو جلد ہی ہم اُسے اجرِ عظیم عطا کریں گے۔(114)

سوال1: لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ ''اوران کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے''اسلام کس قسم کے نجویٰ کی اجازت نہیں دیتا؟

جواب:﴿1﴾ جس نجویٰ میں خیر نہ ہو اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا رب العزت کا فرمان ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم آپس میں سرگوشی کرو تو گناہ کی اور زیادتی کی اور رسول کی نافرمانی کی سرگوشی نہ کرو اور نیکی اور تقویٰ کی سرگوشی کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کی طرف تمہیں جمع کیا جائے گا۔سرگوشی کرنا یقیناً شیطان کی طرف سے ہے تا کہ ان لوگوں کو وہ غم میں مبتلا کرے جو ایمان لائے،حالانکہ اللہ کے حکم کے بغیر اُنہیں ہرگز کچھ بھی نقصان پہنچانے والا نہیں پس لازم ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں۔(المجادلہ:9,10)﴿2﴾ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم تین آدمی ہو تو دو آدمی اپنے ساتھی کو چھوڑ کر آپس میں سرگوشی نہ کیا کرو کیونکہ اس سے اس کی دل آزاری ہوگی۔(مسلم:5697)

سوال2: نجویٰ کسے کہتے ہیں؟

جواب: خفیہ سرگوشیوں کو نجویٰ کہتے ہیں جو قیادت کے خلاف کی جائیں کیونکہ بھلائی اور صاف ستھری باتوں کو چھپانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

سوال3: قرآنِ کریم میں نجویٰ سے کیوں منع کیا گیا ہے؟

جواب:﴿1﴾ اس لیے کہ لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں اکثر بھلائی نہیں ہوتی۔﴿2﴾ اسلام یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی گروہ اسلامی

جماعت سے الگ ہوکر، قیادت سے علیحدہ ہوکر کوئی بات سوچے اور اس کے لیے جمع ہو۔

سوال4: اسلامی تربیت کا طریقۂ کار کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ لوگ اپنی مشکلات اور مسائل لے کر اسلامی قیادت کے پاس آئیں۔ ﴿2﴾ اگر بات ذاتی ہو تو علیحدگی میں پیش کریں تاکہ وہ بات لوگوں میں نہ پھیلے۔ ﴿3﴾ اگر بات عام ہو تو اسے اعلانیہ پوچھیں۔

سوال5: نجویٰ سے روکنے کی پالیسی میں حکمت کیا ہے؟

جواب: اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سدِ باب کیا ہے کہ اُمتِ مسلمہ میں کوئی بلاک یا گروہ نہ بن سکے۔

سوال6: اسلامی جماعت میں نجویٰ کون لوگ کرتے ہیں؟

جواب: اسلامی جماعت میں منافق نجویٰ کرتے ہیں۔

سوال7: اسلامی معاشرہ ایک کھلا معاشرہ ہے۔ نبی ﷺ کے دور میں اس کے معاملات کیسے طے پاتے تھے؟

جواب: ﴿1﴾ مسجدِ نبوی ﷺ مسلمانوں کی پارلیمنٹ تھی۔ ﴿2﴾ لوگ مسجدِ نبوی ﷺ میں باہم ملتے تھے، نماز پڑھتے تھے اور زندگی کے سارے معاملات وہاں طے کرتے تھے۔ ﴿3﴾ جنگی اَسرار و رُموز سے متعلقہ معاملات یا لوگوں کے نجی معاملات جن کو وہ سب کے سامنے نہ رکھنا چاہتے ہوں ان کو سب کے سامنے بیان نہیں کیا جاتا تھا۔

سوال8: اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوۡ مَعۡرُوۡفٍ اَوۡ اِصۡلَاحٍۭ بَيۡنَ النَّاسِ ''سوائے اس شخص کے جو کسی صدقے کا یا نیکی کا یا لوگوں کے درمیان صلح کروانے کا حکم دے''؟ اسلام کس قسم کے نجویٰ کی اجازت دیتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اِلَّا مَنۡ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ ''سوائے اس شخص کے جو کسی صدقے کا کا حکم دے'' اسلام صدقہ وخیرات کے کاموں میں مشورہ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ کچھ افراد مل کر مشورہ کریں کہ فلاں شخص کی مدد کے لیے یا فلاں کام کے لیے خرچ کرنا چاہیے اس لیے کہ اسے ضرورت ہے اور ہمیں اس کی ضروریات کا علم ہے ﴿2﴾ اَوۡ مَعۡرُوۡفٍ ''یا نیکی کا'' ام کلثوم بنت عقبہ نے خبر دی کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے سنا تھا: جھوٹا وہ نہیں ہے جو لوگوں میں باہم صلح کرانے کی کوشش کرے اور اس کے لیے کسی اچھی بات کی چغلی کھائے یا اسی سلسلہ کی اور کوئی اچھی بات کہہ دے (بخاری:2692) ﴿3﴾ اَوۡ اِصۡلَاحٍۭ بَيۡنَ النَّاسِ ''یا لوگوں کے درمیان صلح کروائے'' انسانوں کے درمیان صلح کروانے کے لیے اگر کوئی سوسائٹی بنانا چاہیں اور وہاں مشاورت کرنا چاہیں تو اسلام

ایسے نجویٰ کی اجازت دیتا ہے۔﴿4﴾ معروف کاموں میں مشاورت ہو سکتی ہے۔کسی بھی نیک کام کے لیے کوئی تنظیم بن سکتی ہے جہاں لوگ نیک کاموں میں باہم مشاورت کر کے تعاون کریں۔﴿5﴾ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم نے اللہ تعالیٰ کے اس قول کے بارے میں کہا: کہ جو اپنی سرگوشیوں میں صدقہ ،نیکی یا صلح کا معاملہ لے کر آئے گا اس سے قبول کر لیا جائے گا۔

سوال9: صدقہ کسے کہتے ہیں؟

جواب: صدقہ وہ مال جو اللہ تعالیٰ کی خوشی حاصل کرنے کے لیے اس کے نام پر دیا جائے۔حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: اگر تم میں سے کوئی آگ سے ایک کھجور کا ٹکڑا دے کر بھی بچنے کی طاقت رکھتا ہو تو کر گزرے۔(مسلم:2347)

سوال10: معروف کسے کہتے ہیں؟

جواب: معروف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اور ہر نیک کام کو کہتے ہیں۔(تفسیر قاسمی:454/5)ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: نیکی میں کسی بھی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگرچہ تو اپنے بھائی سے خندہ پیشانی سے ہی ملے (مسلم:6690) امتِ مسلمہ کی صفات میں سے اہم صفت ہے کہ وہ معروف کا حکم دیتے ہیں۔رب العزت فرماتے ہیں: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ تم بہترین اُمت ہو جسے لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے۔تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔(آل عمران:110)﴿4﴾ معروف اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے دین کو کہتے ہیں۔(الاساس فی التفسیر:1186/2)

سوال11: اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ''لوگوں کے درمیان صلح'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد مسلمانوں کے درمیان ہر قسم کے اختلافات کو دور کرنا ہے۔صلح کروانا بڑی نیکی ہے۔رب العزت کا فرمان ہے فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ سو تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے آپس کے تعلقات کی اصلاح کرو۔(الانفال:1)سیدنا ابو ایوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسے صدقے کی خبر نہ دوں جو تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔انہوں نے کہا کیوں نہیں اے اللہ کے رسول؟ فرمایا: جب لوگوں کے درمیان فساد ہو تو صلح کروا دو اور جب لوگ دور ہوں تو انہیں قریب کر دو(بخاری:11)ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان کے بدن کے (تین سو ساٹھ جوڑوں میں سے) ہر جوڑ پر ہر اس دن کا صدقہ واجب ہے جس میں سورج طلوع ہوتا ہے اور لوگوں کے درمیان

انصاف کرنا بھی ایک صدقہ ہے۔(صحیح بخاری:2707)

سوال12: وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا'' اور جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے یہ کام کرے تو جلد ہی ہم اُسے اجرِ عظیم عطا کریں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ'' اور جو یہ کام کرے'' مقاتل بن حیان نے کہا: جو صدقہ دے یا قرض دے یا لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صلح کروادے تو اللہ تعالیٰ اسے جلد ہی عظیم عطا کریں گے (الدرالمنثور:392/2)

سوال13: نیکی کا کام تو ایک ہی ہوتا ہے لیکن انجام مختلف کیوں ہو جاتا ہے؟

جواب:《1》نیکی کا کام نیتوں اور ارادوں کی وجہ سے مختلف ہو جاتا ہے۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے مالوں کی طرف نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے۔(مسلم:6543)《2》اگر مقصد اعلیٰ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول اور آخرت میں اجر پانا تو نیکی کا کام قبول کیا جاتا ہے۔《3》اور اگر کام کا مقصد یہ ہو کہ لوگوں میں اچھی شہرت ہو جائے،لوگوں میں نیک مشہور ہو جائیں تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے یہاں ملنے والا نہیں۔ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک صحابی (لاحق بن ضمیرہ) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ایک شخص جنگ میں شرکت کرتا ہے غنیمت حاصل کرنے کے لیے،ایک شخص جنگ میں شرکت کرتا ہے ناموری کے لیے،ایک شخص جنگ میں شرکت کرتا ہے تاکہ اس کی بہادری کی دھاک بیٹھ جائے تو ان میں سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں کون لڑتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اس ارادے سے جنگ میں شریک ہو، تاکہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلمہ بلند رہے،صرف وہی اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑتا ہے۔(بخاری:2810,3126,123)《4》ہر شخص کو دو راستوں میں سے ایک راستہ اپنانا ہے۔یا تو اللہ تعالیٰ کے لیے اِخلاص اور اس کی اِطاعت کا طریقہ یا ریاکاری اور دنیا کے ارادے کا طریقہ۔لوگ اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا(115)

اور جو رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی اور اہلِ ایمان کے راستے کے علاوہ کسی اور کی

پیروی کرے گا تو ہم اُس کو اُدھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرے گا اور اُسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت ہی بُری لوٹنے کی جگہ ہے(115)

سوال1: وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ ''اور جو رسول کی مخالفت کرے'' اس کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: جب قرآن کریم کا یہ حکم نازل ہوا تو رسول اکرم ﷺ ہتھیار لے کر آئے اور رفاعہ رضی اللہ عنہ کو دے دیے اور بشیر منافق مشرکوں کے ساتھ جا کر مل گیا اور سلافہ بنت سعد کے پاس جا کر اترا، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔امام حاکم فرماتے ہیں امام مسلم کی شرط کے مطابق یہ حدیث صحیح ہے۔(تفسیر ابن عباس:302,303/1)

سوال 2: وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ ''اور جو رسول کی مخالفت کرے'' رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے کیا مراد ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے مراد آپ ﷺ کے مقابلے پر آ جانا ہے۔یعنی ایک طرف اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ہوں اور دوسری طرف کوئی شخص یا گروہ ہو تو رسول کے طریقے (یعنی آپ ﷺ کی سنت) سے ہٹ کر دوسروں کا راستہ اختیار کرنا رسول اللہ ﷺ کی مخالفت ہے۔

سوال3: مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ''اس کے بعد کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی اور اہلِ ایمان کے راستے کے علاوہ کسی اور کی پیروی کرے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس کے بعد کہ اس پر ہدایت واضح ہو چکی یعنی اس نے نبی کو پہچان لیا کہ وہ دین حق اور ہدایت لے کر آئے ہیں۔(ایسر التفاسیر:296) ﴿2﴾ رب العزت نے فرمایا: اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَشَآقُّوا الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡهُدٰى ۙ لَنۡ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيۡـئًا ؕ وَسَيُحۡبِطُ اَعۡمَالَهُمۡ یقیناً جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا اور رسول کی مخالفت کی اس کے بعد کہ ہدایت ان پر واضح ہو چکی تھی وہ اللہ تعالیٰ کا ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں کریں گے اور جلد ہی اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ضائع کر دے گا۔(محمد:32) ﴿3﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ۚ وَمَنۡ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ یہ اس وجہ سے ہے کہ یقیناً انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو اللہ تعالیٰ یقیناً بہت سخت عذاب والا ہے۔(الانفال:13) ﴿4﴾ آپ ﷺ نے فرمایا: تم سب جنت میں داخل ہو گے مگر جو انکار کر دے لوگوں نے کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! کون انکار کرتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے میری تابعداری کی

وہ بہشت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی گویا اس نے انکار کیا۔(صحیح بخاری)《5》وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ مومنوں سے یہاں مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جو دین اسلام کے مطابق چلنے والے تھے اور نبی ﷺ کی سنت کی پیروی کرنے والے تھے۔سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ سے مراد صحابہ اور نبی کی اتباع کرنے والوں کا راستہ ہے۔《6》رسول اللہ کی مخالفت سے مراد آپ ﷺ کی دشمنی ہے اور ایسا کرنے والا مسلمانوں کی جماعت سے نکالا جاتا ہے اور مومنوں کے راستے کے ماسوا کسی اور راستے پر چلتا ہے جو دین اسلام نہیں کیوں کہ اس کے احکامات کو مضبوتی سے پکڑنا نہیں ہے۔(فتح القدیر:657/1)

سوال4: رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور اہلِ ایمان کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستے کی پیروی کرنا کیسا عمل ہے؟

جواب: رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور مومنوں کے راستے کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرنا دین اسلام سے خروج ہے۔

سوال5: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منہج اور طریقے سے انحراف کیسا عمل ہے؟

جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منہج سے انحراف کرنا کفر ہے۔

سوال6: رسول کی مخالفت اور غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ کا باہمی تعلق کیا ہے؟

جواب: رسول کی مخالفت اور غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ یعنی مؤمنوں کے طریقے کے علاوہ کوئی اور طریقہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔

سوال7: نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى "تو ہم اُس کو اُدھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرے گا" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اسے کفر اور گمراہی میں چھوڑ دیا جاتا ہے جو اس کے لیے دنیا میں رسوائی ہے(ایسر التفاسیر)《2》اس سے مراد یہ ہے کہ انسان پہلے خود پھرتا ہے، پھر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھیر دیا جاتا ہے۔《3》رب العزت نے فرمایا: فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ چنانچہ مجھے اور اس کو چھوڑ دو جو اس کلام کو جھٹلاتا ہے ہم ضرور انہیں آہستہ آہستہ لے جائیں گے جہاں وہ نہیں جانیں گے۔(القلم:44)《4》فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔(الصف:5)《5》وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی نگاہوں کو پھیر دیں گے جیسے پہلی بار وہ اس پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انہیں چھوڑ دیں گے وہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں گے۔(الانعام:110)《6》رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور مومنوں کے راستے کو چھوڑ کر کوئی اور راستہ اختیار کرنا

دین اسلام سے خروج ہے۔《7》نبی ﷺ اسلام پر ثابت قدمی کے لیے دعائیں مانگتے تھے۔ابن حوشب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا:ام المومنین جب رسول اللہ ﷺ کا آپ کے پاس قیام ہوتا تھا تو آپ اکثر کونسی دعا پڑھتے تھے،انہوں نے فرمایا آپ ﷺ کی اکثر دعایامقلب القلوب سےلیکر علی دینک تک ہوتی اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ۔وہ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا اللہ کے رسول آپ یہ دعا اکثر مانگتے ہیں (اس کی وجہ کیا ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا:ام سلمہ رضی اللہ عنہا!ہر آدمی کا دل اللہ تعالیٰ کی دوانگلیوں کے درمیان ہے اس نے جس(دل) کو چاہا(دین پر قائم رکھا)اور جس کو چاہا ٹیڑھا کر دیا پھر راوی معاذ نے یہ آیت تلاوت کی اے ہمارے رب تو ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر۔(جامع الترمذی:3522)

سوال8:اللہ تعالیٰ کسی کو اس کے پسندیدہ راستے کی طرف کیسے موڑتے ہیں؟

جواب:انسان زندگی میں جس راستے اور جس طریقے کو اچھا سمجھتا ہے اس کی طرف توجہ کرتا ہے،اس کے لیے کوشش کرتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی فیصلہ ہوجاتا ہے۔قرآنِ حکیم میں ہے:وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی خود اُس نے کوشش کی۔(النجم:39)

سوال9:وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ‌ ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا ''اور اُسے جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بہت ہی بُری لوٹنے کی جگہ ہے''رسول کی مخالفت اور مؤمنوں کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور راستے کی پیروی کرنے والے کا کیا انجام ہے؟

جواب:《1》رسول کی مخالفت اور مومنوں کے راستے کو چھوڑ دینے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کو چھوڑ دیا ہے۔اس کی سزا یہاں بہت بری جگہ 'جہنم' بتائی گئی ہے۔《2》مخالفت کرنے والے کو جہنم کی آگ میں جلایا جائے گا۔(ایسر التفاسیر:296)《3》وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا:جو شخص جہنم میں پہنچے گا ہمیشہ اس میں رہے گا《4》رسول ﷺ کی مخالفت حرام ہے۔(تفسیر قاسمی:5/458)

رکوع نمبر15

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰ لِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا(116)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جس کے لیے چاہے گا وہ بخش دے گا اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنائے تو بلاشبہ وہ دور کی گمراہی میں کھو چکا ہے۔(116)

سوال1: اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَيَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ ’’ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس کے علاوہ جس کے لیے چاہے گا وہ بخش دے گا‘‘ شرک نا قابل معافی جرم ہے، وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ شرک نا قابل معافی جرم ہے۔ رب العزت کا فرمان ہے: وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخۡطَفُهُ الطَّيۡرُ اَوۡ تَهۡوِىۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ مَكَانٍ سَحِيۡقٍ اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو گویا وہ آسمان سے گر گیا، پھر پرندے اسے اچک لیتے ہیں یا ہوا اسے دور دراز جگہ میں گرا دیتی ہے۔(الحج:31) ﴿2﴾ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ فرمایا: ’’یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو برابر ٹھہراؤ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہی تم کو پیدا کیا ہے‘‘۔ میں نے عرض کیا کہ ’’یہ تو واقعی سب سے بڑا گناہ ہے۔ پھر اس کے بعد کون سا گناہ بڑا ہے‘‘؟ فرمایا: ’’یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس خوف سے مار ڈالو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائیں گے۔‘‘ میں نے پوچھا: ’’اور اس کے بعد‘‘؟ فرمایا: ’’یہ کہ تم اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرو۔‘‘ (صحیح بخاری:4477) ﴿3﴾ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ جنت اور دوزخ کو واجب کرنے والی چیز کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ’’جس نے کسی کو اللہ کے ساتھ شریک نہ کیا وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرایا وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔‘‘ (مسلم:269) ﴿4﴾ جو شخص شرک کرتا ہے وہ نیکی اور بھلائی کے دائرے سے باہر نکل جاتا ہے، شرک کرنے والے کی اصلاح کی کوئی اُمید باقی نہیں رہتی، شرک کرنے والے کی فطرت بگڑ جاتی ہے۔ اس آیت میں واضح الفاظ میں بتایا گیا ہے کہ شرک نا قابلِ عفو گناہ ہے کیونکہ اس سے زیادہ گمراہ، کن جاذبِ اوہام اور کوئی عقیدہ نہیں۔ فطرتِ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اتنا پاکیزہ اور بلند پیدا کیا ہے کہ وہ کسی طرح بھی شرک جیسی ذلت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ (تفسیر سراج البیان:1/229) ﴿5﴾ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ رب العزت نے فرمایا: وَاِذۡ قَالَ لُقۡمٰنُ لِابۡنِهٖ وَهُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَىَّ لَا تُشۡرِكۡ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيۡمٌ اور جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ اس کو نصیحت کر رہا تھا، اے میرے چھوٹے بیٹے! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، بلاشبہ شرک یقیناً بہت بڑا ظلم ہے۔ (لقمان:13) ﴿6﴾ انسان میں سب سے بڑا عیب یہی ہے کہ وہ اپنے بڑوں کی بے ادبی کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بڑا کون ہو سکتا ہے اور شرک اس کی شان میں بے ادبی ہے۔ ﴿7﴾ اللہ تعالیٰ شرک سے بیزار ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ’’میں شریکوں میں سب سے زیادہ شرک سے بے پرواہ ہوں۔ جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے ساتھ غیر کو شریک کیا تو میں اس کو اور اس کے

شریک کو چھوڑ دیتا ہوں۔'' (مسلم:7475)

سوال 2: وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ '' اور اس کے علاوہ جس کے لیے چاہے گا وہ بخش دے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: '' اور اس کے علاوہ جس کے لیے چاہے گا وہ بخش دے گا'' اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ اس شخص کو کبھی نہیں بخشے گا جس نے مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا اس کے علاوہ اگر اس نے چاہا اور اس کی حکمت مقتضی ہوئی تو وہ تمام چھوٹے بڑے گناہ بخش دے گا۔ شرک سے کمتر گناہوں کی مغفرت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سے اسباب مقرر فرمائے ہیں مثلاً برائیوں کو مٹانے والی نیکیاں، دنیا اور برزخ میں نیز قیامت کے روز گناہوں کا کفارہ بننے والے مصائب، اہل ایمان کی ایک دوسرے کے لیے مغفرت کی دعائیں، شفاعت اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت جس کے سب سے زیادہ مستحق اہل ایمان و توحید ہیں۔ جب کہ شرک کا معاملہ اس کے برعکس ہے مشرک نے خود اپنے لیے مغفرت کا دروازہ بند کر لیا اس نے خود اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی راہیں مسدود کر لیں۔ توحید کے بغیر نیکیاں اسے کوئی نفع نہ دیں گی اور توحید کے بغیر مصائب اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ (تفسیر سعدی:525/1)

سوال 3: وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا '' اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنائے تو بلاشبہ وہ دور کی گمراہی میں کھو چکا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرایا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔ جس نے شرک کیا اس کی فطرت بگڑ گئی۔ اگر اس کی فطرت میں کوئی نیکی کا عنصر ہوتا تو وہ ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتہ جوڑ لیتا لیکن ایسے شخص نے سارے رشتے توڑ دیئے۔

سوال 4: اگر کوئی موت سے چند منٹ پہلے شرک سے توبہ کرے تو کیا وہ جہنم سے نجات پا سکتا ہے؟

جواب: جب تک حالتِ نزع طاری نہیں ہوتی توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: '' اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ تب تک قبول کرتے ہیں جب تک کہ غرغرہ نہ لگے۔'' (ترمذی:3537)

سوال 5: مشرک کا کیا انجام ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں داخل کریں گے۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا (117)

وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہیں پکارتے مگر عورتوں کو اور وہ سرکش شیطان کے سوا کسی کو نہیں پکارتے۔(117)

سوال1: اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ’’ وہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ نہیں پکارتے مگر عورتوں کو‘‘ اِنٰثًا (عورتوں) سے کیا مراد ہے؟

جواب:《1》اِنٰثًا سے بے جان چیزیں مراد ہیں پتھر مٹی وغیرہ۔(بخاری کتاب التفسیر)《2》ابن زید نے کہا: اس سے مراد ان کے معبود ہیں لات، عزی، اساف اور نائلہ وہ سب عورتیں تھیں جنہیں وہ اللہ کے ماسوا پکارتے تھے۔(تفسیر جامع البیان:5/324) 《3》ضحاک نے کہا: ملائکہ کے بارے میں وہ یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں (تفسیر جامع البیان:5/325)《4》 قرآن حکیم میں مشرکوں کے بارے میں فرمایا اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ لَیُسَمُّوۡنَ الۡمَلٰٓئِکَۃَ تَسۡمِیَۃَ الۡاُنۡثٰی یقیناً جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، بلاشبہ وہ فرشتوں کے عورتوں کے سے نام رکھتے ہیں۔(النجم:27) وَ جَعَلُوا الۡمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عِبٰدُ الرَّحۡمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَہِدُوۡا خَلۡقَہُمۡ ؕ سَتُکۡتَبُ شَہَادَتُہُمۡ وَ یُسۡـَٔلُوۡنَ اور انہوں نے فرشتوں کو، جو رحمٰن کے بندے ہیں، عورتیں بنا دیا؟ کیا ان کی پیدائش کے وقت وہ موجود تھے؟ ضرور ہی ان کی گواہی لکھی جائے گی اور ان سے پوچھا جائے گا۔(الزخرف:19)

سوال2: کیا شرک کے لیے اِنٰثًا (عورتوں) کو زیادہ اہمیت حاصل رہی ہے؟

جواب: مشرکانہ مذاہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ دیویوں کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل رہی ہے۔ چین، ہندوستان، عرب، مصر، بابل اور نینوا وغیرہ میں دیویوں کو زیادہ اہمیت حاصل رہی ہے۔

سوال3: دیویوں کی اہمیت کی وجہ کیا تھی؟

جواب:《1》زندگی کی اصل ضرورتوں کا تعلق دیویوں سے سمجھا جاتا تھا۔《2》عربوں میں بھی خدائی کے کام میں دیویوں کا قبضہ سمجھا جاتا تھا مثلاً لات، منات، عزیٰ وغیرہ۔《3》مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی لاڈلی بیٹیاں ہیں اور ان کی بات اللہ تعالیٰ کبھی رَدّ نہیں کرتے۔ اگر یہ راضی ہوں تو ان کے واسطے سے جو کچھ مانگا جائے ملتا ہے۔

سوال4: عربوں میں کون کون سی شرکیہ رسومات جاری تھیں؟

جواب《1》ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔《2》جانوروں کو ان دیویوں کے نام پر نذر کرتے تھے۔《3》شیطان کی پوجا کرتے تھے۔

سوال5: عرب میں فرشتوں کی پوجا کیسے شروع ہوئی؟

جواب:﴿1﴾ ابتداء میں لوگ صرف یہ سمجھتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔﴿2﴾ اس کے بعد وہ فرشتوں کی مورتیاں بنانے لگے۔﴿3﴾ مورتیوں کے نام رکھے گئے مثلاً لات، منات، عزّیٰ وغیرہ۔﴿4﴾ مورتیوں کی پوجا شروع ہوگئی۔﴿5﴾ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قربت کا ذریعہ بنالیا گیا۔﴿6﴾ فرشتوں کی بذاتِ خود پوجا کرنے لگے۔

سوال6: وَاِنۡ يَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَيۡطٰنًا مَّرِيۡدًا ’’اور وہ سرکش شیطان کے سوا کسی کو نہیں پکارتے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ مَّرِيۡدًا کا معنی ہے شریر (بخاری کتاب التفسیر)﴿2﴾ شَيۡطٰنًا مَّرِيۡدًا کا مطلب ہے شریر شیطان۔﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ وہ عورتوں کی عبادت نہیں کرتے بلکہ شیطان کے پجاری ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر: 368/369)

سوال7: باغی شیطان کو کیسے معبود بنایا جاتا ہے؟

جواب: فرشتوں، بتوں اور دیگر بزرگ ہستیوں کی عبادت شیطان کی عبادت ہے کیونکہ شیطان ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روک کر انسانوں کو ان کے آستانوں پر جھکاتا ہے۔ اس طرح انسان شیطان کو معبود بناتا ہے۔ شیطان انسان کا پہلا اور سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ میں اللہ کے بندوں کو توحید سے ہٹا کر شرک میں مبتلا کردوں گا۔ سو شرک کہیں بھی پایا جاتا ہے، پیچھے کروانے والا شیطان ہے۔ اسی وجہ سے ہر دُعا، اِلتجا اور ہر عبادت جو کہیں بھی غیر اللہ کے لیے کی جارہی ہو وہ شیطان کے لیے ہوتی ہے۔

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنۡ عِبَادِكَ نَصِيۡبًا مَّفۡرُوۡضًا (118)

اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کی ہے۔ اور اس نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ حصہ ضرور لےلوں گا۔(118)

سوال1: لَّعَنَهُ اللّٰهُ ’’اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کی ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ’’اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کی ہے‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اپنی رحمت اور فضل سے دور کردیا ہے۔

سوال2: اللہ تعالیٰ نے شیطان پر لعنت کیوں بھیجی ہے؟

جواب:﴿1﴾ شیطان نے یہ دھمکی دی تھی کہ وہ انسانوں کے ایک بڑے حصے کو گمراہ کرکے رہے گا۔﴿2﴾ انہیں جھوٹی تمناؤں اور جھوٹی خواہشات کے چکر میں ڈالے گا۔﴿3﴾ انہیں لذتوں کے حصول میں گم کردے گا۔﴿4﴾ انہیں دنیا کی کامیابیوں کے پیچھے دیوانہ کردے گا۔﴿5﴾ انہیں آخرت کی خوش فہمیوں میں مبتلا کردے گا۔

سوال3: وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ’’ اوراس نے کہا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقررہ حصہ ضرور لے لوں گا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ شیطان نے بیڑا اٹھایا ہے کہ میں انسان کو برابر بہکا تا رہوں گا اور حق سے ہٹا تا رہوں گا۔(مختصرابن کثیر:1369/)
﴿2﴾ مقررہ حصہ سے مراد نذرونیاز بھی ہوسکتی ہے جنہیں شرک کرنے والے قبروں میں دفن شدہ لوگوں کے نام پر نکالتے ہیں۔
﴿3﴾ اس سے مراد وہ لوگ بھی ہوسکتے ہیں جنہیں شیطان گمراہ کرکے اپنے ساتھ جہنم لے جائے گا۔﴿4﴾ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰىكُمْ بِالْبَنِيْنَ ۝ وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ کیا اس نے اپنے لیے بیٹیاں بنائی ہیں اس میں سے جو وہ پیدا کرتا ہے اور تمہیں بیٹوں کے لیے چن لیا ہے؟ اور جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی خوشخبری دی جائے جس کی اس نے رحمٰن کے لیے مثال بیان کی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ غم سے بھرا ہوتا ہے۔(الزخرف:16،17)﴿5﴾ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا اس نے کہا: کیا تو نے دیکھا یہ شخص جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے؟ یقیناً اگر تو مجھے قیامت کے دن تک مہلت دے گا تو بہت تھوڑے لوگوں کے سوا اس کی پوری نسل کو ہر صورت جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا۔(بنی اسرائیل:62)﴿6﴾ وَ لَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور بلاشبہ یقیناً ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچ کر دکھایا، تو اہل ایمان کے ایک گروہ کے سوا ان سب نے اس کا پیچھا کیا۔(سبا:20)﴿7﴾ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ اس نے کہا: اے میرے رب! اس وجہ سے کہ تو نے مجھے بہکایا ہے، میں زمین میں ضرور ان کے لیے (گناہ) مزین کروں گا اور میں ان سب کو ضرور بہکاؤں گا۔ مگر ان میں وہ بندے جو خالص کیے ہوئے ہیں۔(الحجر:39,40)

وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا(119)

اور میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا اور میں ضرور انہیں جھوٹی اُمیدیں دِلاتا رہوں گا اور میں ضرور انہیں حکم دوں گا، سو وہ میرے حکم سے جانوروں کے کان چیریں گے اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا سو وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی صورت کو ضرور بدلیں

گے۔اور جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ شیطان کو دوست بناتا ہے تو بلاشبہ اس نے خسارہ اٹھایا، واضح خسارہ۔(119)

سوال1: وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ''اور میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا اور میں ضرور انہیں جھوٹی اُمیدیں دِلاتا رہوں گا۔اور میں ضرور انہیں حکم دوں گا، سو وہ میرے حکم سے جانوروں کے کان چیریں گے۔اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا سو وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی صورت کو ضرور بدلیں گے'' اللہ تعالیٰ نے شیطان کے طریقۂ واردات کے بارے میں کیا واضح فرمایا ہے؟

جواب: شیطان کے طریقہ واردات کے بارے میں چار باتیں واضح کی گئی ہیں۔《1》وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ ''اور میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا'' الاضلال: گمراہ کرنا یعنی انسانوں کو صحیح عقائد سے پھیر دینا۔ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے اور تمہارے دل میں پہلے تو یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ فلاں چیز کس نے پیدا کی؟ اور آخر میں بات یہاں تک پہنچاتا ہے کہ خود تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ جب کسی شخص کو ایسا وسوسہ ڈالے تو اسے چاہیے کہ اللہ سے پناہ مانگے اور شیطانی خیال کو چھوڑ دے۔(صحیح بخاری:3276)《2》وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ ''اور میں ضرور انہیں جھوٹی اُمیدیں دلاتا رہوں گا'' امانی: جھوٹی اور باطل امیدوں کو دل میں مزین کرنا انسان کی اہم خواہشات میں سے ہے جیسے لمبی عمر پانا اور لازوال بادشاہت حاصل کرنا۔اسی سے اس نے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو پھسلایا تھا فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى پس شیطان نے اس کے دل میں وسوسہ ڈالا، اُس نے کہا: اے آدم! کیا میں تمہیں دائمی زندگی کا درخت نہ بتاؤں اور ایسی بادشاہت جو پرانی نہ ہو؟(طٰہ:120)《3》وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ ''اور میں ضرور انہیں حکم دوں گا، سو وہ میرے حکم سے جانوروں کے کان چیریں گے'' جیسا کہ اہل عرب کیا کرتے تھے کہ جب کوئی اونٹنی دس بچے جن لیتی یا جس اونٹ کے نطفہ سے دس بچے پیدا ہو چکتے تو اسے اپنے دیوتا کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور اس سے کام لینا حرام سمجھتے تھے۔اور علامت کے طور پر اس کے کان چیر دیتے تھے۔(تفسیر تیسیر القرآن:464/1)《4》وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ''اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا سو وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی صورت کو ضرور بدلیں گے'' حافظ سیوطی نے ''الاکلیل'' میں لکھا ہے کہ یہ آیت خصی کرنے، گدوانے، اضافی بال جوڑنے، دانتوں کے درمیان فاصلہ پیدا کرنے اور چہرے کے بال اکھاڑنے کی حرمت پر دلیل ہے۔《5》عورتوں کو بانجھ بنانا، مردوں کی نس بندی کرنا۔《6》مردوں کا داڑھی منڈوانا، سر پر مصنوعی بال لگوانا، دانت باریک کروانا۔《7》عورتوں کو فطری فرائض سے ہٹا کر انہیں مردوں کی صف میں لا کھڑا کرنا۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ خَلْقَ اللّٰہِ سے مراد انسان کا چہرہ، صورت اور صفت ہے، اور آزاد کردہ نر اونٹ کی آنکھ پھوڑ دینا، غلاموں کو خصی کرنا، گدوانا اور گال پر زینت کے لیے نشان بنوانا، لواطت، سحاق (دو عورتوں کا آپس میں جنسی خواہش پوری کرنا) شمس وقمر کی عبادت، اسلام میں تبدیلی لانا، اور اعضاء و جوارح کو غیر مفید کاموں میں استعمال کرنا جس سے انسان کو کوئی فائدہ نہ ہو، یہ سبھی صورتیں اس آیت کے ضمن میں آتی ہیں۔ (تیسیر الرحمٰن:296)

سوال 2: وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ ’’اور میں ضرور انہیں گمراہ کروں گا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ شیطان کا قول ہے کہ میں انہیں ضرور بہکاؤں گا۔ بہکانے سے مراد گمراہ کرنا ہے۔ شیطان باطل عقیدوں اور جھوٹی آرزوؤں کے ذریعے انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ ﴿2﴾ اضلال کہتے ہیں ہدایت کے راستے سے گمراہی کے راستے پر لے جانا۔ (فتح القدیر:659/1) ﴿4﴾ قرآنِ حکیم میں ابلیس کا قول بیان کیا گیا ہے: قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ابلیس نے کہا: پھر اس وجہ سے کہ آپ نے مجھے گمراہ کیا ہے یقیناً میں ان کے لیے آپ کے سیدھے راستے میں ضرور بیٹھوں گا۔ (الاعراف:16) انسان رب سے دعائیں کرتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہمیں سیدھے راستے پر چلا۔ (الفاتحہ:6) لیکن سیدھے راستے سے روکنے کے لیے شکاری بیٹھا ہے۔ اس نے اپنے پھندے لگا رکھے ہیں، اپنے جال پھیلا رکھے ہیں، اپنے مورچے لگا رکھے ہیں۔ وہ خواہشات کے جال میں اُلجھاتا ہے، جھوٹی اُمیدوں سے فریب دیتا ہے، باطل عقیدوں کو خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے جس کی وجہ سے انسان سیدھے راستے کو گم کر بیٹھتا ہے۔

سوال 3: وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ ’’میں ضرور انہیں جھوٹی اُمیدیں دِلاتا رہوں گا‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ امانی سے مراد شیطان کی دلائی ہوئی جھوٹی امیدیں ہیں (فتح القدیر:659/1) ﴿2﴾ شیطان انسان کے دل میں جھوٹی امیدیں پیدا کرتا ہے کہ گناہ کرتے رہو اللہ غفور و رحیم ہے۔ ابھی عمر پڑی ہے توبہ کر لیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سارے انسانوں کو جہنم کے لیے تو پیدا نہیں کیا۔ محمد رسول اللہ ﷺ کے اُمتیوں کی شفاعت ہو جائے گی۔ اس قسم کے خیالات اور گمان باطل اُمیدوں میں شامل ہیں۔

سوال 4: باطل اُمیدیں کیسے پیدا ہوتی ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ باطل اُمیدیں شیطان کے وسوسوں سے پیدا ہوتی ہیں جو انسان کی گمراہی کا سبب بنتی ہیں۔ ﴿2﴾ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ ’’میں ضرور انہیں جھوٹی اُمیدیں دِلاتا رہوں گا۔‘‘ یعنی میں ان کو گمراہ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ امیدیں بھی دلاتا رہوں گا کہ انہیں وہ سب

کچھ حاصل ہوگا جو ہدایت یافتہ کو حاصل ہوتا ہے اور یہ عین فریب ہے۔پس اس نے انہیں مجرد گمراہ کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے اس گمراہی کو ان کے سامنے آراستہ کیا جس میں وہ مبتلا ہوئے اور یہ ان کی برائی میں مزید اضافہ ہے کہ انہوں نے اہل جہنم کے اعمال کیے جو عذاب کے موجب ہیں اور سمجھتے رہے کہ یہ اعمال انہیں جنت میں لے جائیں گے (تفسیر سعدی:595/1) شیطان ان خواہشات کے راستے انسان کے اندر داخل ہو جاتا ہے پھر انسان کو بھلا دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کیا حکم دے رکھا ہے؟

سوال5: شیطان جھوٹی اور باطل اُمیدیں کیوں دلاتا ہے؟

جواب:《1》شیطان انسان کو گمراہ کرنے کے لیے اُسے جھوٹی اور باطل اُمیدیں دِلاتا ہے۔《2》رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جوں جوں آدمی بوڑھا ہوتا جاتا ہے اس کی حرص اور خواہشیں جواں ہوتی رہتی ہیں اور یہی دو باتیں تمام گناہوں کا سرچشمہ ہیں ۔ (تفسیر تیسیر القرآن:465/1)

سوال6: وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ ''اور میں ضرور انہیں حکم دوں گا، سو وہ میرے حکم سے جانوروں کے کان چیریں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》عربی میں امر کا لفظ حکم دینے، مشورہ دینے اور سمجھانے کے معنوں میں آتا ہے۔《2》شیطان یہ مشورے اپنے ساتھیوں کی وساطت سے دیتا ہے۔شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے اور انسان سمجھتا ہے کہ کیا کمال بات سوجھی ہے! کیا کمال راستہ نظر آیا ہے! اور یوں شیطان کا کام ہو جاتا ہے۔《3》شیطان کے ایجنٹ اگر زور آور ہوں تو انکے ہاتھوں وہ قانون بھی بنواتا ہے اور اس کو نافذ بھی کرواتا ہے۔《4》مشرکین مختلف اَدوار میں اپنے خاص خاص جانوروں کے کان چیر کر اُنہیں اپنے جھوٹے معبودوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔کان چیرنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ کوئی ان جانوروں سے فائدہ نہ اٹھائے۔《5》گمراہی کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرانے اور حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرانے کی متقاضی ہے اور اسی میں فاسد اعتقادات اور ظلم وجور پر مبنی احکامات بھی شامل ہیں جو بڑی گمراہیوں میں سے ہیں۔(تفسیر سعدی:596/1)

سوال7 وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ''اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا سو وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی صورت کو ضرور بدلیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''اور میں ان کو ضرور حکم دوں گا سو وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی صورت کو ضرور بدلیں گے'' اس سے مراد اس فطرت کو بدلنا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوقات کو پیدا کیا ہے مثلاً عقیدہ توحید جو کہ انسان کی فطرت میں ہے لیکن شیطان

اوراس کے ایجنٹوں نے اس عقیدے کوخراب کیا۔《2》شیطان کا یہ کام باطنی تخلیق کی تبدیلی کو بھی شامل ہے۔اللہ تعالیٰ نے بندوں کوحنیف بنا کراچھی فطرت پر پیدا کیا ہے،ان میں قبول حق اورحق کوترجیح دینے والوں کی فطرت تخلیق کی۔شیاطین آئے اورانھوں نے ان کواس خوبصورت تخلیق سے ہٹا دیا اورشر،شرک،کفر،فسق اورمعصیت کوان کے سامنے آراستہ کردیا،حالانکہ پیدا ہونے والا ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے مگراس کے والدین اس کو یہودی،نصرانی یا مجوسی وغیرہ بنادیتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کوجس فطرت پر پیدا کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید،اس کی محبت اوراس کی معرفت،وہ اس فطرت کوبدل ڈالتے ہیں۔اس مقام پرشیاطین بندوں کواسی طرح شکارکرتے ہیں جس طرح درندے اوربھیڑیئے ریوڑ سے الگ ہونے والی بھیڑوں،بکریوں کو پھاڑ کھاتے ہیں۔(تفسیر سعدی:596/1)اللہ رب العزت نے فرمایا:فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ چنانچہ آپ یکسو ہوکراپنا رخ دین پر قائم رکھیں،اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے جس پراُس نے لوگوں کو پیدا کیا اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں،یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثرلوگ نہیں جانتے۔(الروم:30)《3》اس تبدیلی سے مرادفطرت میں تبدیلی بھی ہے جیسے مردوں کی نَس بندی کی جاتی ہے اورعورتوں کے آپریشن کرکے انہیں بے اولاد بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔《4》اس سے مرادحلال وحرام کے احکامات میں تبدیلی بھی ہے۔《5》اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تبدیلی جانوروں کے کان کاٹنے،چیرنے،سوراخ کرنے وغیرہ سے ہوتی ہے۔《6》تفسیرابنِ کثیرمیں وضاحت کی گئی ہے کہ ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں چہرے پرگودنا اورگودوانا۔ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا:''اللہ تعالیٰ بدن گودنے والیوں اورگدوانے والیوں اورپلکوں کے بال اُکھڑوانے والیوں اورخوب صورتی کے لیے دانتوں کے درمیان فاصلہ کرنے والیوں پرجو اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی صورت میں تبدیلی کرتی ہیں لعنت فرمائی ہے۔''(بخاری:5931)
《7》نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھراس کے ماں باپ اسے یہودی،عیسائی یا مجوسی بنادیتے ہیں جس طرح جانورصحیح کانوں کا پیدا ہوتا ہے۔کیا کبھی کسی نے جانورکا بچہ چیرے ہوئے کان والا دیکھا ہے؟(بخاری،مسلم)

سوال8:وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا''اورجو اللہ تعالیٰ کےعلاوہ شیطان کودوست بناتا ہے توبلاشبہ اس نے خسارہ اٹھایا،واضح خسارہ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》جس نے شیطان کودوست بنایا وہ واضح خسارے میں ہے۔شیطان کودوست بنانے سے مراد اسے اپنے معاملات سونپ دینا،اسے امام بنانا اوراس کی پیروی کرنا ہے۔(تفسیر منیر:287/3)《2》فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا''توبلاشبہ اس نے خسارہ

اٹھایا‘‘اس نے اپنے نفس کے حق میں کمی کی،اسے غبن کیا،اس نے اللہ تعالیٰ کا حق شیطان کو دے دیا(قرطبی:271/3)﴿3﴾عظیم خسارہ یہ ہے کہ قرآن کی ہدایت چھوڑ کر شیطان کے اسالیب اور طریقوں کی پیروی کی۔(تفسیر منیر:287/3)

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا(120)

وہ اُنہیں وعدے دیتا ہے اور انہیں جھوٹی اُمیدیں دلاتا ہے اور شیطان ان کو دھوکے کے سوا کوئی وعدہ نہیں دیتا۔(120)

سوال1:يَعِدُهُمْ ’’وہ اُنہیں وعدے دیتا ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾’’وہ اُنہیں وعدے دیتا ہے‘‘ان کو جھوٹی اُمیدیں دلاتا ہے،شیطان انسانوں کے سامنے سبز باغ پیش کرتا ہے۔ وہ جس طرف لے جانا چاہتا ہے اُس کے لیے کسی کو لُطف اُٹھانے لذت حاصل کرنے کے وعدے دیتا ہے اور کسی کو کامیابی کے وعدے دیتا ہے۔﴿2﴾جب لوگ فی سبیل اللہ خرچ کرنے لگتے ہیں تو انہیں فقیر ہو جانے کا وعدہ دیتا ہے۔وہ دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خرچ کرو گے تو مال ختم ہو جائے گا یا کم ہو جائے گا اور تم فقیر بن کر ذلیل ہو جاؤ گے۔جب کوئی جوا کھیلتا ہے تو اسے مالدار ہونے کا وعدہ دیتا ہے۔(تفسیر منیر:318/2)﴿3﴾شیطان کے وعدے جھوٹے ہیں یہ ایک سچی خبر ہے جس میں کوئی شک نہیں۔شیطان اپنے دوستوں سے جھوٹے وعدے کرتا ہے انہیں بے کار آرزوئیں دلاتا ہے کہ تم دنیا و آخرت میں کامیاب رہو گے۔اسی وجہ سے فرمایا کہ شیطان انہیں دھوکہ دیتا ہے اور وہ اس دھوکے میں اپنے عمل کو نیک سمجھنے لگتے ہیں جیسا کہ حق تعالیٰ نے قیامت کے دن کے بارے میں خبر دی ہے۔وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۖ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۖ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۖ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اور شیطان کہے گا،جب کام کا فیصلہ کر دیا جائے گا بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا،وہ سچا وعدہ تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا سو میں نے تم سے خلاف ورزی کی اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں بلایا تو تم نے میرا کہا مان لیا،چنانچہ مجھے ملامت نہ کرو اور خود ہی کو ملامت کرو میں تمہاری فریادرسی کرنے والا نہیں ہوں اور تم میری فریادرسی کرنے والے نہیں ہو،یقیناً میں بالکل انکار کرتا ہوں کہ اس سے پہلے تم نے مجھے شریک بنایا تھا،ظالموں کے لیے یقیناً دردناک عذاب ہے۔(ابراہیم:22)شیطان کہے گا میرے وعدے جھوٹے تھے میرا تم پر کوئی زور نہیں تھا البتہ میں نے تمہیں دعوت دی تھی،تم نے میری دعوت قبول کر لی۔مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنی جانوں کو

ملامت کرو۔ نہ میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں اور نہ تم میری۔ (مختصر ابن کثیر:370/1)

سوال2: وَيُمَنِّيْهِمْ 'اورانہیں جھوٹی اُمیدیں دلاتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' اور انہیں جھوٹی اُمیدیں دلاتا ہے'' شیطان کسی کو کامیابی کی اُمید دلاتا ہے اور کسی کو نافرمانی کے اعمال پر بھی آخرت کی کامیابیوں کا یقین دِلاتا ہے۔ کسی کو یہ تسلی دِلاتا ہے کہ آخرت میں کسی کے سہارے بچ نکلو گے۔

سوال3: وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا '' اور شیطان ان کو دھوکے کے سوا کوئی وعدہ نہیں دیتا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: شیطان کا وعدہ محض فریب ہے۔ وہ انسان کے لیے جال بچھاتا ہے، اسے آہستہ آہستہ اس جال میں پھانستا ہے۔ اس جال میں وہ لوگ پھنس جاتے ہیں جن کی فطرت بدل گئی ہو، جو یہ نہیں سوچتے کہ انہیں کس راستے پر چلایا جارہا ہے اور کس دھوکے میں انہیں مبتلا کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کے دھوکے کے بارے میں آگاہ کیا ہے يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۥ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۝ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ اے لوگو! یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے تو دنیا کی زندگی تمہیں دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ ہی وہ بڑا دھوکے باز اللہ تعالیٰ کے متعلق تمہیں دھوکے میں ڈالے۔ (5) یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم دشمن بنالو اُسے یقیناً وہ اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے تا کہ وہ بھڑکتی ہوئی آگ والوں میں سے ہوجائیں۔ (فاطر:5,6)

سوال4: شیطان کے پھندے میں کون پھنستا ہے؟

جواب:《1》جس کی فطرت بدل جائے۔《2》جس کے اندر بھلائی قبول کرنے کا مادّہ کمزور پڑ جائے۔

سوال5: شیطان کے پھندے سے کون بچ جاتا ہے؟

جواب:《1》جو صحیح ایمان لے آئے۔《2》جو یہ جان لے کہ شیطان دشمن ہے اور اس کی چالوں سے غافل نہ ہو۔《3》جس کا عقیدہ پختہ ہو《4》جو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتا ہو۔《5》جو شیطان کے پھندے سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پارٹی میں شامل ہوجائے۔

سوال6: شیطان کب تک مُخلص بندوں کے ساتھ مقابلے میں کمزور رہتا ہے؟

جواب:《1》جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی رسی (قرآنِ حکیم) کو مضبوطی سے تھامے رکھیں۔《2》جب تک وہ اِنفرادی اور

اجتماعی سطح پر کوششیں کرتے رہیں۔﴿3﴾ جب تک وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے کوششیں کرتے رہیں۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا(121)

یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ اس سے بھاگنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے۔(121)

سوال1: اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ''یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ جہنم ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تنبیہ کی ہے جو شیطان کے وعدوں اور اس کی دلائی ہوئی امیدوں کو سچا سمجھ رہے ہیں کہ قیامت کے دن ان کا ٹھکانہ اور انجام جہنم ہے جس سے انہیں بھاگنے اور چھپنے کی جگہ نہیں ملے گی اور نہ وہ اس سے رہائی اور نجات پا سکتے ہیں۔(مختصر ابن کثیر:370/1)

سوال2: وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ''اور وہ اس سے بھاگنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ شیطان کے وعدوں کو سچا سمجھنے والے کل جب رب العزت کے حضور پہنچیں گے تو جہنم سے فرار کا وہ کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔﴿2﴾ جہنم کی ہولناکیوں کا شعوری احساس دِلا کر انسان کی سوچ کا رخ جنت کی طرف موڑا گیا ہے۔اسی لیے ربّ العزت نے ارشاد فرمایا: اِسْتَجِيْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَاٍ يَّوْمَئِذٍ وَّمَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِيْرٍ ''اپنے رب کی پکار پر لبیک کہو قبل اس سے کہ وہ دن آئے جس کے اللہ تعالیٰ سے ٹلنے کی کوئی صورت نہیں۔اُس دن تمہارے لیے نہ کوئی جائے پناہ ہوگی اور نہ ہی انکار کی کوئی صورت ہوگی''(الشوریٰ:47)

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا(122)

اور وہ جو ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، انہیں ہم بہت جلد جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، ہمیشہ ہمیشہ۔اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے۔اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون بات میں سچا ہے؟(122)

سوال1: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ''اور وہ جو ایمان لائے ہیں

اورانہوں نے نیک عمل کیے ہیں، انہیں ہم بہت جلد جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں، ہمیشہ ہمیشہ'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول کوسچا کہا۔《2》وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یعنی جنہوں نے اطاعت کی کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کی ہر اطاعت عمل صالح ہے(ایسرالتفاسیر:279)《3》سعادت مندوں اور پرہیز گاروں کی عزت وکمال اور احترام کا ذکر ہے جن لوگوں کے دلوں نے تصدیق کی ،اعضاء نے اللہ کے حکم کے مطابق کام کیے، برے کاموں سے رکے رہے، ہم انہیں جنتوں میں داخل کریں گے وہ جہاں چاہیں گے چلیں پھریں گے،کھائیں پیئیں گے،موج اڑائیں گے،نہ فنا ہے،نہ انتقال مکانی کا ڈر۔یہ اللہ کا وعدہ ہے۔(مختصرابن کثیر:370/1)

سوال2:ایمان اورعملِ صالح کرنے والوں کے لیے کیا خوش خبریاں ہیں؟

جواب:《1》ایسی جنتوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔《2》وہاں ہمیشہ کی زندگی ملے گی،لازوال نعمتیں ہوں گی۔

سوال3:وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا''اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے ''کی وضاحت کریں؟

جواب:اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے،انصاف پر مبنی ہے، ہر ایک کو اس کے کیے کا بدلہ ملے گا۔اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

سوال4:وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا''اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون بات میں سچا ہے ''کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہوسکتی ہے سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے خطبے میں ارشادفرماتے:فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَخَيْرُ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ ''بے شک ہر بات سے بہتر اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور سب سے بہتر محمد ﷺ کا راستہ ہے۔''(مسلم:2005)《2》اللہ سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہوسکتی ہے۔اس سے مراد خبر ہے لا الہ الا ھو اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کے سوا کوئی رب نہیں(تفسیر منیر:288/3)

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا(123)

نہ تمہاری تمناؤں پر(مدار)ہے اور نہ اہلِ کتاب کی تمناؤں پر، جو کوئی بھی بُرا عمل کرے گا اُسے اُس کی سزا دی جائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست پائے گا اور نہ کوئی مددگار۔(123)

سوال1: لَيۡسَ بِاَمَانِيِّكُمۡ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ "نہ تمہاری تمناؤں پر (مدار) ہے اور نہ اہلِ کتاب کی تمناؤں پر" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اس آیت میں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ دین آرزوؤں اور تمناؤں کا نام نہیں بلکہ دین تو پختہ عقیدے کا دلوں کے اندر رچ بس جانا ہے اور عمل کا اس ایمان کی تصدیق کرنا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ جیسے اہلِ کتاب بہت سی آرزوؤں اور تمناؤں کا شکار تھے ایسے ہی تمہاری بھی آرزوئیں اور تمنائیں ہیں جن کی وجہ سے نجات ملنی ممکن نہیں۔ نجات کا انحصار تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی سنت کی اتباع میں ہے۔

سوال2: اہلِ کتاب کی آرزوئیں اور خوش فہمیاں کیا تھیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ قرآنِ حکیم میں فرماتے ہیں: وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً ؕ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ عَهۡدًا فَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ عَهۡدَهٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ اور انہوں نے کہا " جہنم کی آگ ہمیں ہرگز نہیں چھوئے گی مگر گنے ہوئے چند دن"۔ کہہ دو: " کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے رکھا ہے تو وہ اپنے عہد کی خلاف ورزی کبھی نہیں کرے گا یا تم اللہ تعالیٰ پر ایسی بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے"؟ (البقرہ:80) وَقَالُوۡا لَنۡ يَّدۡخُلَ الۡجَنَّةَ اِلَّا مَنۡ كَانَ هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى ؕ تِلۡكَ اَمَانِيُّهُمۡ ؕ قُلۡ هَاتُوۡا بُرۡهَانَكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ اور انہوں نے کہا کہ کوئی شخص جنت میں ہرگز داخل نہیں ہوگا مگر وہ جو یہودی یا عیسائی ہو، یہ اُن کی تمنائیں ہیں، آپ کہہ دیں کہ اپنی دلیل لاؤ اگر تم سچے ہو۔ (البقرہ:111)

سوال3: مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ " جو کوئی بھی بُرا عمل کرے گا اُسے اُس کی سزا دی جائے گی" کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ السوء سے یہاں مراد شرک ہے حسن نے کہا یہ آیت کافر کے بارے میں ہے۔ (قرطبی:271/3) ﴿2﴾ یہ آیت مسلمانوں کو دہشت میں مبتلا کر گئی انہیں ان کے عمل کی سزا ملے گی تو انہوں نے خود کو میدانِ حشر میں محسوس کیا اور آیت سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اس آیت کے بعد فلاح کیسے ہوگی۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو مسلمان شدید پریشان ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" میانہ روی اور استقامت اختیار کرو۔ مسلمان کو جو بھی تکلیف پہنچتی ہے وہ (اس کے گناہوں کا) کفارہ ہوتی ہے یہاں تک کہ جو ٹھوکر لگتی ہے یا کانٹا چبھتا ہے (تو وہ بھی گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے)۔" (مسلم:6569)

﴿3﴾ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے یہ آیت تلاوت کی: جو کوئی بھی بُرا عمل کرے گا اُسے اُس کی سزا دی جائے گی تو وہ کہنے لگا کہ اگر ہمیں ہمارے عمل کا بدلہ دیا جائے گا تو ہم تو ہلاک ہو جائیں گے۔ نبی ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا: " ہاں! البتہ مومن کو اس کا بدلہ دنیا ہی میں جسمانی ایذاء اور مصیبت کی شکل میں دے دیا جاتا ہے۔" (احمد:24872)

سوال4:اس آیت میں کیا اسباق ملتے ہیں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کی جزا اور سزا کا دارومدار انسانی خواہشات اور تمناؤں پر نہیں ہے۔《2》یہ اللہ تعالیٰ کی مستقل اور دائمی سنت ہے۔《3》دنیا میں کوئی نہیں جس کے لیے اس اُصول میں کوئی نرمی کی جائے۔《4》دنیا میں کوئی نہیں جس کے لیے قانون بدل جائے۔《5》جو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔

سوال5:وَلَا يَجِدۡ لَهٗ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا ''اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست پائے گا اور نہ کوئی مددگار'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی دوست پائے گا اور نہ کوئی مددگار'' اللہ تعالیٰ کی سنن بھی اس کے احکامات کی طرح ہیں کوئی ان کو بدلنے کی قدرت نہیں رکھتا بلکہ وہ جاری ہیں اس لیے کسی برائی کرنے والے کو دوست اور مددگار فائدہ نہیں دیں گے۔(ایسر التفاسیر:298)

سوال6:اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی اور ولی اور نصیر کے نہ ملنے کا شعور کیوں دِلایا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے کسی اور ولی اور نصیر کے نہ ملنے کا شعور اس لیے دلایا ہے تاکہ لوگ جھوٹی عقیدتوں اور جھوٹی توقعات سے بچ جائیں اور نیک عمل کرنے کی ٹھان لیں۔

وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ نَقِيۡرًا(124)

اور جو بھی نیک اعمال میں سے کوئی عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہے تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔(124)

سوال1: وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنۡ ذَكَرٍ اَوۡ اُنۡثٰى وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّةَ ''اور جو بھی نیک اعمال میں سے کوئی عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہے تو یہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے ''کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے احسان اور فضل و کرم کی وضاحت کی ہے کہ وہ مرد اور عورت میں اعمال کی جزا کے اعتبار سے فرق نہیں کرتا بشرطیکہ وہ صاحبِ ایمان ہوں۔ وہ انہیں جنت میں داخل کرے گا اور ان کی نیکیوں میں ذرّہ برابر کمی نہیں کی جائے گی۔《2》وہ جنت میں اپنے نفس کی پاکیزگی اور روحوں کی طہارت کی وجہ سے داخل ہوں گے۔(مراغی:322/2:2)

سوال2:وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ نَقِيۡرًا ''اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے شگاف برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾نقیر کھجور کی گٹھلی کی پشت پر چھوٹے سے سوراخ کو کہتے ہیں۔﴿2﴾اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ جزا سزا کے دن کسی کی حق تلفی نہیں ہوگی، ہر ایک کو پورا پورا اجر دیا جائے گا۔ارشاد فرمایا: وَاَنۡ لَّيۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴿۳۹﴾ وَاَنَّ سَعۡيَهٗ سَوۡفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾ ثُمَّ يُجۡزٰٮهُ الۡجَزَآءَ الۡاَوۡفٰى ''اور یہ کہ انسان کے لیے صرف وہی ہے جس کی خود اُس نے کوشش کی۔اور بلاشبہ اُس کی کوشش جلد ہی اسے دکھائی جائے گی۔پھر اُسے اس کا بدلہ دیا جائے گا، پورا بدلہ۔''(النجم:39،41)

وَمَنۡ اَحۡسَنُ دِيۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبۡرٰهِيۡمَ خَلِيۡلًا(125)

اور دین میں اُس سے اچھا کون ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہو اس نے ابراہیم کی ملّت کی پیروی کی اور وہ ایک (اللہ کی) طرف ہو جانے والا تھا اور ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے خاص دوست بنا لیا تھا۔(125)

سوال1: وَمَنۡ اَحۡسَنُ دِيۡنًا مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ ''اور دین میں اُس سے اچھا کون ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور وہ نیکی کرنے والا ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾جس نے اپنی ذات اللہ کے حوالے کر دی اور اپنے عزت وجلال والے رب کی رضامندی کے لیے خلوص سے عمل کرتا رہا اور اس کے ثواب پر یقین کر کے اور اللہ کو خوش کرنے کے لیے اس کی رضامندی کے کام کیے، اپنے عمل میں نشریعت کی مطابقت کا لحاظ رکھا اس کے لیے جنت ہے۔﴿2﴾ہر عمل کے لیے دو شرائط ہیں خالص اللہ کی رضا کے لیے ہو اور سنت کے مطابق ہو ﴿3﴾خالص وہ عمل ہے جو دل سے کیا جائے اور صواب وہ عمل ہے جو سنت اور شریعت کے مطابق ہو لہٰذا ظاہری عمل شریعت کی مطابقت سے اور باطنی عمل اخلاص سے صحیح ہوتا ہے پھر عمل میں ان دو شرطوں میں سے کوئی شرط نہ پائی جائے تو وہ عمل باطل ہوگا۔

سوال2: اللہ تعالیٰ کے یہاں کامیابی کا معیار کیا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے یہاں کامیابی کا معیار اسلام، احسان اور ملتِ ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی پیروی کرنا ہے۔﴿1﴾اسلام یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا۔﴿2﴾احسان یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص ہونا۔﴿3﴾ملتِ ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام کی پیروی کرنا یعنی اللہ تعالیٰ کی محبت کو دل میں ایسے راسخ کر لینا کہ کسی اور کی جگہ نہ رہے۔

سوال3: اسلام لانے کا کیا مطلب ہے؟

جواب:﴿1﴾اسلام لانے کا مطلب ہے اپنی ہستی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا﴿2﴾اپنی سوچ،اپنے خیال،اپنے جذبات، اپنے احساسات اور اپنے عمل کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا۔

سوال4:مِّمَّنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ ''اُس سے اچھا کون ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا'' اپنی ہستی کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کیسے کیا جاتا ہے؟

جواب:﴿1﴾چہرہ سب سے معزز عضو ہے پھر جب وہ اللہ کے آگے جھک جاتا ہے تو سارے اعضاء اس کے تابع ہو جاتے ہیں(تفسیر خازن:431/1)﴿2﴾یہاں اخلاص سے مراد ہے چہرے کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جانا جو قلب کے خشوع،اس کی توجہ،اس کی انابت اور اس کے اخلاص پر دلالت کرتا ہے۔(تفسیر سعدی:601/1)

سوال5:محسن سے کیا مراد ہے؟

جواب:﴿1﴾محسن سے مراد مخلص ہے جو دل سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرے۔﴿2﴾محسن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نگرانی کے یقین کے ساتھ عمل کرتا ہے۔(الاساس فی التفسیر:1190/2)﴿3﴾حسن عمل اس کا ہے جو سنت کے مطابق عمل کرے۔

سوال6:حنیف کسے کہتے ہیں؟

جواب:﴿1﴾ایسے شخص کو حنیف کہتے ہیں جو ہر طرف سے کٹ کر یک سُوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے۔﴿2﴾محمد بن کعب نے کہا حنیف مستقیم کو کہتے ہیں(ابن ابی حاتم:1074/4)

سوال7: یک سُوئی کیسے پیدا ہوتی ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے نماز کے لیے قبلے کا تعین کیا تا کہ انسان کے اندر یک سُوئی پیدا ہو۔دن میں پانچ بار اللہ تعالیٰ کے لیے یک سُو ہونا سکھایا جاتا ہے۔انسان ساری دنیا سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف اپنا رخ کر لیتا ہے۔یہ حنیف ہونے کی تصویر ہے۔اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ انسان یہ رویہ نماز کے علاوہ بھی اپنی زندگی میں اپنائے۔﴿1﴾اپنے ہر معاملے میں سب کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رُخ کرے۔﴿2﴾اپنی زندگی کے سارے فیصلے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور سنتِ رسول ﷺ سے لے۔﴿3﴾اپنی خواہش اور دوسروں کی مرضی کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اہمیت نہ دے۔

سوال8:وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا''اور اس نے ابراہیم کی ملّت کی پیروی کی اور وہ ایک(اللہ کی)طرف ہو جانے والا تھا'' سے کیا

مراد ہے؟

جواب:《1》ملت ابراہیم: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا جو ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔(ایسر التفاسیر:298)《2》اس سے مراد نبی ﷺ ہیں اور جن لوگوں نے قیامت تک آپ ﷺ کی پیروی کی۔رب العزت نے فرمایا: اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ یقیناً لوگوں میں ابراہیم کے سب سے زیادہ قریب وہ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اور اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے۔(آل عمران:68)

سوال9: وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ''اور ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے خاص دوست بنالیا تھا'' ابراہیم علیہ السلام کے خلیل ہونے کی وجہ کیا تھی؟

جواب:《1》خُلّہ محبت کی بلند ترین نوع ہے اور محبت کا یہ اعلیٰ ترین مرتبہ اللہ تعالیٰ کے دو خلیلوں کو حاصل ہوا ہے، جناب محمد مصطفیٰ اور جناب ابراہیم کو اور رہی اللہ تعالیٰ کی محبت عامہ تو یہ عام اہل ایمان کے لیے ہے۔ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اس لیے بنایا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو پورا کیا اور ہر آزمائش میں پورے اترے۔پس اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام لوگوں کا امام ٹھہرایا اور اپنا خلیل بنالیا اور تمام جہانوں میں ان کے ذکر کو بلند کیا۔(تفسیر سعدی:601/1)《2》جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آپ ﷺ کے وصال سے پانچ دن پہلے سنا۔آپ ﷺ فرما رہے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے اس چیز سے بری ہوں کہ تم میں سے کسی کو اپنا دوست بناؤں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل (دوست) بنایا ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا تھا اور اگر میں اپنی امت سے کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بناتا۔(صحیح مسلم:1188)
《3》انہوں نے ہر طرف سے کٹ کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا۔امام ابن قیم رحمہ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الجواب الکافی'' میں لکھا ہے کہ کلمہ ''خلۃ''، جس سے ''خلیل'' بنا ہے اس کا معنی کمال محبت اور انتہائے محبت ہے کہ جس کے بعد دل میں کسی دوسرے کے لیے کوئی گنجائش باقی نہ رہے اور یہ منصبِ عظیم صرف ابراہیم علیہ السلام و محمد ﷺ کے لیے خاص تھا۔(تیسیر الرحمٰن:298)
رب العزت کا فرمان ہے: اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ یقیناً ابراہیم ایک اُمت تھے اللہ تعالیٰ کا فرماں بردار اور ایک اللہ کی طرف ہو جانے والے اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔(النحل:120)

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا (126)

اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا ہمیشہ سے احاطہ کرنے والا ہے۔(126)

سوال1: وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ''اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا ہمیشہ سے احاطہ کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے'' یعنی ساری کائنات اللہ تعالیٰ کی مملوک اس کی غلام اور اس کی مخلوق ہے، اس میں اس کا تصرف اور اختیار ہے، اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں اور اس کے فرمان کی تعمیل میں کوئی دیر نہیں کرسکتا اس کی عظمت وقدرت، عدل وحکمت اور رحمت وشفقت عام ہے اس سے کوئی باز پرس نہیں کرسکتا۔ ﴿2﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا ہمیشہ سے احاطہ کرنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ کا علم گوشہ گوشہ میں پھیلا ہوا ہے اور ہر چیز گھیرے ہوئے ہے اس سے کوئی چیز چھپی ڈھکی نہیں آسمانوں میں اور زمین میں کوئی ذرہ برابر چیز یا اس سے کم وبیش اس سے پوشیدہ نہیں ایک ایک ناقابل تقسیم جزو کی اسے خبر ہے۔(ابن کثیر 373/1:)

سوال 2: جب انسان کے اندر یہ شعور پختہ ہوجاتا ہے کہ زمین وآسمانوں میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا ہے تو اس میں کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسان اللہ تعالیٰ کو اپنا الٰہ (معبود) اور حاکم تسلیم کر لیتا ہے۔ ﴿2﴾ انسان صرف اللہ تعالیٰ کی غلامی کرتا ہے۔ ﴿3﴾ انسان صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ نے اپنے مُحیط ہونے کا شعور کیسے دِلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کی ملکیت سے اپنے مُحیط یعنی گھیرنے والا ہونے کا شعور دلایا ہے۔

رکوع نمبر 16

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا(127)

اورلوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اوراس کتاب میں جوتم پر پڑھا جاتا ہے یتیم عورتوں کے بارے میں ہے جن کوتم وہ نہیں دیتے جوان کے لیے فرض کیا گیا ہے اورتم رغبت رکھتے ہو کہ اُن سے نکاح کرواور بے بس کمزور بچوں کے بارے میں بھی اور یہ کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف پر قائم رہواور جوبھی تم بھلائی کروگے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اس کوخوب جاننے والا ہے۔(127)

سوال1:اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ یہ آیت ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی کہ اگراس کی پرورش میں کوئی یتیم لڑکی ہواور وہ اس کا ولی اوروارث بھی ہواورلڑکی اس کے مال میں بھی حصہ دار ہو یہاں تک کہ کھجور کے درخت میں بھی اب وہ شخص خوداس لڑکی سے نکاح کرنا چاہے کیوں کہ اسے یہ پسند نہیں کہ کسی دوسرے سے اس کا نکاح کردے کہ وہ اس کے اس مال میں حصہ دار بن جائے جس میں لڑکی حصہ دار تھی اس وجہ سے اس لڑکی کا کسی دوسرے شخص سے وہ نکاح نہ ہونے دے تو ایسے شخص کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی۔(بخاری:4600)

سوال2: وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ''اورلوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:''اورلوگ آپ سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں''لوگ آپ سے عورتوں اوران کی میراث کے بارے میں فتوی طلب کرتے ہیں۔(ایسرالتفاسیر:299)

سوال3: قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ '' آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:'' آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے''﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے بارے میں ظلم سے روکا اور ہر حصہ دار کا حصہ مقرر کردیا۔﴿2﴾ ابن عباس فرماتے ہیں جاہلیت میں دستور تھا کہ اگر کوئی شخص یتیم بچی کا ولی بننا چاہتا تو اس پر کپڑا ڈال دیتا تھا۔ پھر دستور کے مطابق کوئی اس سے نکاح نہیں کرسکتا تھا اگر وہ حسین ہوتی اور خود ولی اس کی طرف مائل ہوتا تو اس سے شادی کرلیتا اوراس کا مال کھاتا اور اگر بدصورت ہوتی تو اسے مرتے دم تک بٹھائے رکھتا۔ جب مرجاتی تو اس کا وارث بنتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کوحرام قرار دیا اوراس سے لوگوں کوروک دیا۔(مختصرابن کثیر:374/1)

سوال4: وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ ''اوراس کتاب میں جوتم پر پڑھا جاتا ہے یتیم عورتوں کے بارے میں ہے ''

کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت میں جو کہا گیا ہے کہ ''جو اس کتاب سے یتیم عورتوں کے بارے میں تمہیں سنایا جاتا ہے''، یعنی (سابقہ احکام) تو اس سے مراد سورۃ النساء کی سابقہ آیت ہے یعنی وَ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تُقۡسِطُوۡا فِی الۡیَتٰمٰی (النساء:3)

سوال5: الّٰتِیۡ لَا تُؤۡتُوۡنَہُنَّ مَا کُتِبَ لَہُنَّ ''جن کو تم وہ نہیں دیتے جو ان کے لیے فرض کیا گیا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اس سے مراد ہے کہ جو کچھ ان کے مہر اور میراث ہیں اسے فرض کیا گیا ہے۔

سوال6: وَ تَرۡغَبُوۡنَ اَنۡ تَنۡکِحُوۡہُنَّ ''اور تم رغبت رکھتے ہو کہ اُن سے نکاح کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ تَرۡغَبُوۡنَ اَنۡ تَنۡکِحُوۡہُنَّ سے مراد یہ ہے کہ اگر تم میں سے کسی کے ہاں کوئی یتیم لڑکی زیرِ تربیت ہو اور مال و خوبصورتی میں کم ہو اور وہ اس وجہ سے اس کے ساتھ نکاح کرنے سے اعراض کرتا ہو تو ان کو بھی اس سے بھی منع کیا گیا ہے جو یتیم عورتوں کے مال اور خوبصورتی میں رغبت کرتے ہیں کہ بغیر انصاف کے ان کے ساتھ نکاح نہ کریں۔ (مسلم:7528)

سوال7: وَ الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الۡوِلۡدَانِ ''اور بے بس کمزور بچوں کے بارے میں بھی'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ابن عباس نے کہا: جاہلیت میں چھوٹے بچوں اور بیٹیوں کو جائیداد میں سے حصہ نہیں دیا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے یہاں اس سے روک دیا ہے۔ (ابن ابی حاتم:1078/4)

سوال8: وَ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلۡیَتٰمٰی بِالۡقِسۡطِ ''اور یہ کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف پر قائم رہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ ''اور یہ کہ تم یتیموں کے بارے میں انصاف پر قائم رہو' اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے بارے میں تلقین کی ہے کہ ان کے لیے انصاف پر قائم رہو یعنی اگر تم یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنا چاہتے ہو تو انہیں مہر ادا کرو جو کچھ طے کرو انہیں ادا کرو اور انہیں دوسرے حقوق بھی دو۔ ﴿2﴾ یتیموں کے لیے حق اور انصاف قائم کرنے والے بنو گے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اجر پاؤ گے۔ ﴿3﴾ بِالۡقِسۡطِ ''انصاف پر'' میراث اور مہر میں انصاف پر قائم رہو۔ (تفسیر منیر:301/3) ﴿4﴾ ابو شریح خویلد بن عمرو خزاعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! میں لوگوں کو دو ضعیفوں کے حق سے بہت ڈراتا ہوں (کہ ان میں کوتاہی مت کرنا) ایک یتیم اور دوسری عورت۔ (نسائی)

سوال9: وَ مَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِہٖ عَلِیۡمًا ''اور جو بھی تم بھلائی کرو گے تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے اس کو خوب جانne

والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》''تم جوبھی نیکی کروگے اللہ تعالیٰ اسے خوب جاننے والا ہے۔''اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو یقین دلایا ہے کہ تمہارے اعمال ضائع نہیں ہوں گے۔اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتا ہے۔اس نے ان کا ریکارڈ تیار کروا رکھا ہے۔وہ ہر ایک عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا۔《2》وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ ضعفاء کے حق میں ان کے مالوں کی حفاظت اور ان کے قائم رہنے کی تدبیر سے اور ان کے لیے انصاف کرنے میں سے کوئی کام جو تم کرو گے۔《3》فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا بے شک اللہ تعالیٰ اسے پوری طرح جاننے والا ہے وہ اس کی جزا دے گا۔(تفسیر قاسمی:504/5)

سوال10:اللہ تعالیٰ نے اپنے عَلِیم ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے یتیم لڑکیوں کو نکاح میں لانے کی رغبت کے علم سے اپنے علیم ہونے کا شعور دلایا ہے۔《2》اللہ تعالیٰ نے یتیموں اور کمزور بچوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے دیئے جانے والے احکامات سے اپنے علم کا شعور دلایا ہے۔《3》قتادہ نے کہا:اللہ تعالیٰ علیم ہے۔اس کے پاس یہ محفوظ ہے وہ اس کو پوری طرح جاننے والا ہے اس کا قدردان ہے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی قدردان نہیں اور نہ اس سے بڑھ کر کوئی خیر کی جزا دے سکتا ہے(ابن ابی حاتم:1079/4)

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَ اُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا(128)

اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے کسی قسم کی زیادتی یا بے رُخی کا خوف رکھے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ دونوں آپس میں کسی طرح کر صلح کر لیں او صلح بہرحال بہتر ہے اور ہر نفس میں حرص حاضر رکھی گئی ہے اور اگر تم نیکی کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُس سے جو تم عمل کرتے ہو ہمیشہ سے پورا باخبر ہے(128)

سوال1:اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب:《1》عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایسا مرد جس کے ساتھ اس کی بیوی رہتی ہے لیکن شوہر کو اس کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں بلکہ وہ اسے جدا کر دینا چاہتا ہے،اس پر عورت کہتی ہے کہ میں اپنی باری اور اپنا نان ونفقہ معاف کر دیتی ہوں (تم مجھے طلاق نہ دو) تو ایسی صورت کے متعلق یہ آیت اسی باب میں اتری۔(بخاری:4601)《2》ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سودہ رضی اللہ عنہا

کوخوف ہوا کہ بوجہ بڑھاپے کے نبی ﷺ انہیں طلاق نہ دے دیں۔ چنانچہ انہوں نے عرض کی کہ آپ ﷺ مجھے طلاق مت دیجئے اور مجھے اپنی بیویوں میں شامل رکھیے اور میں اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کو معاف کردیتی ہوں۔ سو نبی ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ (ترمذی:3040)

سوال2: وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا ''اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے کسی قسم کی زیادتی یا بے رُخی کا خوف رکھے'' عورت شوہر کی طرف سے زیادتی اور بے رُخی کا اندازہ کیسے لگاتی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ نشوزا بمعنی بغض وعداوت کے معنی میں ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر) ﴿2﴾ نحاس نے کہا نشوز اور اعراض میں فرق ہے۔ نشوز تو دوری ہے اور اعراض یہ ہے کہ وہ عورت سے کلام نہ کرے یا انس نہ رکھے۔ (فتح القدیر:664/1) ﴿3﴾ نشوز یہ ہے کہ شوہر بیوی کے ساتھ سونا چھوڑ دے۔ اور اسکے اخراجات میں کمی کردے۔ اور اعراض یہ ہے کہ بیوی کے ساتھ بیٹھنا اور بات چیت کرنا بند کردے۔

سوال3: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ''تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ دونوں آپس میں کسی طرح کی صلح کرلیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے شوہر اور بیوی کے تعلقات میں خرابی کی صورت میں تعلقات کی بہتری کے لیے دونوں کو آمادہ کیا ہے کہ باہمی صلح میں کوئی حرج نہیں، صلح بہرحال بہتر ہے، عورت کو اپنے شوہر کی بیزاری کا ڈر ہے تو اگر اسے خوش کرنے کے لیے اپنے تمام یا بعض حقوق سے دست بردار ہوجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں مثلاً نان ونفقہ چھوڑ دے، اپنی باری معاف کردے، شوہر کو اس کی بات مان لینی چاہیے اس میں شوہر کا حرج ہے نہ بیوی کا پھر حق تعالیٰ نے ملاپ کو جدائی سے بہتر بتایا کیوں کہ صلح کی صورت لڑائی سے بہتر ہے۔ (مختصر ابن کثیر:375/1)

سوال4: وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ''اور صلح بہرحال بہتر ہے'' مرد اور عورت کی صلح کے بارے میں فرمایا کہ بہرحال بہتر ہے اس کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ صلح جدائی، نشوز اور اعراض سے بہتر ہے۔ (تفسیر قاسمی:505/5) ﴿2﴾ صلح بہتر ہے کیوں کہ ازدواجی تعلق عظیم روابط میں سے ہے اور اس کا حق بڑا ہے اور یہ معاہدہ مضبوط معاہدات میں سے ہے۔ (تفسیر مراغی:326/2) ﴿3﴾ صلح کی وجہ سے خشک اور سنگدل لوگوں کے دل بھی نرم پڑ جاتے ہیں۔ ﴿4﴾ صلح کی وجہ سے محبت اور اُنس پیدا ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے باہمی تعلقات بہتر ہوجاتے ہیں۔ ﴿5﴾ صلح کی وجہ سے ازدواجی تعلقات کو برقرار رکھنے کی خواہش پیدا ہوجاتی ہے۔

سوال5: وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ '' اور ہر نفس میں حرص حاضر رکھی گئی ہے'' اسلام نفس انسانی کے ساتھ کیسا معاملہ کرتا ہے؟

جواب: اسلام وہ تمام ذرائع اور وسائل کام میں لاتا ہے جس سے انسانی نفس کی سطح بلند ہو جائے۔ ارشاد فرمایا: وَمَنۡ یُّوۡقَ شُحَّ نَفۡسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ '' اور جو اپنے نفس کی بخیلی سے بچا لیا گیا تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔'' (التغابن:16) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: '' بخل اور ایمان کبھی ایک بندے کے اندر جمع نہیں ہو سکتا۔ (نسائی:3112) ﴿1﴾ الشُّحَّ ایسے بخل کو کہتے ہیں جس کے ساتھ حرص ملی ہوئی ہو۔ (راغب) ﴿2﴾ الشُّحَّ سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ انسان پر خرچ کرنا واجب ہے اسے خرچ کرنے میں راغب نہ ہو اور اپنا حق حاصل کرنے کا بڑا حریص ہو، تمام نفوس طبعی طور پر اسی جبلت پر پیدا کیے گئے ہیں۔ (تفسیر سعدی:601/1) ﴿3﴾ وَاُحۡضِرَتِ الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ہر نفس کو اپنے فائدے کا لالچ ہوتا ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

سوال6: نفس تنگ دلی کی طرف جلدی کیوں مائل ہو جاتے ہیں؟

جواب: انسانی نفس کی تنگ دِلی، بخل اور حرص فطری امر ہے۔ پھر شوہر بیوی کی زندگی میں بعض اوقات ایسے اسباب جمع ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے بخل اور تنگ دِلی اُبھر آتی ہے۔

سوال7: مرد کی طرف سے شُح کیا ہے؟

جواب: مرد کی طرف سے شُح یہ ہے کہ عورت سے پورا فائدہ اٹھائے مگر اس کے پورے حقوق ادا نہ کرے۔

سوال8: عورت کی طرف سے شُح کیا ہے؟

جواب: عورت کی طرف سے شُح یہ ہے کہ مرد سے نان ونفقہ اور مہر پورا وصول کرے مگر حقوق ادا کرنے میں کمی کرے۔

سوال9: رشتۂ نکاح کو برقرار رکھنے کے لیے عورت اور مرد کو کس چیز کا خیال رکھنے کی ضرورت ہے؟

جواب: ﴿1﴾ کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے اگر یہ خدشہ لاحق ہو کہ وہ اسے چھوڑ دے گا یا اس سے بے پروائی اختیار کرے گا تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ عورت حق مہر، عدل اور نان ونفقے میں شوہر کو ایسی رعایتیں دے کہ آپس کے تعلقات خراب ہونے کا خدشہ ختم ہو جائے۔ اس کے لیے ایثار کی ضرورت ہے۔ رشتہ نکاح کو برقرار رکھنے کے لیے عورت کو قربانی دینی پڑے تو اسے قربانی دے دینی چاہیے۔ ﴿2﴾ وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا سے مرد کو اُبھارا گیا ہے کہ احسان وتقویٰ اور ایثار وقربانی کا میدان تو ان کے لیے ہے۔

سوال10: انسانی نفس کو احسان اور تقویٰ کی طرف پکارنا کیسے متاثر کرتا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ انسان کے نفس پر تقویٰ کی پکار کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ﴿2﴾ اس دعوت کے لیے نفس جلدی تیار ہوجاتے ہیں۔ ﴿3﴾ انسان اس پکار پر لبیک کہتا ہے۔

سوال11: وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا ''اور اگر تم نیکی کرو اور تقویٰ اختیار کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ وَاِنْ تُحْسِنُوْا ''اور اگر تم نیکی کرو'' عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔ ﴿2﴾ وَتَتَّقُوْا ''اور تقویٰ اختیار کرو'' اور عورتوں پر ظلم کرنے سے بچو۔ (تفسیر منیر:302/3) ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگرچہ نفس میں تنگ دلی، حرص اور بخل ہے پھر بھی شوہر اور بیوی اگر ایک دوسرے سے حسن سلوک کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہیں تو اجر ضرور پائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ہر عمل سے باخبر ہے جیسا کہ اس نے فرمایا: وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ اور نیکی کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ (البقرہ:195)

سوال12: فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ''تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُس سے جو تم عمل کرتے ہو ہمیشہ سے پورا باخبر ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے خبیر ہونے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے خبیر ہونے کا شعور اس لیے دلایا ہے تاکہ لوگ صلح پر آمادہ ہو جائیں۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے صلح کے راستے کی رکاوٹ نفس کی بخیلی (شُح) کی خبر کا شعور دلایا ہے تاکہ لوگ احسان اور تقویٰ کی رَوش اختیار کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام اعمال سے باخبر ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا (129)

اور تم ہرگز استطاعت نہیں رکھتے کہ بیویوں کے درمیان عدل کرو خواہ تم حرص بھی رکھو چنانچہ تم بالکل (ایک جانب) پوری طرح نہ جھک جاؤ، کہ تم اس (دوسری کو) لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو اور اگر تم اصلاح کرو اور تم ڈرتے رہو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔ (129)

سوال1: وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ ''اور تم ہرگز استطاعت نہیں رکھتے کہ بیویوں کے درمیان عدل کرو

خواہ تم حرص بھی رکھو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ابن عباس نے فرمایا: تم ہرگز استطاعت نہیں رکھتے کہ بیویوں کے درمیان محبت اور جماع میں عدل کرسکو (ابن ابی حاتم: 1083/4)

سوال 2: بیویوں کے درمیان کہاں کہاں انصاف ہونا چاہیے؟

جواب: ﴿1﴾ خرچ دینے میں انصاف۔ ﴿2﴾ باریوں کی تقسیم میں انصاف۔ ﴿3﴾ حقوقِ زوجیت میں انصاف۔ ﴿4﴾ مسکراہٹوں میں انصاف۔ ﴿5﴾ زبانی الفاظ کہنے میں انصاف وغیرہ۔

سوال 3: فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ''چنانچہ تم بالکل (ایک جانب) پوری طرح نہ جھک جاؤ، کہ تم اس (دوسری کو) لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو'' کوئی انسان اپنی بیویوں میں سے ایک کی طرف زیادہ مائل ہوتو وہ اپنے میلان کو ختم نہیں کرسکتا، اس کا حل کیا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ یعنی ظاہری معاملات میں ایسا جھکاؤ نہ ہو کہ دوسری بیوی کے حقوق مارے جائیں کہ وہ نہ تو بیوی رہے نہ طلاق یافتہ ﴿2﴾ اسلام اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ انسان بیویوں کے درمیان مکمل عدل نہیں کرسکتا اگرچہ وہ ایسا کرنے کی کوشش کرے۔ باریاں تقسیم کرلے پھر بھی محبت اور دل کے میلان کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے اگر ایک بیوی کی طرف زیادہ میلان ہوتو حد سے نہیں نکلنا چاہیے کہ دوسری کو لٹکا ہوا چھوڑ دو۔ اس لیے اپنے معاملات کی اصلاح کرلو یعنی عدل کے لیے باریاں تقسیم کرلو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تو اللہ بڑا ہی معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ﴿3﴾ اسلام کسی ایسے کام پر انسان سے مؤاخذہ نہیں کرتا جو اس کی طاقت سے باہر ہو۔ ﴿4﴾ اسلام ایسے کام کو نہ گناہ قرار دیتا ہے اور نہ اس پر سزا دیتا ہے۔ ﴿5﴾ اسلام چاہتا ہے کہ بیویوں کے درمیان معاملات میں انصاف کیا جائے۔ ﴿6﴾ اسلام اس بات سے منع کرتا ہے کہ ظاہری معاملات میں شوہر ایک بیوی کی طرف جھک جائے اور دوسری کے حقوق مارے جائیں۔ ﴿7﴾ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں سے ایک کی طرف میلان رکھے تو قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔ (دارمی کتاب النکاح)

سوال 4: اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ ''بیویوں کے درمیان عدل کرو'' کیا رسول اللہ ﷺ دلی میلان کے باوجود عدل کرتے تھے؟

جواب: ﴿1﴾ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مسلمانوں کو یہ معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو زیادہ محبت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہے۔ پس جب ان میں سے کسی کے پاس کچھ ہدیہ ہوتا اور وہ چاہتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو دے تو وہ اس کو روک لیتا یہاں

تک کہ جب رسول اللہ ﷺ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر ہوتے تو وہاں ہدیہ پہنچایا جاتا۔(بخاری:2581)﴿2﴾ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے پوچھا کہ آپ کو سب سے زیادہ عزیز کون شخص ہے؟ فرمایا:''عائشہ رضی اللہ عنہا۔''

سوال5: رسول اللہ ﷺ بیویوں کے درمیان کیسے انصاف کرتے تھے؟

جواب:﴿1﴾ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (اپنی ازواج کے مابین) تقسیم کرتے اور عدل کرتے اور فرمایا کرتے: اے اللہ! یہ میری تقسیم ہے جو میرے بس میں ہے اور اس بات میں مجھے ملامت نہ فرمانا جس کا تُو مالک ہے اور میرا اس پر اختیار نہیں۔(ابوداؤد:2134) عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کی بیماری بڑھی اور تکلیف شدید ہوگئی تو آپ نے اپنی بیویوں سے اپنے ایامِ مرض میرے پاس گزارنے کی اجازت طلب کی اور سب نے آپ ﷺ کو بخوشی اجازت دے دی۔ (بخاری:2588)

سوال6: وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ''اور اگر تم اصلاح کرو اور تم ڈرتے رہو تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ وَاِنْ تُصْلِحُوْا اگر تم اپنے باہمی معاملات درست کرلو اور اپنی استطاعت کے مطابق بیویوں میں برابری کرتے رہو۔﴿2﴾ وَتَتَّقُوْا اور اللہ سے ڈر جاؤ۔﴿3﴾ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ''تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے'' باہمی معاملات کی اصلاح کر کے اختیاری چیزوں میں برابری کرنے لگو تو کسی ایک طرف جھک جانے کو اللہ تعالیٰ معاف کردے گا۔

سوال7: اللہ تعالیٰ نے اپنے غَفُور اور رَحِيم ہونے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے پورا عدل کرنے کی کوشش کے باوجود نہ کر پانے پر اپنے غفور اور رحیم ہونے کا شعور دلایا ہے تاکہ ایک سے زائد بیویوں کے درمیان عدل کرسکیں۔﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے غفور اور رحیم ہونے کا شعور اس لیے دلایا ہے تاکہ لوگ اصلاح کر کے تقویٰ کی روش اختیار کرسکیں۔

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا(130)

اوراگروہ دونوں جُدا ہوجائیں توہرایک کو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے غنی کردے گااور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے بڑی وسعت والا،کمال حکمت والا ہے۔(130)

سوال1:وَ اِنۡ یَّتَفَرَّقَا ’’اوراگروہ دونوں جُدا ہوجائیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》یعنی شوہر اور بیوی اگرآپس میں اتفاق سے صلح نہ کرسکیں اور معاملہ طلاق تک پہنچ جائے۔《2》جدائی کی صورت جب تفریق ہوگئی ہےتو اللہ دونوں کوایک دوسرے سے بے نیاز کردے گا۔

سوال2:شوہراور بیوی کے درمیان جدائی کب بہتر ہے؟

جواب:《1》جب شوہراور بیوی کے درمیان صُلح کی ہرممکن کوششوں کے باوجود صُلح نہ ہوسکے۔《2》جب باہمی تعلقات خراب ہوجائیں۔《3》جب آپس میں حسنِ سلوک کے ساتھ زندگی گزارناممکن نہ رہے۔《4》جب دِلوں میں نفرت پیدا ہوجائے۔

سوال3:وَ اِنۡ یَّتَفَرَّقَا یُغۡنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنۡ سَعَتِہٖ ’’اوراگروہ دونوں جُدا ہوجائیں توہرایک کواللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے غنی کردے گا‘‘زوجین کی علیحدگی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا کیا وعدہ ہے؟

جواب:《1》’’اوراگروہ دونوں جُدا ہوجائیں توہرایک کو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے غنی کردے گا‘‘زوجین کے اندرعلیحدگی کے لیے اٹھنے والے وسوسوں کا علاج کیا گیا ہے کہ رازِق تم نہیں اللہ تعالیٰ ہے۔《2》اللہ تعالیٰ اپنی وسیع قدرت اورفضل وکرم سے ہرایک کودوسرے سے بے نیاز کردے گااور بہتر رشتے کاانتظام کردے گا۔

سوال4:شوہراور بیوی کوکن بنیادوں پراکٹھا کیا جاسکتا ہے؟

جواب:《1》واجبات وفرائض کی انجام دہی۔《2》محبت۔《3》باہم رحم دِلی۔《4》حسنِ سلوک۔

سوال5:وَ کَانَ اللّٰہُ وَاسِعًا حَکِیۡمًا ’’اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے بڑی وسعت والا،کمال حکمت والا ہے‘‘اللہ تعالیٰ نے اپنے وَاسِع اور حکیم ہونے کا شعور کیوں دِلایا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے شوہراور بیوی کے درمیان باہمی ہم آہنگی نہ ہونے کے باوجودخدشوں کی وجہ سے جدانہ ہوسکنے پر اپنے وَاسِع ہونے کاشعور دلایا ہے تاکہ لوگ ایک دوسرے کے لیے وبالِ جان بننے کی بجائے سکون سے علیحدگی اختیار کرسکیں

کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنی وُسعت سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دینے والا ہے۔《2》اللہ تعالیٰ نے اپنے حکیم ہونے کا شعور دلایا ہے کہ اس نے حکمت بھرے احکامات دیئے ہیں جس کی وجہ سے شوہر اور بیوی دونوں کے لیے علیحدگی کا راستہ بن جاتا ہے اور وہ سکون سے اپنی زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے افعال اور شریعت میں حکیم ہے۔(تفسیر قاسمی:512/5)

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا (131)

اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے۔ اور تم سے پہلے جو لوگ کتاب دیئے گئے تھے، بلاشبہ انہیں بھی اور تمہیں بھی ہم نے وصیت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہو اور اگر تم کفر کرو گے تو یقیناً جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے ہر طرح بے پرواہ، ہر تعریف کا حق دار ہے۔(131)

سوال1: وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ''اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو بھی آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》تخلیق، ملکیت، تصرف اور تدبیر کے اعتبار سے ہر چیز اسی کی ہے۔(ایسر التفاسیر:301,302)《2》اللہ تعالیٰ ہی آسمان و زمین کا حاکم ہے اور وہی کائنات کا مالک و خالق ہے لہذا اس سے ڈر جاؤ۔

سوال2: وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ''اور تم سے پہلے جو لوگ کتاب دیئے گئے تھے، بلاشبہ انہیں بھی اور تمہیں بھی ہم نے وصیت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》وَلَقَدْ وَصَّيْنَا ہم نے تم سے تقویٰ کا عہد لیا۔《2》الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ''جو لوگ کتاب دیئے گئے تھے'' اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔(ایسر التفاسیر:301)《3》اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا مالک ہے اسی وجہ سے اس نے جن لوگوں کو پہلے کتاب دی تھی انہیں بھی اور تمہیں بھی نصیحت کی ہے کہ عزت و جلال والے اللہ سبحان و تعالیٰ سے ڈر کر رہو، اسی ایک کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔《4》اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ''کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہو'' اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کی سنن کو قائم کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رہو۔(تفسیر مراغی:329/2)

سوال3: اللہ تعالیٰ نے ہر دور کے اہلِ کتاب کو تقویٰ کی وصیت کیوں کی ہے؟

جواب: ﴿1﴾ تقویٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید کی وجہ سے اس کی اطاعت کرنا اور اس کے عذابوں سے ڈر کر اس کے روکے سے رک جانا ہے اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی وصیت اس لیے کی ہے کہ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ سے ہی دِلوں کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ سے ہی ہر نظام کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ سے ہی کسی نظام کی جزویات پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

سوال4: اللہ تعالیٰ انسان کو وصیت کیوں کرتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ انسانوں کی بھلائی کے لیے۔ ﴿2﴾ انسانوں کے حالات درست کرنے کے لیے۔

سوال5: تقویٰ کی وجہ سے کیا تبدیلی آتی ہے؟

جواب: تقویٰ کی وجہ سے دِلوں کی اور سارے حالات کی اصلاح ہوسکتی ہے۔

سوال6: وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ''اور اگر تم کفر کرو گے تو یقیناً جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اگر تم اللہ تعالیٰ کے آگے نہیں جھکتے تو نہ جھکو ساری کائنات بلکہ خود تمہارے اعضاء بھی اس کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو تمہاری عبادت کی پرواہ نہیں، وہ بے نیاز ہے اسے بندوں کی حاجت نہیں۔ (مختصر ابن کثیر: 377/1) ﴿2﴾ تمہارا کفر اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیونکہ وہ آسمانوں و زمین کا مالک ہے۔ تمہاری نافرمانی سے اس کی عزت و شان میں کمی نہیں آتی۔

سوال7: وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا '' اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے ہر طرح بے پرواہ، ہر تعریف کا حق دار ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات غَنِی اور حَمِیْد کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ملکیت سے اپنے غَنِی اور حَمِیْد ہونے کا شعور دِلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بے پرواہ ہے اور اپنے فیصلوں اور احکامات میں تعریف کا حق دار ہے۔ ﴿2﴾ حمید اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ہر قسم کی حمد و ثنا، محبت اور اکرام کا مستحق ہے۔ اس لیے وہ صفات حمد سے متصف ہے جو کہ جمال اور جلال کی صفات ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے اس لیے وہ ہر حال میں محمود ہے۔ ان دو اسمائے گرامی یعنی الغنی اور الحمید کا یکجا ہونا کتنا خوبصورت ہے۔ یقیناً وہ بے نیاز اور قابل تعریف ہے، اسے کمال بے نیازی بھی حاصل ہے اور کمال حمد بھی

اوران دونوں کے حسن امتزاج کا کمال بھی۔(تفسیر سعدی:607,608/1)

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (132)

اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی وکیل کافی ہے۔(132)

سوال1: وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا '' اور اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو بھی زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی وکیل کافی ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا بادشاہ ہے ساری کائنات پر اللہ ہی کا حکم چلتا ہے وہ ہر شخص کے اعمال کو گھیرے ہوئے ہے، ہر ایک کا نگران ہے اور اس کا علم ہر جگہ ہمہ وقت موجود ہے اور وہی کارساز ہے۔《2》جو زمین وآسمان کا مالک ہے وہ اختیارات رکھتا ہے، وہی کام بنا سکتا ہے، اس لیے اُسی پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام قرار دیا ہے اور میں نے تمہارے درمیان بھی ظلم کو حرام قرار دیا ہے تو تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو سوائے اس کے جسے میں ہدایت دوں۔ تم مجھ سے ہدایت مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو سوائے اس کے کہ جسے میں کھلاؤں تو تم مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھانا کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو سوائے اس کے کہ جسے میں پہناؤں تو تم مجھ سے لباس مانگو تو میں تمہیں لباس پہناؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب گناہ کرتے ہو اور میں سارے گناہ بخشتا ہوں تو تم مجھ سے بخشش مانگو میں تمہیں بخش دوں گا۔ اے میرے بندو! تم مجھے ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتے اور نہ ہی ہرگز مجھے نفع پہنچا سکتے ہو۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر، تمہارے انسان اور جنات سب اس شخص کی طرح ہو جائیں جس کے دل میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے تو یہ بات میری بادشاہی میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتی۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اول اور آخر، تمہارے انسان اور جنات اس شخص کی طرح ہو جائیں جو تم میں سے سب سے زیادہ فاجر وفاسق ہے تو یہ چیز میری بادشاہی میں کوئی کمی نہیں کر سکتی۔ اے میرے بندو! اگر تم سب اولین وآخرین اور جن وانس ایک صاف چٹیل میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگنے لگو اور میں ہر انسان کو جو وہ مجھ سے مانگے عطا کر دوں تو پھر بھی میرے خزانوں میں اس قدر بھی کمی نہیں ہوگی جتنی کہ سمندر میں سوئی ڈال کر نکالنے سے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں کہ جنہیں میں

تمہارے لیے اکٹھا کر رہا ہوں پھر میں تمہیں ان کا پورا پورا بدلہ دوں گا تو جو آدمی بہتر بدلہ پائے وہ اللہ کا شکرادا کرے اور جو بہتر بدلہ نہ پائے تو وہ اپنے نفس ہی کو ملامت کرے۔سعد فرماتے ہیں کہ ابوادریس خولانی رحمہ اللہ جب یہ حدیث بیان کرتے تھے تو اپنے گھٹنوں کے بل جھک جاتے تھے۔(مسلم:6572)

سوال2:اللہ تعالیٰ نے اپنے وکیل ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب:اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی ملکیت سے اپنے وکیل یعنی کارساز ہونے کا یقین دلایا ہے۔

اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡكُمۡ اَیُّهَا النَّاسُ وَ یَاۡتِ بِاٰخَرِیۡنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِیۡرًا(133)

اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اے لوگو!اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ تعالیٰ اس پر ہمیشہ سے پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے۔(133)

سوال1:اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡكُمۡ اَیُّهَا النَّاسُ وَ یَاۡتِ بِاٰخَرِیۡنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰی ذٰلِكَ قَدِیۡرًا ''اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اے لوگو! اور دوسروں کو لے آئے اور اللہ تعالیٰ اس پر ہمیشہ سے پوری طرح قدرت رکھنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾جب یہ آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے سلمان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا:''ھم قوم ھٰذا'' کہ یہاں آخرین سے مراد یہ لوگ ہیں۔(قرطبی)(تفسیر اشرف الحواشی:120/1)﴿2﴾رب العزت کا فرمان ہے :هٰۤاَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ تُدۡعَوۡنَ لِتُنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنۡكُمۡ مَّنۡ یَّبۡخَلُ ۚ وَ مَنۡ یَّبۡخَلۡ فَاِنَّمَا یَبۡخَلُ عَنۡ نَّفۡسِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ الۡغَنِیُّ وَ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ ۚ وَ اِنۡ تَتَوَلَّوۡا یَسۡتَبۡدِلۡ قَوۡمًا غَیۡرَكُمۡ ۙ ثُمَّ لَا یَكُوۡنُوۡۤا اَمۡثَالَكُمۡ سنو تم وہ لوگ ہو کہ تمہیں بلایا جاتا ہے تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو تو تم میں سے بعض لوگ بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے بس وہ اپنے آپ ہی سے بخل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم محتاج ہو اور اگر تم منہ موڑو گے تو وہ تمہارے علاوہ کسی دوسری قوم کو بدل لائے گا پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔(محمد:38)﴿3﴾اِنۡ یَّشَاۡ یُذۡهِبۡكُمۡ وَ یَاۡتِ بِخَلۡقٍ جَدِیۡدٍ ﴿ۙ۱۹﴾ وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیۡزٍ اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل بھی دشوار نہیں ہے۔(ابراہیم:19,20)﴿4﴾اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی ملکیت اور حاکمیت کا خوف دلایا ہے کہ دیکھو وہ صاحبِ اختیار ہے ۔چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے۔انسان اس بات سے خوف کھا کر کہ اللہ تعالیٰ مجھے لے جائے گا اور دوسروں کو لے آئے گا،اپنی اصلاح کے لیے آمادہ ہوجاتا ہے۔﴿5﴾اگر تم نافرمانی کروگے،رب کے احکامات ٹھکراؤ گے،اس کے قانون کی توہین کروگے،اس کی فرماں برداری سے بھاگوگے تو وہ تمہیں فناء کرنے کی قدرت رکھتا ہے نافرمانوں کو

فنا کر کے وہ فرماں برداروں کو پیدا کرے گا۔

سوال2: اللہ تعالیٰ نے اپنے قَدِیۡر ہونے کا شعور کیسے دِلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت سے ان لوگوں کو لے جانے اور ان کی جگہ دوسروں کو بدل دینے سے اپنے قَدِیۡر ہونے کا شعور دلایا ہے۔

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيۡعًۢا بَصِيۡرًا (134)

جو دُنیا کے بدلے کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے پاس دُنیا اور آخرت کا بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔ (134)

سوال1: مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ ثَوَابَ الدُّنۡيَا فَعِنۡدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةِ ’’ جو دُنیا کے بدلے کا ارادہ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے پاس دُنیا اور آخرت کا بدلہ ہے‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا اور آخرت دونوں کا ثواب ہے جب دونوں کا سوال کرو گے تو وہ دونوں دے گا اور مال دار بنادے گا صرف دنیا چاہو گے تو آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ پھر لوگوں میں سے کوئی ہے جو کہتا ہے: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا ہی میں دے۔ اور اُس کے لیے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں۔ (البقرہ:200) مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعَاجِلَةَ عَجَّلۡنَا لَهٗ فِيۡهَا مَا نَشَآءُ لِمَنۡ نُّرِيۡدُ ثُمَّ جَعَلۡنَا لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلٰٮهَا مَذۡمُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا جو شخص جلدی والی دنیا کا ارادہ کرتا ہے تو اُسے ہم اسی میں جلدی دیں گے جو ہم چاہیں گے، جس کے لیے ہم ارادہ کریں گے، پھر اُس کے لیے ہم نے جہنم بنا رکھی ہے، وہ مذمت کیا ہوا، دھتکارا ہوا اس میں داخل ہوگا۔ (بنی اسرائیل:18) اگر دنیا اور آخرت دونوں چاہو گے تو وہ دونوں دے گا۔ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اور ان میں سے کوئی ہے جو کہتا ہے: اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ (البقرہ:201) مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ حَرۡثِهٖ ۚ وَمَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الدُّنۡيَا نُؤۡتِهٖ مِنۡهَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ نَّصِيۡبٍ جو کوئی آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے ہم اُس کے لیے اُس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے اور جو کوئی دنیا کی کھیتی کا ارادہ رکھتا ہے ہم اُسے اُس میں سے کچھ دے دیں گے اور آخرت میں اُس کے لیے کوئی حصہ

نہیں۔(الشوریٰ:20)﴿2﴾ جو دنیا میں صلہ چاہتا ہے تو دنیا کا مالک اللہ تعالیٰ ہے وہ جس کو جتنا چاہتا ہے دیتا ہے۔جو آخرت کا صلہ چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت کا صلہ عطا فرماتا ہے۔جیسا کہ فرمایا: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ۝۱۵ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (ھود:16،15) جوکوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت کا ارادہ رکھتا ہے، ہم اُن کے اعمال کا اسی دنیا میں ہی انہیں پورا پورا بدلہ دے دیں گے اور اسی دنیا میں ان سے کمی نہیں کی جائے گی۔یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں اور انہوں نے جو کچھ دنیا میں بنایا وہ سب برباد ہوگیا اور باطل ہیں جو وہ عمل کرتے رہے تھے۔﴿3﴾ جو صرف دنیا میں صلہ چاہتا ہے اور اپنی پوری ہمت دنیا کے لیے لگا دیتا ہے وہ جانوروں کی طرح ہے۔اس میں ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے جو اپنے دنیا کے مفادات کی خاطر اللہ تعالیٰ کی شریعت سے فرار کا راستہ اختیار کرتے ہیں حالانکہ دنیا طلبی پر بھی ملتا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے۔زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کا مقصد آخرت ہی بن جائے اللہ تعالیٰ اس کے منتشر امور کو جمع فرما دے گا اور اس کے دل کو غنی کر دے گا اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی اور جس کی نیت حصول دنیا ہو اس کے کاموں کو منتشر فرما دے گا اور اس کی آنکھوں کے سامنے تنگی کر دے گا اور دنیا اسے اتنی ہی ملے گی جتنی اس کے لیے لکھ دی گئی ہے۔(الترغیب والترھیب:121/4)

سوال2: وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے سَمِیع اور بَصِیر ہونے کا شعور کیسے دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ثواب اور آخرت کے ثواب کے انسانی ارادوں سے اپنے سَمِیع اور بَصِیر ہونے کا شعور دلایا ہے۔یقیناً وہ زبان سے کہی باتوں اور دل کی آوازوں کو سنتا اور پردۂ غیب میں چھپے ہوئے حقائق کو دیکھتا ہے۔

سوال3: اللہ تعالیٰ اپنی صفات کا شعور کیوں دلاتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ اپنی صفات کا شعور اس لیے دلاتے ہیں تاکہ لوگوں میں تقویٰ پیدا ہو۔

رکوع نمبر 17

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ

غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (135)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف پر قائم رہنے والے اور اللہ تعالیٰ کے لیے گواہی دینے والے بنو اگرچہ تمہاری اپنی جانوں کے یا والدین کے اور رشتے داروں کے خلاف ہو۔ اگر وہ امیر ہوں یا فقیر ہوں اللہ تعالیٰ ان دونوں سے زیادہ حق دار ہے۔ چنانچہ خواہشِ نفس کی اتباع نہ کرنا کہ تم عدل کرو اور اگر تم زبان کو پیچ دو یا پہلوتہی کرو تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے جو تم عمل کرتے ہو اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ (135)

سوال 1: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف پر قائم رہنے والے اور اللہ تعالیٰ کے لیے گواہی دینے والے بنو'' کی وضاحت کریں۔؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عدل پر قائم رہنے کا حکم دیا ہے۔ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں۔ کسی کو خوش کرنے کے لیے نہ کسی طمع سے، کسی پر ترس کھا کر یا کسی کی مروت کی وجہ سے یا سفارش سے عدل سے نہ ہٹیں۔ سب مل کر ایک دوسرے کے مددگار بن کر عدل قائم کرلیں۔ ﴿2﴾ قوام مبالغے کا صیغہ ہے یعنی اپنے تمام حالات میں عدل پر قائم رہو۔ (تفسیر سعدی:609/1) ﴿3﴾ قسط سے مراد حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بارے میں عدل وانصاف ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے حقوق میں انصاف یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں استعمال نہ کیا جائے بلکہ ان کو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری میں صرف کیا جائے اور حقوق العباد میں عدل وانصاف یہ ہے کہ بندوں کے وہ تمام حقوق ادا کیے جائیں جو تجھ پر اسی طرح واجب ہیں جس طرح تیرے حقوق ان پر واجب ہیں اور تو اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے پس نفقات واجبہ اور قرض وغیرہ ادا کر اور لوگوں سے اسی اخلاق وحسن صلہ کے ساتھ معاملہ کر، جو تو اپنے بارے میں ان سے چاہتا ہے۔ (تفسیر سعدی:609/1) ﴿4﴾ قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ ''انصاف پر قائم رہنے والے'' سے مراد ہے: الف۔ نصاف کی رَوش پر چلنے والے۔ ب۔ انصاف پر پوری طرح قائم رہنے والے۔ ﴿5﴾ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ (الف) اللہ کی رضا کے لیے گواہی دو، شہادت صحیح واقعی عدل والی اور برحق ہو، بدلی ہوئی نہ ہو اور شہادت کو نہ چھپاؤ اگرچہ تمہارے خلاف ہی کیوں نہ ہو، یعنی حق کا دامن نہ چھوڑو اگرچہ سچی شہادت سے خود تمہیں بظاہر دنیاوی نقصان پہنچتا ہو۔ جب تم سے کوئی بات پوچھی جائے تو حق بات کہو خواہ اس کا نقصان بظاہر دنیا

میں تم ہی کو پہنچ رہا ہو۔ کیونکہ اللہ سچے آدمی کی مدد فرما کر اسے ہر تکلیف دہ بات اور مضرت سے بچالے گا۔ (مختصرابن کثیر:378/1)

سوال 2: وَلَوۡ عَلٰۤى اَنۡفُسِكُمۡ اَوِ الۡوَالِدَيۡنِ وَالۡاَقۡرَبِيۡنَ ''اگرچہ تمہاری اپنی جانوں کے یا والدین کے اور رشتے داروں کے خلاف ہو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ محبت وعداوت دو ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو عدل وانصاف کی راہ سے ہٹا کر ظلم وجور میں مبتلا کر سکتی ہیں، سورہ نساء اور سورہ مائدہ کی دونوں آیتوں میں انہی دونوں رکاوٹوں کو دور کیا گیا ہے۔ (تفسیر معارف القرآن:576/2) ﴿2﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُوۡنُوۡا قَوّٰمِيۡنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالۡقِسۡطِ‌ وَلَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعۡدِلُوۡا‌ اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى‌ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ کے لیے خوب قائم رہنے والے، انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ، اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں ہرگز اس بات کا مجرم نہ بنا دے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈر جاؤ، جو بھی تم عمل کرتے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ اُس سے پوری طرح باخبر ہے۔ (المائدہ:8) ﴿3﴾ شہادت سے تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کو خواہ نقصان پہنچتا ہو، شہادت میں ان کی مروت نہ کرنا، ڈنکے کی چوٹ پر شہادت دینا اور ان کے نقصان کا خیال نہ کرنا کیونکہ حق وصداقت کا حکم سب پر حاوی ہے۔ (مختصرابن کثیر:379/1) ﴿4﴾ اسلام ایسا عدل چاہتا ہے جس سے ظلم کی نفی ہو۔ جس کی وجہ سے ہر حقدار کو اس کا حق ملے۔ حقوق میں سب برابر ہوں۔ رشتہ اور غیر رشتہ دار، دوست اور دشمن، فقیر اور غنی کا درجہ ایک ہو۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ایک مخزومی عورت کا معاملہ جس نے چوری کی تھی، قریش کے لوگوں کے لیے اہمیت اختیار کر گیا اور انہوں نے کہا کہ آنحضرت ﷺ سے اس معاملے میں کون بات کر سکتا ہے؟ اُسامہ رضی اللہ عنہ کے سوا جو آنحضرت ﷺ کو بہت پیارے ہیں اور کوئی آپ ﷺ سے اس کے سوا سفارش کی ہمت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ اُسامہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدود کے بارے میں سفارش کرنے آئے ہو؟ پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم سے پہلے کے لوگ اس لیے گمراہ ہو گئے کہ جب ان میں کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے لیکن اگر کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے تھے اور اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ نے بھی چوری کی ہوتی تو محمد ﷺ اس کا ہاتھ ضرور کاٹ ڈالتے۔ (بخاری:6788)

سوال 3: اِنۡ يَّكُنۡ غَنِيًّا اَوۡ فَقِيۡرًا فَاللّٰهُ اَوۡلٰى بِهِمَا‌ فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰٓى اَنۡ تَعۡدِلُوۡا ''اگر وہ امیر ہوں یا فقیر ہوں اللہ تعالیٰ ان دونوں سے زیادہ حق دار ہے۔ چنانچہ خواہشِ نفس کی اتباع نہ کرنا کہ تم عدل کرو'' کی وضاحت کریں؟

جواب :اِنۡ یَّکُنۡ غَنِیًّا اَوۡ فَقِیۡرًا فَاللّٰہُ اَوۡلٰی بِہِمَا ’’اگروہ امیرہوں یافقیرہوں اللہ تعالیٰ ان دونوں سے زیادہ حق دارہے۔《1》تو ایسے میں مالدار کے مال کی رعایت نہ کرنا اور فقیر پر ترس کھا کر جھوٹی گواہی نہ دینا۔اللہ تعالیٰ سب کا خیرخواہ ہے۔وہ خوب جاننے والا ہے کہ کس کی اصلاح کس میں ہے۔《2》فَلَا تَتَّبِعُوا الۡھَوٰٓی اَنۡ تَعۡدِلُوۡا ’’ چنانچہ خواہشِ نفس کی اتباع نہ کرنا کہ تم عدل کرو‘‘خواہشات کی پیروی تمہیں عدل سے نہ روکے۔کسی سے بغض یا دشمنی یا کسی کی محبت تمہیں عدل سے ہٹا کر ظلم کے راستے پر نہ لے آئے۔ہرحال میں عدل کرو۔《3》عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو نبی ﷺ نے خیبر کے محصولات کی وصولی کے لیے بھیجا۔وہ وہاں گئے تو ان لوگوں نے انہیں رشوت دینی چاہی کہ وہ ان کے ساتھ نرمی کریں۔انہوں نے یہودیوں سے کہا: خدا کی قسم!میں ایک ایسے شخص کا نمائندہ ہوں جو اس پوری دنیا سے زیادہ مجھے محبوب ہے اور خدا کی قسم!میں تمہیں بندروں اور خنزیروں سے بھی برا سمجھتا ہوں لیکن حضور ﷺ کی محبت اور تمہاری نفرت مجھے اس بات پر آمادہ نہیں کرسکتی کہ میں تمہارے درمیان عدل کے سوا کچھ اور کروں۔اس پر یہودیوں نے کہا:ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے زمین و آسمان کا نظام قائم ہے۔(ابن کثیر:660/1)

سوال4: گواہی دینا مشکل کام کیوں ہے؟

جواب:《1》رحم دِل انسان یہ چاہتا ہے کہ کمزوری کی وجہ سے غریب کے حق میں گواہی دے جبکہ گواہی حق پر دینی چاہیے۔《2》غریب مال دار سے نفرت کرتا ہو اور ناحق اس کے خلاف گواہی دینا چاہے تو اس وقت حق پر گواہی دینا مشکل ہوتا ہے۔《3》امیر کے خلاف گواہی دینا مشکل کام ہے۔

سوال5:خواہشات کس طرح انصاف کے راستے کی رکاوٹ بنتی ہیں؟

جواب:《1》انسان خواہشات سے متاثر ہوتا ہے۔《2》 کبھی ذات کی محبت رکاوٹ بنتی ہے۔《3》 کبھی رشتہ داروں کی محبت رکاوٹ بنتی ہے۔《4》 کبھی فقیر کے ساتھ رحم دِلی کے جذبات رکاوٹ بنتے ہیں۔《5》 کبھی کسی امیر کا لحاظ رکاوٹ بنتا ہے۔《6》 کبھی کسی کی نفرت کبھی کسی کی محبت رکاوٹ بنتی ہے۔

سوال6:وَاِنۡ تَلۡوٗۤا اَوۡ تُعۡرِضُوۡا ’’اور اگر تم زبان کو پیچ دو یا پہلو تہی کرو‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》وَاِنۡ تَلۡوٗۤا مجاہد کہتے ہیں اگر تم شہادت بدل دو۔(جامع البیان:376/5)《2》تَلۡوٗۤا سے مراد زبان کو پیچ دے کر اس طرح بات کرنا کہ جس کے خلاف گواہی پڑ جائے وہ بچ جائے۔《3》اَوۡ تُعۡرِضُوۡا مجاہد کہتے ہیں اس سے مراد ہے تم اسے چھپاتے

ہو۔(مختصرابن کثیر)تم شہادت کو چھپاؤ یا گواہی کو ترک کردو۔《4》اعراض سے شہادت کو چھپانا یا شہادت نہ دینا مراد ہے۔

سوال7: کج بیانی اور سچائی سے پہلوتہی سے اسلام نے کیسے روکا ہے؟

جواب: یہ کہہ کر کہ تم جو بھی کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے باخبر ہے تاکہ مومنوں کے دل میں یہ بات پختہ ہو جائے کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو انجام برا ہوگا۔

سوال8: گواہی کو چھپانا کیسا عمل ہے؟

جواب: رب العزت کا ارشاد ہے: وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ اور گواہی کو نہ چھپاؤ اور جو اس کو چھپائے گا تو یقیناً اس کا دل گناہ گار ہے۔(البقرہ:283)

سوال9: بہتر گواہ کون ہے؟

جواب: زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: کیا میں تمہیں بہتر گواہ کے متعلق نہ بتاؤں؟ جو پوچھنے سے پہلے ہی (سچی) گواہی دے دے۔(مسلم:4494)

سوال10: فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ''تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے جو تم عمل کرتے ہو اس سے پوری طرح باخبر ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے گواہی چھپانے والوں کو ڈرایا ہے کہ یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔وہ تمہیں تمہارے کیے کی سزا ضرور دے گا۔

سوال11: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اعمال سے اپنے خَبِیر ہونے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو انصاف پر قائم رہنے،حق کا گواہ بننے،خواہشات کی پیروی کر کے انصاف کو چھوڑ دینے سے بچانے کے لیے اپنے خَبِیر ہونے کا شعور دلایا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا (136)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی کتاب پر ایمان لے آؤ جو اس نے اپنے رسول پر

نازل فرمائی ہے اوراس کتاب پر بھی جواس سے پہلے اس نے نازل کی اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کا اوراس کے فرشتوں کا اور اُس کی کتابوں کا اوراس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن سے کفر کرتا ہے تو یقیناً وہ بھٹک گیا، بہت دور بھٹک جانا۔(136)

سوال1: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اوراس کی کتاب پر ایمان لے آؤ جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہے'' ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

جواب:《1》اس آیت میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ وہ ایمان کی تمام شاخوں پر اس کے ارکان واصول پر حاوی ہو جائیں۔《2》ایمان والوں کو ایمان لانے کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے کہ مومن ایمان کے اصول وفروع پر قائم ودائم اور جمے رہیں جس طرح ایک مومن ہر نماز میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کی دعا مانگتا ہے کہ اے اللہ ہمیں سیدھی راہ کی بصیرت دے، ہماری ہدایت میں اضافہ فرما اور ہمیں ہدایت پر ثابت قدم رکھ۔اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اللہ اوراس کے رسول پر ایمان کا حکم دیا ہے۔(مختصر ابن کثیر:379/1)《3》ایمان والوں سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ خالص سچے مؤمن بن جاؤ۔ حقیقی معنوں میں ایمان لاؤ۔

سوال2: اللہ تعالیٰ اوراس کے رسولوں پر ایمان لانے کا کیا اجر ہے؟

جواب: رب العزت کا ارشاد ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِہٖ یُؤْتِکُمْ کِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِہٖ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِہٖ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔اوراس کے رسول پر ایمان لاؤ۔وہ تمہیں اپنی رحمت میں سے دوگنا حصہ عطا فرمائے گا اور تمہیں ایسی روشنی عطا کرے گا جس کو لے کر تم چلو گے اور وہ تمہیں بخش دے گا۔اور اللہ تعالیٰ خوب بخشنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے۔(الحدید:28)

سوال3: رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ کتاب پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟

جواب: ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اس امت کا کوئی بھی یہودی اور نصرانی جو میری بات سنے، (شریعت) جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں (یعنی اسلام) اور وہ اس پر ایمان نہ لائے تو اس کا ٹھکانہ جہنم والوں میں سے ہوگا۔(مسلم:386)

سوال4: وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ''اوراس کتاب پر بھی جواس سے پہلے اس نے نازل کی'' میں کتاب سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس سے مراد تورات ہے۔

سوال5: قرآنِ مجید کے لیے نَزَّلَ اور تورات کے لیے اَنْزَلَ کا لفظ استعمال کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: نَـزَّلَ کا مطلب ہے: تدریج کے ساتھ آہستہ آہستہ اُتارنا۔ قرآنِ مجید تقریباً 23 برس میں اُترا ہے۔ اَنْزَلَ کا مطلب ہے: اُتار دینا تورات اُتاری گئی تھی۔

سوال6: رسول اللہ ﷺ سے پہلے نازل کردہ تمام کتابوں پر ایمان لانے کے مطالبے کا مقصد کیا ہے؟

جواب: اس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ ساری کتابیں دراصل ایک ہی سلسلے کی کڑی ہیں۔

سوال7: ایمان کے اساسی عناصر میں پچھلی کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ وضاحت کریں؟

جواب: پچھلی کتابوں پر ایمان لانا اس لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں۔ وہ دین بھی اسلام تھا۔ سب میں تعلیم بھی ایک تھی کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ساری کتابوں کا مقصد بھی ایک تھا یعنی انسان کو سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی دینا۔

سوال8: وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ''اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اُس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن سے کفر کرتا ہے تو یقیناً وہ بھٹک گیا، بہت دور بھٹک جانا'' کفر کرنے کا کیا انجام ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ، فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن سے کفر کرنے والے کا انجام یہ ہے کہ وہ ﴿1﴾ حق کے راستے سے بھٹک جائے گا۔ ﴿2﴾ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا۔ ﴿3﴾ اعتدال کے راستے سے بہت دور جا پڑے گا۔

سوال9: فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ''تو یقیناً وہ بھٹک گیا، بہت دور بھٹک جانا'' کی وضاحت کریں؟

جواب: جو لوگ اللہ تعالیٰ، فرشتوں، کتابوں، رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتے وہ گمراہی میں اتنی دور نکل گئے ہیں کہ اب ان کا ہدایت کے راستے پر آنا ممکن نہیں، ان سے امید بھی نہیں کی جا سکتی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا (137)

یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے، پھر انہوں نے کفر کیا، پھر ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے، نہ ہی

اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے گا اور نہ ہی وہ انہیں سیدھا راستہ دکھائے گا۔(137)

سوال1: اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا ثُمَّ ازۡدَادُوۡا ''یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے، پھر انہوں نے کفر کیا پھر ایمان لائے پھر کفر کیا، پھر کفر میں بڑھتے ہی چلے گئے'' ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا کیسا عمل ہے؟

جواب: جو شخص ہمیشہ اندھیرے میں رہا ہو، اگر وہ روشنی نہ دیکھ پائے تو وہ معذور ہے لیکن جو روشنی دیکھ لینے کے بعد اندھیرے میں رہنا چاہے اس کی ذہنی صحت پر شبہ ہوتا ہے۔ جو ایمان کے بعد کفر کا رویہ اختیار کرتا ہے تو وہ مرتد ہو جاتا ہے ایسے شخص کی موت کے بعد توبہ نہیں اللہ تعالیٰ اسے نہ معاف فرمائے گا، نہ اسے اس مصیبت سے نکالے گا اور نہ اس کی ہدایت کی کوئی صورت ہے۔

سوال 2: لَّمۡ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغۡفِرَ لَہُمۡ وَ لَا لِیَہۡدِیَہُمۡ سَبِیۡلًا ''نہ ہی اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے گا اور نہ ہی وہ انہیں سیدھا راستہ دکھائے گا'' جو لوگ ایمان کے بعد بار بار مرتد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ کیسا معاملہ کریں گے؟

جوب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے مرنے کے بعد اس کی توبہ قبول نہ کریں گے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت کا کوئی راستہ عطا نہیں کریں گے۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو معاف نہیں کریں گے۔ ﴿4﴾ ایسا شخص جس حال میں ہوگا اس سے نکلنے کے لیے اللہ تعالیٰ کوئی صورت پیدا نہیں کریں گے۔ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ اٰمَنُوۡا ثُمَّ کَفَرُوۡا فَطُبِعَ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ فَہُمۡ لَا یَفۡقَہُوۡنَ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ ایمان لائے پھر اُنہوں نے کفر کیا تو اُن کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔ چنانچہ وہ کچھ نہیں سمجھتے۔(منافقون:3)

بَشِّرِ الۡمُنٰفِقِیۡنَ بِاَنَّ لَہُمۡ عَذَابًا اَلِیۡمَا ۣ(138)

آپ منافقوں کو خوشخبری دے دیں کہ ان کے لیے واقعتاً دردناک عذاب ہے۔(138)

سوال1: بَشِّرِ الۡمُنٰفِقِیۡنَ ''آپ منافقوں کو خوشخبری دے دیں'' نفاق کسے کہتے ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ امام جرجانی رحمہ اللہ کے بقول نفاق زبان سے ایمان کا اقرار کرنا اور دل میں کفر کا چھپانا ہے۔(التعریفات:245)

﴿2﴾ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ کہتے ہیں: شرعی اعتبار سے نفاق کی دو قسمیں ہیں: نفاق اکبر اور نفاق اصغر۔ الف۔ نفاق اکبر یہ ہے کہ انسان ظاہری طور پر اللہ اُس کے فرشتوں، اُس کی کتابوں، اُس کے رسولوں اور آخرت کے دن پر ایمان رکھے اور باطن میں وہ جو سارے کا سارا یا اُس کا کچھ حصّہ اسلام کو توڑنے والا ہو۔ یہ نفاق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا اور قرآن مجید میں اُن کی مذمت کی گئی، اُن کو کافر قرار دیا گیا اور خبر دی گئی کہ یہ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝ بلاشبہ منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں دھوکہ دینے والا ہے اور جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہوکر کھڑے ہوتے ہیں وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یادنہیں کرتے مگر بہت ہی کم۔ وہ درمیان ہی میں ڈانواں ڈول ہیں، نہ اِن کی طرف ہیں نہ اُن کی طرف ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے تو آپ اس کے لیے ہرگز کوئی راستہ نہیں پائیں گے(النساء:142،143)۔ ب۔ نفاقِ اصغر سے مراد نفاقِ عمل ہے کہ انسان ظاہر میں جو کچھ ہے دل میں اُس کے خلاف چھپا ہے۔ (جامع العلوم والحکم:375، بخاری:34)

سوال4: بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ’’کہ ان کے لیے واقعتاً دردناک عذاب ہے‘‘ منافقوں کا کیا انجام ہوگا؟

جواب:《1》منافق ایمان لاکر کفر کرتے ہیں تو ان کے دلوں پر مہر لگادی جاتی ہے۔《2》اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ منافقوں کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا(139)

وہ لوگ جو مومنوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں؟ تو بلاشبہ عزت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔(139)

سوال1: الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ’’وہ لوگ جو مومنوں کے علاوہ کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں‘‘ منافق مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست کیوں بناتے ہیں؟

جواب:《1》منافق مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو اس لیے اپنا دوست بناتے ہیں تاکہ غلبہ اور قوت حاصل کریں۔《2》منافق کافروں کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔ منافق حقیقت میں کافروں ہی کے ساتھ ہیں۔

سوال2: اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ’’کیا وہ ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں؟ تو بلاشبہ عزت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے‘‘ انسان کہاں سے عزت پاسکتا ہے؟

جواب:《1》اس کائنات میں عزت اور قوت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ارشاد فرمایا: مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ جَمِيْعًا ۭ جو عزت کا ارادہ رکھتا ہو تو عزت ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ (فاطر:10)《2》انسانی نفس کے لیے ایک

ہی سہارا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جہاں سے وہ عزت پا سکتا ہے۔《3》صرف اللہ تعالیٰ کی غلامی سے انسان معزز ہوسکتا ہے۔اس لیے عزت صرف اسی سے طلب کرنی چاہیے۔

سوال3:اللہ تعالیٰ کے یہاں عزت کس لیے ہے؟

جواب:1۔رب العزت کا ارشاد ہے:وَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ وَلِرَسُوۡلِهٖ وَلِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَلٰـكِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ حالانکہ عزت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اور اُس کے رسول کے لیے اور ایمان والوں کے لیے ہے لیکن منافق جانتے نہیں ہیں۔(المنافقون:8)

《2》مستدرک حاکم میں ہے کہ سیدنا فاروق رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے عامل (گورنر) سے فرمایا:یعنی (اے ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ) تم تعداد میں سب سے کم اور سب سے زیادہ کمزور تھے،تم کو محض اسلام کی وجہ سے عزت وشوکت ملی ہے،تو خوب سمجھ لو اگر تم اسلام کے سوا کسی دوسرے ذریعہ سے عزت حاصل کرنا چاہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ذلیل کردے گا۔(مستدرک:82/3)

وَقَدۡ نَزَّلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الۡكِتٰبِ اَنۡ اِذَا سَمِعۡتُمۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكۡفَرُ بِهَا وَيُسۡتَهۡزَاُ بِهَا فَلَا تَقۡعُدُوۡا مَعَهُمۡ حَتّٰى يَخُوۡضُوۡا فِىۡ حَدِيۡثٍ غَيۡرِهٖ ‌ۖ اِنَّكُمۡ اِذًا مِّثۡلُهُمۡ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡكٰفِرِيۡنَ فِىۡ جَهَنَّمَ جَمِيۡعَاۙ (140)

اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تم پر حکم نازل کردیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے، اوران کا مذاق اُڑایا جاتا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہوجائیں بلاشبہ تم بھی اس وقت ان ہی جیسے ہوگے۔یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔(140)

سوال1:وَقَدۡ نَزَّلَ عَلَيۡكُمۡ فِى الۡكِتٰبِ اَنۡ اِذَا سَمِعۡتُمۡ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكۡفَرُ بِهَا وَيُسۡتَهۡزَاُ بِهَا فَلَا تَقۡعُدُوۡا مَعَهُمۡ حَتّٰى يَخُوۡضُوۡا فِىۡ حَدِيۡثٍ غَيۡرِهٖ ''اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تم پر حکم نازل کردیا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جاتا ہے،اور ان کا مذاق اُڑایا جاتا ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہوجائیں''مراتبِ نفاق کا بدترین درجہ کون سا ہے؟

جواب:《1》نفاق کا بدترین درجہ یہ ہے کہ ایمان والا کسی ایسی مجلس میں بیٹھا رہے جس کے اندر اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اُڑایا جارہا ہو اور وہ خاموش بیٹھا رہے یا چشم پوشی کرے،پھر اس کو رواداری کا نام دے یا آزادی اور وُسعتِ قلبی کا نام دے تاکہ لوگ اسے کمزور ایمان کا طعنہ نہ دیں۔《2》فَلَا تَقۡعُدُوۡا مَعَهُمۡ تمہارا ان کے ساتھ بیٹھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کی آیتوں کے

انکار کیے جانے اوران کا مذاق اڑائے جانے پر تم راضی ہو، پھر کفر اور عذاب جہنم کے مستحق ہونے میں تم انہی کے مانند ہو جائے گے۔حاکم کہتے ہیں کہ جو علمائے اسلام ملحدین اسلام کے ساتھ مناظرہ کرنے کے لیے ان کی مجلسوں میں جاتے ہیں۔ان کے لیے کوئی ممانعت نہیں بلکہ انہیں اجر وثواب ملے گا،اور اگر کسی مجلس میں اللہ، رسول یا دین اسلام کا مذاق اڑایا جا رہا ہو، جو شخص اس سے راضی ہوگا، وہ کافر ہو جائے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ (تیسر الرحمٰن:305)《3》 سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے ایک مرتبہ چند لوگوں کو اس جرم میں گرفتار کیا کہ وہ شراب پی رہے تھے، ان میں سے ایک شخص کے بارے میں ثابت ہوا کہ وہ روزہ رکھے ہوئے ہے، اس نے شراب نہیں پی، لیکن ان کی مجلس میں شریک تھا، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی سزا دی کہ وہ ان کی مجلس میں بیٹھا ہوا کیوں تھا۔(بحر محیط:375/3)《4》 تفسیر ابن کثیر میں اس جگہ یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یعنی جو شخص اللہ پر اور روز آخرت پر آیمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ ایسے دستر خوان یا کھانے کی میز پر بھی نہ بیٹھے جہاں شراب کا دور چلتا ہو۔(ابن کثیر:567/1)

سوال2: اگر کوئی مومن کسی مجلس میں اپنے دین کے ساتھ مذاق سنے تو وہ کیا کرے؟

جواب:《1》 اپنے دین کا دفاع کرے۔《2》 اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہاں سے اُٹھ کر چلا جائے۔

سوال3: کوئی ایمان والا اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اُڑانا کیسے برداشت کرسکتا ہے؟

جواب: ایمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اُڑاتے دیکھنا ممکن نہیں ہے۔انسان کا ایمان کمزور ہوتا ہے تو اس کے لیے یہ قابلِ برداشت ہو جاتا ہے۔

سوال4: دین کے ساتھ مذاق پر چشم پوشی کرنا یا خاموش رہنا کیسا عمل ہے؟

جواب: یہ انسان کے ایمان کی شکست کا پہلا مرحلہ ہے ابو سعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: جو شخص تم میں سے کوئی بات شریعت کے خلاف دیکھے تو وہ ہاتھ سے اس کو بدل دے اگر ایسا ممکن نہ ہو تو زبان سے ایسا کرے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل سے ہی اس کو برا جانے مگر یہ ضعیف ترین ایمان کا درجہ ہے۔(مسلم:177)

سوال5: حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ’’یہاں تک کہ وہ کسی دوسری بات میں مشغول ہو جائیں‘‘ کی وضاحت کریں؟

جواب: اہل باطل کے ساتھ مجالست کی چند صورتیں ہیں:《1》 ان کے کفریات پر رضا کے ساتھ، یہ کفر ہے،《2》 اظہار کفریات کے وقت کراہیت کے ساتھ یہ بلا عذر فسق ہے،《3》 کسی ضرورت دنیوی کے واسطے مباح ہے،《4》 تبلیغ احکام

کے لیے عبادت ہے،《5》اضطرار اور بے اختیاری کے ساتھ، اس میں معذور ہے۔ (تفسیر معارف القرآن: 586/2)

سوال6: کسی شخص کے ایمان کی نشانی کیا ہے؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ کے لیے محبت۔《2》اللہ تعالیٰ کے دین کے لیے محبت۔《3》اللہ تعالیٰ کی آیات کے لیے محبت۔

سوال7: اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ''بلاشبہ تم بھی اس وقت ان ہی جیسے ہوگے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ''بے شک تم بھی اس وقت ان جیسے ہوگے'' اس سے مراد یہ ہے کہ جن مجالس میں اللہ تعالیٰ کی آیات کا مذاق اُڑایا جاتا ہے اگر اہلِ مجلس کو روکو گے نہیں تو تم بھی گناہ میں ان کے برابر ہوگے۔ رب العزت کا ارشاد ہے: وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اور جب آپ ان کو دیکھیں کہ ہماری آیتوں پر فضول بحث کرتے ہیں تو آپ ان سے منہ موڑ جائیں یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں۔ (الانعام: 68)

سوال8: اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا ''یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: منافق اور کافر دونوں جہنم میں جمع ہوں گے یعنی جس طرح دنیا میں وہ کفر اور شرک میں شریک تھے اسی طرح خلودِ نار میں بھی شریک ہوں گے پکڑ دھکڑ میں، بیڑیوں اور طوقوں میں، کھولتے ہوئے پانی اور زخموں کا دھون پینے میں سب برابر کے شریک ہوں گے اور سب کو ہمیشگی والے عذاب کی سزا کا مستوجب قرار دیا جائے گا (مختصر ابن کثیر: 381/1)

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ڮ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (141)

جو تمہارے بارے میں انتظار میں رہتے ہیں، پھر اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے کوئی فتح ہو تو کہتے ہیں: ''کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟'' اور اگر کافروں کے لیے کوئی حصہ ہو تو ان سے کہتے ہیں: ''کیا ہم تم پر غالب

نہیں ہو گئے تھے؟ ہم نے تمہیں مسلمانوں سے نہیں بچایا؟'' چنانچہ اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مومنوں پر ہرگز کوئی راہ نہیں بنائے گا۔(141)

سوال1:الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ'' جو تمہارے بارے میں انتظار میں رہتے ہیں'' مسلمانوں کے بارے میں منافق کس چیز کے انتظار میں رہتے ہیں؟

جواب: منافق مسلمانوں کے زوال کے منتظر رہتے ہیں کہ کسی طرح ان کا دین ختم ہو اور ان کے دشمن ان پر غالب آئیں۔

سوال2: فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ'' پھر اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے کوئی فتح ہو تو کہتے ہیں: کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اور اگر کافروں کے لیے کوئی غلبہ ہو تو ان سے کہتے ہیں: کیا ہم تم پر غالب نہیں ہو گئے تھے؟ ہم نے تمہیں مسلمانوں سے نہیں بچایا'' منافقوں کے دوہرے کردار کی وضاحت کریں؟

جواب: اسلام اور مسلمانوں کے بدخواہ انتظار میں رہتے ہیں۔﴿1﴾ مسلمان شکست کھائیں تو کافروں کو یقین دلاتے ہیں کہ ہماری تدبیروں کی وجہ سے تم مسلمانوں سے محفوظ رہے۔﴿2﴾ اگر مسلمانوں کو فتح نصیب ہو اور مالِ غنیمت ملے تو کہتے ہیں کہ ہم اگر جنگ پر نہیں گئے تھے تو تمہاری پشت پر تمہارے ہی مددگار تھے۔

سوال3: مسلمانوں کی فتح وشکست کے لیے کیا شرط ہے؟

جواب:﴿1﴾ مسلمان اپنی عملی زندگی میں ایمان کے تقاضوں کے مطابق تبدیلی لائیں۔﴿2﴾ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمان دشمنوں کے آگے نہ جھکیں اور صرف اللہ تعالیٰ سے عزت کے طلب گار ہوں۔

سوال4: فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" چنانچہ اللہ تعالیٰ ہی قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ کرے گا" کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ منافقوں اور مومنوں کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کریں گے یعنی منافق یہ نہ سمجھیں کہ دنیا میں زبان سے اقرار کرنے کی وجہ سے انہیں مسلمانوں کے گروہ میں شمار کیا جاتا رہا تو قیامت کے دن وہ بچ جائیں گے۔

سوال5: وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا'' اور اللہ تعالیٰ کافروں کے لیے مومنوں پر ہرگز کوئی راہ نہیں بنائے گا" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ کافروں کو مسلمانوں پر کبھی ایسا غلبہ نہیں دے گا کہ مسلمان ختم ہو جائیں۔《2》اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کا وعدہ مسلمانوں سے ہے۔ارشاد ہے: وَ لَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اور نہ تم ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔(آلِ عمران:139)

سوال6: اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ کافروں کے لیے مومنوں پر ہرگز کوئی راستہ نہیں بنائے گا۔اب اس وقت معاملہ برعکس کیوں ہے؟

جواب:《1》انسانی تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ جن مومنوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے ان پر کبھی کفار کو غلبہ نہیں ملا۔《2》یہاں راہ سے مراد حجت ہے۔کافروں کی کوئی حجت مسلمانوں پر کارگر نہیں ہوگی کیوں کہ دنیا و آخرت میں اہلِ تقوی کا انجام ہی بہتر ہوگا جیسا کہ فرمایا: اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ يقيناً ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں بھی اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔(مومن:51) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کیے کہ وہ ان کو زمین میں ضرور بہ ضرور جانشین بنائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو جانشین بنایا تھا اور ان کے لیے ان کے دین کو ضرور بہ ضرور اقتدار دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند کیا ہے اور وہ ضرور بہ ضرور ان کے خوف کے بعد بدل کر امن دے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے اور جس نے اس کے بعد کفر کیا تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔(النور:55)《3》ابو مالک نے کہا: اس سے مراد ہے کہ قیامت کے دن کافروں کے لیے مومنوں پر ہرگز کوئی راہ نہیں بنائے گا۔(جامع البیان:387/5)

آخری آیات

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (142)

بلاشبہ منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں دھوکہ دینے والا ہے اور جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت ہی کم۔(142)

سوال1: اس آیت کا شانِ نزول کیا ہے؟

جواب: ابن جریج نے کہا یہ آیت عبداللہ بن ابی اور ابو عامر بن نعمان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی۔ (تفسیر جامع البیان: 388/5:5)

سوال2: منافق کیسے دھوکہ دیتے ہیں؟

جواب: مسلمانوں کے سامنے وہ کلمہ پڑھتے ہیں اور دل میں کفر چھپائے ہوئے ہیں۔

سوال3: اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ''بلاشبہ منافق اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں حالانکہ وہ انہیں دھوکہ دینے والا ہے'' اللہ تعالیٰ کا منافقوں کو دھوکہ دینے سے کیا مراد ہے؟

جواب: ﴿1﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ: وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دیتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ دھوکے میں نہیں آتا کیوں کہ دھوکے میں وہی آتا ہے جسے باتیں معلوم نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ تو دلوں کی باتوں سے خوب آگاہ ہے اور وہ کیسے دھوکے میں آ سکتا ہے؟ (مختصر ابن کثیر) ﴿2﴾ وَهُوَ خَادِعُهُمْ منافقوں کو دھوکہ دینے سے مراد یہ ہے کہ وہ منافقوں کو ان کے دھوکے کا بدلہ دیتا ہے۔ ﴿3﴾ وَهُوَ خَادِعُهُمْ اللہ تعالیٰ منافقوں کو دنیا اور آخرت میں رسوا کرتا ہے۔ ﴿4﴾ اللہ تعالیٰ کا دھوکہ یہ ہے کہ اس نے منافقوں کو ڈھیل دے رکھی ہے۔ وہ سرکشی اور گمراہی میں ڈوبتے جا رہے ہیں۔ اس طرح حق تک کبھی نہیں پہنچ سکیں گے۔ دنیا میں حق سے محروم رہیں گے کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہمیں پکڑ لیتا۔ وہ تو ہم پر مہربان ہے۔ ہمارے لیے تو برکتوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں یہی استدراج ہے۔ ﴿5﴾ قیامت کے دن کے دھوکے کا تذکرہ سورۃ الحدید میں ہے۔ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں ایمان والوں سے کہیں گے: ہمارا انتظار تو کرو کہ ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کریں'' کہا جائے گا: اپنے پیچھے لوٹ جاؤ، پھر کچھ نور تلاش کرو چنانچہ اُن کے درمیان دیوار حائل کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا، اُس کے اندرونی حصے میں رحمت ہوگی اور اُس کے بیرونی حصے میں اس کی طرف عذاب ہوگا۔ (الحدید:13)

سوال4: وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ''اور جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو سست ہو کر کھڑے ہوتے ہیں'' منافق کی نماز کی کیا خصوصیات ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ منافق کی نماز کا مقصد لوگوں کے لیے دکھاوا ہوتا ہے تا کہ انہیں نیک سمجھا جائے۔ ﴿2﴾ منافق کی نیت نماز کی

نہیں ہوتی۔《3》منافق نماز کے لیے بوجھل دل، بوجھل وجود کے ساتھ اُٹھتا ہے۔《4》منافق بے وقت نماز پڑھتا ہے۔
《5》منافق نماز کے ارکان اور اعمال پر غور نہیں کرتا۔

سوال5: یُرَآءُوْنَ النَّاسَ ''وہ لوگوں کو دکھاتے ہیں'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》منافق کی نماز کا مقصد ہے وہ لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھتا ہے۔عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: جو شخص شہرت کا طالب ہو اللہ تعالیٰ اس کی بدنیتی قیامت کے دن سب کو سنا دے گا اور جو شخص لوگوں کو دکھانے کے لیے نیک کام کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو لوگوں کو دکھلا دے گا۔(مسلم:7476)《2》شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: جس نے دکھاوے کی نماز پڑھی اس نے شرک کیا' جس نے دکھاوے کا روزہ رکھا اس نے شرک کیا جس نے دکھاوے کا صدقہ کیا اس نے شرک کیا۔(احمد)

سوال6: وَلَا یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِیْلًا ''اور اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت ہی کم'' کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》منافق نماز میں اللہ تعالیٰ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: یہ منافق کی نماز ہے کہ بیٹھ کر سورج کا انتظار کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان ہو جاتا ہے تو یہ کھڑے ہو کر چار ٹھونگیں مار لیتا ہے اور ان میں بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کم کرتا ہے۔(مسلم:1412)《2》عبدالعزیز کے بھائی عثمان بن ابی رواد نے بیان کیا کہ انہوں نے کہا کہ میں نے زہری سے سنا کہ میں دمشق میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا۔آپ رضی اللہ عنہ اس وقت رو رہے تھے میں نے عرض کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے عہد کی کوئی چیز اس نماز کے علاوہ اب میں نہیں پاتا اور اب اس کو بھی ضائع کر دیا گیا ہے۔(صحیح بخاری:530)《3》ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ''منافقوں پر فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ اور کوئی نماز بھاری نہیں اور اگر انہیں معلوم ہوتا کہ ان کا ثواب کتنا زیادہ ہے(اور چل نہ سکتے) تو گھٹنوں کے بل گھسٹ کر آتے اور میرا تو ارادہ ہو گیا تھا کہ مؤذن سے کہوں کہ وہ تکبیر کہے پھر میں کسی کو نماز پڑھانے کے لیے کہوں اور خود آگ کی چنگاریاں لے کر ان سب کے گھروں کو جلا دوں جو ابھی تک نماز کے لیے نہیں نکلے۔(صحیح بخاری:657)《4》منافق اللہ سے نہیں ڈرتے نماز سے جو بھلائی ملتی ہے اس سے محروم ہو جاتے ہیں۔

سوال7: مومن کی نماز کی کیا خصوصیات ہیں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں نماز پڑھنا۔《2》اللہ تعالیٰ کے سامنے غلامی کا اظہار کرنا۔《3》اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا۔《4》اللہ تعالیٰ کی یاد کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے جڑنا۔《5》اللہ تعالیٰ کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنا۔《6》وقت کی پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنا۔《7》ایک نماز کے بعد اگلی نماز کا انتظار کرنا۔

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا (143)

وہ درمیان ہی میں ڈانوا ڈول ہیں، نہ اِن کی طرف ہیں نہ اُن کی طرف ہیں اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے تو آپ اس کے لیے ہرگز کوئی راستہ نہیں پائیں گے۔(143)

سوال1:مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰٓؤُلَاۤءِ "وہ درمیان ہی میں ڈانوا ڈول ہیں، نہ اِن کی طرف ہیں نہ اُن کی طرف ہیں" کی وضاحت کریں؟

جواب:《1》اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی حالت بیان کی ہے کہ وہ ایمان اور کفر کے درمیان حیران اور تذبذب کی حالت میں ہیں۔منافق نہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں اور نہ کافروں کے ساتھ ہیں، کبھی مسلمانوں کو اطمینان دلاتے ہیں اور کبھی کافروں کو یقین دلاتے ہیں۔ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: منافق کی مثال اس بکری کی طرح ہے جو دو ریوڑوں کے درمیان ماری ماری پھرتی ہے کبھی اس ریوڑ میں چرتی ہے کبھی اس ریوڑ میں۔(مسلم:7043)《2》ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں اس شخص کو سب سے بدتر پاؤ گے جو کچھ لوگوں کے سامنے ایک رخ سے آتا ہے اور دوسروں کے سامنے دوسرے رخ سے جاتا ہے۔(صحیح بخاری:6058)

سوال2:وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ''اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے تو آپ اس کے لیے ہرگز کوئی راستہ نہیں پائیں گے'' وضاحت کریں؟

جواب:جو شخص سب کچھ جانتے اور سمجھتے ہوئے گمراہی میں جا پڑے اس کو سیدھے راستے پر لانے کے لیے انسانی کوششیں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ارشاد ہے: مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کردے تو اُس کو راستہ دکھانے والا کوئی نہیں اور انہیں وہ سرکشی میں چھوڑ دیتا ہے کہ وہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔(الاعراف:186)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۤءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا

مُّبِيۡنًا(144)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ، کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے خلاف اللہ تعالیٰ کے لیے ایک واضح حجت بنالو؟(144)

سوال1: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡكٰفِرِیۡنَ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ'' مسلمانوں کے مقابلے میں کفار سے دوستی کس چیز کی دلیل ہے؟

جواب: ﴿1﴾ کفار سے دوستی بڑا جرم ہے، یہ قطعی کفر ہے اس کے بعد دوزخ کا داخلہ لکھ دیا جائے گا۔ ﴿2﴾ حاکم کہتے ہیں کہ یہ آیت دلیل ہے کہ کافر کی دوستی حرام ہے۔ (تیسیر الرحمٰن:307)

سوال2: اَتُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ عَلَیۡكُمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِیۡنًا ''کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے خلاف اللہ تعالیٰ کے لیے ایک واضح حجت بنالو'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ اگر مومن کافروں سے ہمدردی اور خیر خواہی کریں، ان کو دوست بنائیں تو اللہ تعالیٰ کو اپنے خلاف ایک واضح حجت دے دیں گے اور عذاب کے مستحق بنیں گے۔

اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ نَصِیۡرًا(145)

یقیناً منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور آپ ان کا ہرگز کوئی مددگار نہ پاؤ گے۔(145)

سوال1: اِنَّ الۡمُنٰفِقِیۡنَ فِی الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ''یقیناً منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے'' منافقین کا درجہ کافروں سے بھی نیچے کیوں ہے؟

جواب: تذبذب والا ایمان اللہ تعالیٰ کے ہاں قابلِ قبول نہیں۔ اس کے مقابلے میں کفرِ صریح میں دھوکہ نہیں ہے۔ دوزخ کا سب سے نچلا طبقہ اس دھوکے کی سزا ہے۔

سوال2: الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ ''سب سے نچلے درجے میں'' سے کیا مراد ہے؟

جواب: ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ سے مراد جہنم کا سب سے نچلا درجہ ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر)

سوال3: وَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ نَصِیۡرًا ''اور آپ ان کا ہرگز کوئی مددگار نہ پاؤ گے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ منافقوں کو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی مددگار نہیں ملے گا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا(146)

مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے تھام لیا اور اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جلد ہی مومنوں کو اجر عظیم عطا کرے گا۔(146)

سوال1: اس آیت سے مراد کون لوگ ہیں؟

جواب: اسود نے بیان کیا کہ ہم عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حلقۂ درس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ہمارے پاس کھڑے ہو کر سلام کیا پھر کہا: نفاق میں وہ جماعت مبتلا ہوگئی جو تم سے بہتر تھی۔ اس پر اسود بولے: سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ (منافق دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے)'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مسکرانے لگے اور حذیفہ رضی اللہ عنہ مسجد کے کونے میں جا کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اٹھ گئے اور آپ کے شاگرد بھی ادھر اُدھر چلے گئے پھر حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مجھ پر کنکری پھینکی (یعنی مجھے بلایا) جب میں حاضر ہو گیا تو کہا: مجھے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہنسی پر حیرت ہوئی حالانکہ جو کچھ میں نے کہا تھا اسے وہ خوب سمجھتے تھے۔ یقیناً نفاق میں ایک جماعت کو مبتلا کیا گیا تھا جو تم سے بہتر تھی پھر انہوں نے توبہ کر لی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توبہ قبول کر لی۔ (بخاری:4602)

سوال2: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ '' مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور انہوں نے اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے تھام لیا اور اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے'' الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ سے بچا لیے جانے والوں کی کیا خصوصیات ہیں؟

جواب: ﴿1﴾ توبہ: اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا '' مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی'' یہاں توبہ سے مراد ندامت ہے یعنی پچھلے اعمال پر شرمندگی۔ اس سے مراد نفاق سے توبہ ہے۔ (تفسیر قاسمی:533/5) ﴿2﴾ اصلاح: وَاَصْلَحُوْا '' اور اصلاح کر لی''۔ الف۔ اصلاح سے مراد آئندہ کے لیے اپنے عقیدے اور اعمال کی اصلاح ہے۔ ب۔ اس سے مراد نفاق اور اعمال کی اصلاح ہے۔ (الاساس:1216/2) ﴿3﴾ اِعتصام باللہ: وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ '' اور انہوں نے اللہ تعالیٰ (کے دین) کو مضبوطی سے تھام لیا'' الف۔

اللہ تعالیٰ کی رسی کو یعنی قرآنِ مجید کو مضبوطی سے تھام لیا۔ب۔مخلص مومنوں کی طرح اللہ تعالیٰ سے مضبوتی سے جڑ گئے۔ (الاساس:1216/2)۔﴿4﴾اِخلاص :وَ اَخۡلَصُوۡا دِیۡنَهُمۡ لِلّٰهِ ”اور اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا“ الف۔دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر دینے سے مراد ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کریں۔ب۔اس سے مراد ہے کہ انہوں نے ریا کاری کو چھوڑ کر اخلاص اپنا لیا اور پھر اللہ کی رضا کے لیے اطاعت کی۔(الاساس:1216/2)۔ج۔رب العزت نے فرمایا: اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔(الفاتحہ:5)

سوال3: فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ”تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہوں گے“کی وضاحت کریں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ جو توبہ، اصلاح، اعتصام باللہ اور دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں مومنوں کی جماعت میں شامل کرے گا۔

سوال4: وَسَوۡفَ یُؤۡتِ اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اَجۡرًا عَظِیۡمًا ”اور اللہ تعالیٰ جلد ہی مومنوں کو اجرِ عظیم عطا کرے گا“ کی وضاحت کریں؟

جواب: منافقوں کو نفاق چھوڑنے پر اجر کی خوشخبری دی جا رہی ہے کہ اگر تم توبہ کر لو تو دنیا اور آخرت کے جو مفادات مومنوں کو حاصل ہوں گے تمہیں بھی دیئے جائیں گے۔جیسا کہ رب العزت نے فرمایا: فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡیُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ چنانچہ کوئی شخص نہیں جانتا ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک میں سے کیا چھپا کر رکھا گیا اس عمل کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔(السجدہ:17)

مَا یَفۡعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمۡ اِنۡ شَكَرۡتُمۡ وَ اٰمَنۡتُمۡ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِیۡمًا(147)

کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دینے سے اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ؟ اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے قدر کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے(147)

سوال1: مَا یَفۡعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمۡ اِنۡ شَكَرۡتُمۡ وَ اٰمَنۡتُمۡ ”کیا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دینے سے اگر تم شکر کرو اور ایمان لے آؤ؟“ کی وضاحت کریں؟

جواب:﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے واضح کیا ہے کہ عذاب کی وجہ شکر نہ کرنا اور ایمان نہ لانا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے کہ آپ کو عذاب دے۔معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سواری پر آپ ﷺ کے پیچھے

بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اور آپ ﷺ کے درمیان کجاوے کی درمیانی لکڑی کے علاوہ کوئی اور چیز حائل نہ تھی۔ اتنے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں حاضر ہوں۔ پھر تھوڑی دیر چلے پھر فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں حاضر ہوں۔ پھر تھوڑی دیر چلے۔ پھر فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ! میں حاضر ہوں۔ پھر فرمایا: کیا تو جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے صرف اُسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ (اس کے بعد) پھر آپ ﷺ تھوڑی دیر چلتے رہے۔ پھر فرمایا: اے معاذ بن جبل! کیا تو جانتا ہے کہ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ بشرطیکہ وہ ایسا کریں (یعنی شریک نہ کریں) میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو عذاب نہ دے۔ (بخاری:5967) ﴿2﴾ زیاد بن علاقہ نے بیان کیا کہ میں نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے سنا کہ نبی ﷺ اتنی دیر تک کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہتے کہ آپ ﷺ کے قدم یا (یہ کہا کہ) پنڈلیوں پر ورم آجاتا۔ جب آپ ﷺ سے اس کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا تو فرماتے: کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ (صحیح بخاری:1130)

سوال 2: شکر گزاری کا کیا مطلب ہے؟

جواب: شکر گزاری کا مطلب اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق برائیوں سے بچنا اور نیک عمل کرنا ہے۔

سوال 3: وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے قدر کرنے والا ہے'' کی وضاحت کریں؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ بندے کی نیکی کی قدر کرتا ہے۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ بندے کے شکر گزاری اور احسان مندی کے رویے کی قدر کرتا ہے۔

سوال 4: وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ''اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی سے قدر کرنے والا، سب کچھ جاننے والا ہے'' اللہ تعالیٰ نے اپنے شاکر اور علیم ہونے کا شعور کیوں دلایا ہے؟

جواب: ﴿1﴾ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں شکر گزاری کا رویہ پیدا کرنے کے لیے اپنے شاکر ہونے کا شعور دلایا ہے کہ جو شکر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی قدر کرے گا۔ ﴿2﴾ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دل سے ایمان لانے کے لیے اپنے علیم ہونے کا شعور دلایا ہے کہ جو دل سے ایمان لائے گا اللہ تعالیٰ اس کو جان لے گا۔ ﴿3﴾ اللہ تعالیٰ نے اپنے علیم ہونے سے، اپنے شاکر

ہونے کا شعور دلایا ہے کہ وہ شکرگزاریوں کا علم رکھتا ہے اس لیے وہی ان کی بہترین جزا دے سکتا ہے لہٰذا تم شکرگزاری کا رویہ اختیار کرو۔